



OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۴۳۲۳ Accession No. ۱۰۴۴۳

Author شریعہ العظیم - ج ۱

Title ایام العرب

This book should be returned on or before the date last marked below.



۱۳۷۰ / ۱۳ / ۱۳۷۰

# ایک

دیکھپ اور شیعہ تاریخی ناول

مصنف

مولانا مولوی محمد عبدالحکیم صاحب شریک الدین دکن

جین

جاہلیت عرب کا عشق اور یوم حلیہ و یوم ذی قار کے دیکھنے کے گم ہونے

اور جو

باہتمام خاکسار حکیم محمد سران الحق منیر و پرنٹر پبلشر دکن

۱۹۱۵ء میں

دکن از پریس لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ خان

مین چھپ کے شائع ہوا



مولانا شریعہ غلطہ کی شہور نظم  
سچ مکمل فہرست کارخانہ روضہ الریحین وکت مصنفہ مولانا صاحب موصوف بہت ہی  
خوبی سے چھپوائی گئی ہے۔ ناظرین و لکڑاڑے۔ رکاوٹ بھیج کر طلب کر لیں۔ اسکے اعلیٰ ادیشن کی  
قیمت مردار و آ رہے محصول کیواسے ٹکٹ علیحدہ ۱۰ سال فرمائے۔

## ۵۴ کارخانہ روضہ الریحین لکھنؤ کا علی عظمیٰ

آپ ایک دفعہ آزمائے تو دیکھیں  
عطر کیے لکھنؤ شہور جگہ مفسوس کہ جو عطر جوہر باہر ان کو نہیں ملتا کہونکہ کہیں مال کی روٹی نور کے مالہ خواہ  
وخل فصل کا خیازہ ان کے ملک میں ہی کو اٹھاتا ہے جو باہر سے شگوائے اور بے دیکھے خریدنے پر بھوپین اور بعض  
شہارہ بے دالوں کی حالت کہ وہ کویہ کمال کو اور بھی پار کو بھیجتے ہیں عام خریداریاں دیکھ کے ہم نے لیا کہ باہر کے  
جو صاحب طلبہ مائین ان کے لیے مستند و مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل فوہ خاص طور پر استام کر کے  
ال غولی جابجہ نے در کھفایت خرید کر کے روانہ کر دیا کہ بہت اچھا اور قابل ضمانت انتظام کیا گیا عطر کے شائق  
ایک بار اس کا نمونہ کر دیکھیں کہ ہمارے ذریعہ سے انھیں کیسا اچھا عطر اور کس دامن کو ملتا ہے

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر خافقہ در عہدہ عہدہ	عطر موسری فیتولہ عہدہ	عطر سنگرہ فیتولہ عہدہ	عطر مخلوط عہدہ عہدہ
عطر ہلک پری عہدہ	عطر چیلی عہدہ عہدہ	عطر پازری عہدہ عہدہ	عطر جلیہ عہدہ عہدہ
عطر کیوڑا عہدہ عہدہ	عطر عروس عہدہ عہدہ	عطر شہناز عہدہ عہدہ	عطر روح گلپ عہدہ عہدہ
عطر خس عہدہ عہدہ	عطر منی عہدہ عہدہ	عطر اگرغری فیتولہ عہدہ	عطر اگرگنہ عہدہ عہدہ
عطر پازری صلی عہدہ عہدہ	عطر فتنہ عہدہ عہدہ	عطر جوی عہدہ عہدہ	عطر سہاگ عہدہ عہدہ
عطر چمپا عہدہ عہدہ	عطر گلاب عہدہ عہدہ	عطر ناگیر صلی عہدہ عہدہ	عطر شامہ العنبر عہدہ عہدہ

## خوشبودار تیلوں کی فہرست بھی ملاحظہ ہوا

روغن چیلی فی سیر عہدہ	روغن میدنی سیر عہدہ	روغن کونانی سیر عہدہ	روغن خانی سیر عہدہ
-----------------------	---------------------	----------------------	--------------------

## اعلیٰ درجے کا خوشبودار عہدہ اور باہرہ تبنا کو

زردہ تنباکو شکی فی سیر عہدہ	قوام تنباکو شکی فیتولہ عہدہ	گولیان تنباکو شکی فیتولہ عہدہ
عطر عرفانی عہدہ	عطر عرفانی عہدہ	عطر فرتی عہدہ عہدہ

فہرست - درخواست آتے ہی دیوبند اہل روانہ ہو گا۔ باوانہ بھارت واک غیر فزوسہ فرمیدار

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منجر و لکڑاڑے بزن بیگان لکھنؤ۔

خولے۔ (ادھر کے لہجے میں) "نہیں ضرور بتائیے" اچھی بات کے انتظار میں انسان بیتاب ہو جاتا ہے اُسی طرح ہم اس عزیز کو "درویش" کہتے ہیں۔  
 "جوان" - مجھے زیر کہتے ہیں۔  
 "اور آپ کے والد کا نام؟"  
 "جوان" - عدی "اور نام بتائیے"  
 "تھا کہ اُس نے بیگیا یا ہانسل کیا۔ اور پھر چار آنکھیں کر کے بولا: ابھی میں طلحہ زہر کا بھی نام بتائیے۔"

ابن سے ہون۔  
 "اب سمجھا۔ تو یہ کہیے کہ دربار ایران کے بڑے معزز عمدہ دار ہیں۔  
 بن تو نہیں ہوں۔ ہاں میرے والد البتہ تھے۔ مگر اُن کی عزت و دولت کا آپ کو معلوم ہو گا۔"  
 "ابھی میں نے عرض کیا کہ اسی شخص سے نہیں ہوئی تھی۔"

جیسی کہ نعمان سے ہوئی۔  
 "زید! اگر میرے والد عدی نے کوشش نہ کی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ نعمان اپنے باپ کی جگہ حیرہ کا بادشاہ بن سکتا۔"  
 "طلحہ! اسی قدر نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اُسی وقت سے حیرہ میرا طلحہ ہے۔"  
 "ا۔ کسری پر ویز کسی ایرانی والی کے مقرر کرتے کا سامان کر چکا تھا۔ اور اُس کا صلیب ملا کہ نہایت ظلم کے ساتھ قتل کیا گیا۔"  
 "ہاں! اس ظلم نے عرب کی شرافت میں داغ لگا دیا۔ اُسی کا نتیجہ تھا کہ نعمان یونان کی لڑائی لڑا۔"

خسرو پر ویز کو عرب (کسری پر ویز ہی کہتے تھے۔ کسری ہر ساسانی) جہاز کا لقب ہو کر آتا تھا۔ اور پر ویز خسرو کا اہلی نام تھا۔ ناری میں اُسے زیادہ تر خسرو کہتے ہیں۔ مگر خسرو اُس کا نام نہ تھا جیسا کہ عوام خیال کرتے ہیں۔ بلکہ بادشاہ کے معنوں میں اُس کے نام پر ویز تھا۔ خسرو پر ویز یعنی بادشاہ پر ویز۔

زیدؑ یہ مگر میرے دل کا ایک انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔

خوشی سے وہ چور کا ہے انتقام لیجئے گا؟  
 کے خاندان سے۔ اُس کی نسل سے۔ اور کس سے ہے  
 اب مدی کا خون سارے چہرہ پر آ بیٹھنے لگے۔

کھٹ بھرا آیا۔ اور اُس کی آنکھوں سے سیمہ۔ میں جبکہ حیرہ کا شاہی خاندان  
 طلحہؑ یہی میں دل میں کہتا تھا کہ ایسے نازک وقت میں میرے ساتھ  
 شکار کو کیونکر آسکا؟

زیدؑ تجھے نعمان کے بارے جاننے پر انشوی تھوڑے ہی ہوا۔ میں تو خوش  
 اور اپنی خوشی ہی ظاہر کرنے کے لیے یہاں شکار کو چلا آیا۔ تاکہ سب سے آگاہ  
 اپنے اطمینان کے ساتھ اپنے دل کی خوشی ظاہر کروں۔  
 طلحہؑ اب آپ یہاں کیونکر رہتے ہیں؟

زیدؑ میں نعمان کے دربار میں تھا۔ اور اُس کے جانشین منذر سے  
 بہت کچھ تعلقات ہیں۔ نعمان بہ ظاہر بڑی خاطر کرتا تھا جس میں اُس کی دونوں  
 تینیں۔ ایک نوید کہ مدی کے ناجائز قتل سے رعایا میں جو ناراضی پیدا ہو گئی تھی  
 ہو۔ اور دوسرے یہ کہ مجھے رشوتیوں کے اپنے باپ کے انتقام سے روکے۔ لیکن  
 رادار خ دل میں بڑے کے بعد کہیں مٹ سکا ہے؟

ہرگز نہیں۔ یہ کہہ کے ہمارا کیا دور فتنہ جو دوست خاموش ہو  
 دیر ہو کہ کچھ سر اٹھائے بولا۔ اسے یہی بھائی کے بیٹے کا انتقام لینا عربی نسل خیز  
 خفا افس سے ہے۔ اور جس میں اس کا جوش نہ ہو وہ میرے نزدیک عربی باپ کا بیٹا نہیں  
 زیدؑ تو یہ جوش مجھ میں کچھ کم نہیں ہے۔ مدت سے اسی کوشش میں ہوں۔ اور افس  
 کہ خفا افس اس کے کہ میں انتقام لے سکوں حادثہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

عرب میں اگر خطاب ہم عرب ہو تو اسے اُس کی قوم کا بھائی اور اگر چھوٹا ہو تو اُس کی قوم کے  
 بھائی کا بیٹا کہہ کے خطاب کرتے ہیں۔ خفا افسی شخص سے ہاتھ نہیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ برابر ہے تو کہیں  
 سے برآمد نہیں۔ اور اگر چھوٹا ہے۔ تو کہیں لے۔ اسے یہی بھائی کے بیٹے۔

طلح "مگر کوئی مضائقہ نہیں۔ اُس کا بیٹا موجود ہے جس کا خون کافی معاوضہ ہو سکے گا۔  
 زید "اسی فکر میں ہوں۔ مگر کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی۔"  
 طلح "پھر تھوڑی دیر سر جھکا کے سو جتا رہا۔ اور چند لمحہ بعد نظر سے نظر ملا کے پوچھا۔ مگر  
 آپ ساسانی دربار سے تعلقات کیوں نہیں پیدا کرتے؟"  
 زید "میں ہمیشہ ارض حیرہ میں رہا۔ مدائن کی کبھی صورت تک نہیں دیکھی۔ اور ہاں  
 مجھے کوئی جاننا ہی نہیں۔"  
 طلح "تجھیں نہ جاننا سہی۔ تمہارے والد کو تو سب لوگ جانتے ہیں؟"  
 زید "ہاں جانتے ہیں مگر جب تک کوئی بہت بڑا ذریعہ نہ ہو دربار ساسانی تک  
 رسائی نہیں ہو سکتی۔"  
 طلح "اچھا اس بارے میں خود منذر سے مدد کیوں نہیں لیتے۔ جواب ارض حیرہ کے  
 تخت پر بیٹھا ہے؟"  
 زید "البتہ یہ مناسب تدبیر ہے۔ اگر میں منذر سے کہوں تو بے شک وہ مجھے  
 پرویز کے دربار تک پہنچا دے گا۔"  
 طلح "بس تم اتنا ہی کرو۔ بانی امور کا انتظام میں کر دوں گا۔"  
 زید "توجہ ہو کے" آپ کیا کہتے گا؟"  
 طلح "میں یہ کر دوں گا کہ آپ جس سے انتقام لینا چاہتے ہو وہی بلا رحمت آپ کے سامنے  
 لائے قتل کیا جائے۔"  
 زید "آخر کیوں نہ ہو؟"  
 طلح "اس کو میں بتا نہیں سکتا۔ ہاں دکھا دوں گا۔"  
 زید "تو میں منذر کی سفارش سے ساسانی دربار میں پہنچنے کی کوشش کر دوں؟"  
 طلح "شوق سے اور جس قدر جلد ہو سکے کیجئے۔"  
 زید "مگر پھر آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"  
 طلح "ضرور چل دوں گا۔ یہی تو ایک موقع ملا ہے کہ میں آپ کے ان احسانات کا  
 معاوضہ کر سکوں۔ (خواری کی طرف دیکھ کے) کیوں خولہ۔ مدائن چلو گی؟"  
 خولہ "مجھے تو اس شہر کے دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ پرویز کی جاہ و عظمت کی عجب

عجب باتیں سنیں ہیں۔ اب حل کے آنکھوں سے دیکھوں گی۔“  
 زید۔ (طلح سے) ”تو یہ کہنے لگے کہ اپنے بیل کو بھی ساتھ لیتے چلے گا؟“  
 طلح۔ ”خود وہاں بڑے کام آئے گی۔ اور اس کی خوبیاں آپ کو وہاں پہونچ کے  
 نظر آئیں گی۔“

زید۔ ”تو پھر میں حیرہ پہونچتے ہی روانگی کا سامان کروں گا۔“  
 طلح۔ ”پہلے مندر کی سفارش تو ہم جو بنالیں۔“  
 زید۔ ”پہ کوئی مشکل بات نہیں۔ مندر سے جس بات کی تعمیل چاہوں گا کروں گا۔  
 زمانہ ولی عہدی سے وہ میرا دوست رہا ہے۔“

طلح۔ ”اگر اتنی آسانی ہے تو ایک کام کیجیے۔ پہلے مندر سے اس مضمون کی ایک  
 عرضداشت لکھوا کے داراے ایران کے پاس بھجوا دیے۔ کہ مرحوم عدی کا ایک  
 ہونہار بیٹا ملا ہے جو اپنے باپ ہی کا سالانہ دھو شیار ہے۔ اگر اجازت ہو تو  
 آستان بوسی کو حاضر ہو۔ اس کے جواب میں خسر پرویز لازمی طور پر آپ کو بلوائے گا  
 بس اُس وقت روانگی کا ارادہ کیجیے گا اس طریقہ سے آپ کی قدر و منزلت  
 ودنی ہو جائے گی۔ اور جاتے ہی خلعت سے سرفراز ہوں گے۔“  
 زید۔ ”بے شک یہی مناسب ہے۔“

طلح۔ ”اتنے دنوں میں میں بھی اچھا ہو جاؤں گا۔ اور آپ کے ساتھ اطمینان سے  
 سفر کروں گا۔“

زید۔ ”مگر مجھ سے مضبوط اقرار کیجیے کہ آپ آخر تک ساتھ دیں گے۔“  
 طلح۔ ”پورے استقلال اور ثبات قدمی کے ساتھ۔ بس ہم دونوں اپنے تمام مہلوں کے  
 دنیا اپنے مقام سے ٹل جائے اور ہمارا قدم نہ ہٹے۔“  
 زید۔ ”پھر تو میں جا کے دالسی کا سامان کروں؟“

عہ عرب لوگ عورت کو بقر یعنی بیل ہی کہا کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے خیال میں تھا جس طرح  
 عورت جائے زراعت ہے۔ بیل آکر زراعت ہے۔

عہ اپنے تمام عرب کی درپازریوں کا نام ہے جو ایک ہی مین اگی ہیں۔ پہلو پہلو قائم ہیں  
 اور حوالہ ثنائی کے مقابلہ میں استقلال وہاں اری سے قائم رہنے میں قرب انش ہیں۔

اس سوال پر اُس شخص کی زبان لڑکھائی۔ ایک عاجزانہ گھبراہٹ اور لاجواری کی لگنت کے ساتھ بولا "اُس سے شہر کے پہرے والوں اور دروازہ شہر کے نگہبانوں سے ملاقات ہے۔"

منذر۔ (برہمی کے ساتھ) "کس پھانک کے دربانوں نے اُسے آنے دیا؟"  
 شخص۔ (ہاتھ جوڑ کے) "اس میں اُن لوگوں کی خطائیں ہیں۔ میرا وہ عزیز دو دن ہوئے اُن کو جتا کے اور اپنے جانے کی خبر کر کے شہر سے گیا تھا۔"  
 منذر۔ "خیر تو یہ صحیح ہے کہ ایاس بن قلیصہ آتا ہے؟ اور اس کی اُنھیں کیونکر خبر ہوئی کہ وہ شہر حیرہ کے اندر بھی آئے گا؟"

شخص۔ "یہ تو تمام بنی سٹ میں مشہور ہے۔ شہر میں کوئی طائی نہیں جو نہ واقف ہو۔"  
 منذر۔ (تعجب سے) "اور مجھے خبر نہیں! آخر یہاں آنے میں اُس کی کیا غرض ہے؟"  
 شخص۔ "غالباً رسوم تعزیت ادا کرنے کو آئے گا۔ تاجداران آل کندہ سے اُس سے قدیمی تعلقات ہیں۔"

منذر۔ "مگر تعزیت تو یوں ایک بڑے بھاری شکر کے ساتھ نہیں کی جاتی؟ یہاں حکومت کا وعدہ ہوا ہے کہ تو نہیں آتا؟ ایک زمانے سے اُسے اس کی تمنا ہے۔ اور اس موقع پر تودہ شہنشاہ فارس کو زیر بار احسان بنائے آیا ہے۔ کیا عجب کہ وہاں سے بھی منظوری حاصل کر لی ہو؟"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک عورت محل کے ایک بلند برج پر سے نیچے پھانڈ پڑی جو ایک جگر خراش اور گرد کی نضائیں گونج اُٹھنے والی چیخ کے ساتھ زمین پر گر گئی۔ فوراً لوگ چونک پڑے۔ منذر جو نئے برہنہ زیادوی کی طرف متوجہ تھا سہم سا گیا۔ خواجہ سرا بڑی پھرتی کے ساتھ اُس عورت کے اُٹھانے کو دوڑے۔ اور ہر طرف ایک شور بلند ہوا کہ "شاہزادی ہند نے کوٹھے سے گر کے جان دے دی۔" منذر انداز سے زیادہ پریشان تھا اور خود بھی دوڑنے کو تھا کہ ایک خواجہ سرا نے سامنے آ کے دوپٹے عرض کیا "بڑی خیریت گوری۔ خیفن چوٹ آئی ہے۔ ورنہ غصہ ہو گیا تھا۔"

منذر۔ (حیرت کے لہجے میں) "یہ ان کے دل میں کیا آگئی؟ کوئی ایسا غصہ کرتا ہے؟"  
 اب لوگوں نے اُس زندگی سے عاجز اور موت کی آرزو مند شاہزادی کو بھی

لا کے مندر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ ایک نہایت ہی حسین و کم سن عورت تھی۔ وضع و  
 لباس بتا رہے تھے کہ کوئی معمولی عورت نہیں۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ صبح کے آسمان کا  
 نیلا و لغریب رنگ جیسا لباس کہ قدرت مغربی اور خاصۃً یورپین نازنیوں کی آنکھوں  
 کو پھناتی ہے اسی رنگ کا اور اسی کے نرم و نازک ہنڈے کا سا گدگداری لینی کرتا  
 گلے میں تھا۔ اور بول کے زرد و بھول جو پھرتیلی اور صحرائی ہرنیوں کی سی  
 شوخ چشم نبات بادیر کے لیے اکثر زپور کا کام دیتے ہیں اُن کا شگفتہ اور شوخ رنگ  
 اس کی نیچی اور زمین تک لگتی ہوئی ازار کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ سوگاری اور  
 عواداری نے اگرچہ سارا زلیور تھیں لیا ہے۔ مگر حسن و جمال نکلت و خودداری۔  
 خوبی و رعنائی۔ اور خاصۃً مہجائب ہوئے چہرے۔ اور حسرت و اندوہ سے بھرے  
 ہوئے دل سے پتہ چلتا ہے کہ شاہی خاندان سے بہت قریبی تعلق رکھتی ہے۔

اُس کی صورت دیکھتے ہی مندر کا دل کچھ ایسا بھرا یا کہ ددڑ کے گلے سے لگا لگا۔  
 اور بولا "تم ہی ایسی بے صبری دکھاؤ گی تو مجھ سے ان مشکلوں کا مقابلہ کیونکر ہو سکے گا  
 لڑکی۔ میں اس وقت تک رونی نہیں ہوں یہ آنکھیں ابھی تک آنسوؤں سے آشنا نہیں  
 مندر نے تو تم جی بھر کے بدلو۔ تاکہ کچھ تو دل کی بھر اس نہکل جائے۔"  
 لڑکی "جب تک انتقام نہ لیا جائے نہ روؤں گی۔ دیکھیے اس پُراندہ دل کی  
 بھڑاس کبھی نکلتی بھی ہے یا نہیں؟"

مندر نے ایک چند روز صبر کر دیا۔ پھر دیکھنا میں کس طرح انتقام لیتا ہوں۔ تمھاری  
 پُر نرم آنکھیں میں ایک گھڑی بھر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اگر تاجدار حیرہ کے انتقام  
 کے ساتھ تمھارا دواؤں ہے تو وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہی لڑاؤں گا۔ اور بہت اچھی طرح  
 لڑاؤں گا۔"

لڑکی "شمس و قمر کی برکت اور نور کا جلال تھیں کامیاب کرتا تو تمھاری خون آلود  
 کمرے کے نیچے کھڑی ہو کے میں کس خوشی سے رونی۔ مگر آنسوؤں کے آسمان ہمارے خلاف  
 ہے۔ ستارہ دشمنی کر رہا ہے۔ اس وقت دوبار ایران میں کوئی اتنا بھی نہیں کہ غار ش

عہ جاہلیت عرب کے یہ بھی خصائص میں تھا کہ جو خون زیادہ قیمتی سمجھے جاتے اُن پر روئے دالیان  
 نہیں رونی تھیں۔ اور بعد کرتی تھیں کہ اسی روز روئیں گی۔ جس روز انتقام لینے کا موقع ملے گا

کر کے ٹھین تخت نشین کر اسے۔ ایاس بن قبیصہ آتا ہے۔ اور بے شک بہن ذلیل کرنے اور اس محل سے نکالنے کے لیے آ رہا ہے۔

منذرؑ: ایسا نہیں ہو سکتا۔ خمر و پر ویز پر چارو خانان نے بڑھوپڑی حسان کے بیٹے لڑکی: احسان اور دوستی کا جو کچھ پاس دلچاظ ہے سرزمین عرب میں ہے۔ عجیب ان اور خاصہ ساسانیوں میں اس کی کیا قدر جان سلطنت ہر شخص کو اپنا غلام سمجھتی ہے جس جگہ آزادی کی قدر نہیں وہاں بادشاہ کسی کا احسان مند نہیں ہو سکتا۔ ایسی سرزمین پر سب روسا و سرداران کی غلام ہیں۔ اور سلطنت کا کوئی ٹھمن نہیں۔ بھائی مند و بس اب خاتمہ سمجھو۔ ایاس کے آنے کی خبر سن کے میرے ہوش و حواس بجا نہیں رہے۔ وہ میرا آرزو مند ہے۔ اور مجھ سے شادی کرنے کا خواستگار۔ اور میں اُس پر ظاہر کر چکی ہوں کہ اسے ذلیل سمجھتی ہوں۔ افسوس وہ اب اسے گا۔ اور مجھ پر بدستی قبضہ کرے گا۔ جس لڑکی نے اُس کے شوہر ہوئے کو بھی نفرت کی نظر سے دیکھا تھا۔ اب اُس کی لونڈی بنے گی۔ افسوس میں اب بھی نہ گئی کہ اس دولت سے بچتی۔

بہن کی: گفتگو سن کے منذر کی نوجوانی کی خوبصورت آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اور غیظ و غضب کے لیے میں لالہ ہند۔ یہ تیرا خیال ہی خیال ہے۔ جب تک منذر زندہ ہے آل کندہ کی کوئی لڑکی ذلیل نہیں کی جاسکتی۔

منذر: ایسے دعوں سے کام نہیں چل سکتا۔ آج کل بنی سلا کی بہادری کی شہرت ہے اُن کی ہر عورت رقاش بنی ہوئی ہے۔

منذر: تو آل کندہ کا ہر شخص اُس کے لیے ایامی نوجوان بن جائے گا۔ ہند: بھائی زیادہ طیش میں نہ آؤ۔ مگر غور کرو۔ ایسے نازک وقت میں تم کہا کر کے جبکہ تم نہ فوج رکھتے ہو اور نہ حکومت۔ افسوس اس بد قسمتی سے بچے کے لیے ایاس کا نام سننے ہی میں کوٹھے سے پھاند پڑی تھی کہ دنیاوی نصیحتوں سے ہمیشہ کے لیے غماخ پا جاؤں۔

منذر بات کاٹ کے کچھ کہنے کو تھا کہ ہند نے اسے روکا اور کہا: ابھی سنو۔

سہ بنی طے میں رعاش نام ایک عورت گزری ہے جو بڑی مسواری اور خود میدان جنگ میں آکر موکر اراکی کرتی تھی۔ ایک رتبہ اُس نے قبیلہ یادر پر حملہ کیا۔ اور شکست کے بہتوں کو گرفتار کیا جن میں سے ایک عورت نوجوان کو اپنی خدمت کے لیے مقب کیا تھا تو اس باغی جو اسے تعلق ہو گیا۔ اور شہ غلام عالم کو قابل عرب بنی ہا ہونے



مجھے جو کچھ کہنا ہے چند مختصر الفاظ میں کہے دیتی ہوں۔ تم چاہو ہزار کرو مجھے یقین نہیں آ سکتا کہ اس بے کسی و بے بسی کی حالت میں تم مجھے کسی دشمن کے ہاتھ سے بچا لو گے۔ افسوس! حبیبہ ہی اچھی کہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔ وہ اپنے عاشق کے پاس ہوگی۔ اور صحرا سے عرب میں اس کی آزادی میں رخصتہ انداز ہوئے والا کوئی نہیں ہے۔  
 منذر۔ (بات کاٹ کے) "اُس کا نام زلو۔ اُس کی خوار کو تو کُما سو لکھ گیا۔"

ہند۔ وہ جا ہے جو ہو۔ مگر حبیبہ مجھ سے اچھی ہے۔ تلول (بالو کے ٹیلون) کے سایے میں اپنے عاشق کے سر یا شوق آفتاب میں بیٹھی آزادی و محبت کے مزے اٹھا رہی ہوگی۔ اور میں خاص اپنے باپ کے محل میں ہوں۔ اور کوئی عصمت و عزت بچانے والا نہیں۔ یہاں تک کہ کئے کئے اس قدر غل بھرا کر روئے کو تھی مگر آپ ہی بخوبی اور بولی۔ "نہیں۔ رونا تو مجھ پر حرام ہے۔"

ہن کی ان باتوں نے منذر کا دل اختیار سے باہر کر دیا تھا۔ ایک وضع چلا کے بولا۔  
 "بس۔ اب بسنے کی تاب نہیں۔ اس سے زیادہ ضبط نہیں ہو سکتا۔ ہند۔ کیا میری زندگی میں تیری عزت و عصمت نہیں بچ سکتی؟"

ہند۔ کیوں نہیں بچ سکتی؟ (یہ جملہ اُس نے صرف بھائی کے جوش کو اعتدال پر لانے کے لیے بلکہ اُس کے بے اعتباری کے غضب آلود تیوروں سے دُک کے کما تھا) مگر اب مرنے میں بھی ناکامی ہوگی تو میں نے اپنے لیے ایک اور تدبیر نکالی ہے۔"

منذر۔ وہ کیا؟

ہند۔ جاتی ہوں عیسائی ہو جاؤں گی۔

منذر۔ کیا؟ میری بہن اور عیسائی! حارث اعرج کے مذہب میں!

ہند۔ ہاں عیسائی ہو جاؤں۔ اور نن بن کے اُس دیر میں بیٹھ رہوں گی۔ جو یہاں سے دس میل پر ہے۔ اور اس برس اسقف کی خلوت گاہ بنا ہوا ہے جس کی قیام مرہ دوم تعظیم کرتے ہیں۔"

منذر۔ وہ دیر تجھے بچائے گا؟

ہند۔ ہاں بچائے گا۔ اس لیے کہ خود ایسا دین عیسوی اختیار کر چکا ہے۔ اور یہی وہ عجب کا حادثہ ہے۔ جو عورت فاجہ ہو اُس کی نسبت کئے میں کُاس کی غار یعنی دوپٹہ یا سرنگوٹ کی سرنگوٹ

اوپ سے مجال نہیں کہ کسی فن اور فادہ دین پر جبر کر سکے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کمراسے پرویز کی ملکہ مریم مسیحہ اور ہر دیر اور ہر گھنٹے کی حمایت کو تیار رہتی ہے۔ مندر :- اس خیال سے باز آ۔ اور اپنے فائدہ اتنی اور کبابی دین کو نہ چھوڑ۔ ہندہ نہیں۔ بس اب تو چھوڑ چکی۔ اور یہ کہہ کے ناز آفرین شاہزادی اسی دیر کے ارادے سے چلی۔

مندرا ایک سنائے میں تھا۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا تھا۔ دل میں سمجھتا تھا کہ ایسا کا مقابلہ اور اس کے شر سے بچانا اس وقت میرے امکان میں نہیں لہذا باوجودیکہ جی چاہتا تھا مگر بہن کے بہ جبر روکنے اور زیادہ اصرار کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اپنی بے اختیار سی سلطنت و صاغت خیال کو پست کرتی جاتی تھی۔ یہ طریقہ بہت ناگوار ہوا۔ اور جب ہند نظر سے غائب ہو گئی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور اپنی بے کسی دہیے اختیار کی ہر خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ مگر تاہم بہن کے اس طرز عمل پر اس قدر برہم تھا کہ جوش میں آگے بولا : ”ام اللہ صد اہا۔ اور مذمت کے ساتھ سر جھکا دیا۔ یہ رنگ دیکھ کے وہ شخص جو فریاد لایا تھا بولا : ”افسوس اب میں کس کے پاس جاؤں؟“

مندرا :- (پست آواز اور نہایت ہی مایوسی کے لہجے میں) ”جب میں اپنی بہن ہی نہ بچا سکا تو کسے بچا سکتا ہوں؟ اسے شخص! اگرچہ بے دست و پا ہوں مگر اتنا کہتا ہوں کہ تم میرے پاس آ کے ٹھہر۔ اور صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ تجھے اسی وقت صدمہ پہونچے گا جب میں نہ ہوں گا۔“

شخص :- (زمین چوم کے) ”بس! اتنا ہی اطمینان کافی ہے۔ اور شاہی فیاضی و مہربانی پر بھروسہ کر کے یہ غلام بھی اقرار کرتا ہے کہ حضور کی جان پر اسی وقت کوئی مصیبت آئے گی جب اس کی جان و فاداری و خدمت گزاری میں عین صرف ہو چکی ہوگی۔“ مندر :- افسوس اتنے اُس وقت رفاقت کا وعدہ کیا ہے جب کہ سوا نقصان کے کوئی نفع حاصل کرنے کی بہت کم امید ہے۔ اور رفاقت بھی کسی کی؟ جس کا باپ بڑی عہدہ ”ام اللہ صد اہا“ یعنی ہر اکس اللہ اس کے دماغ کو۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے ہلاک کرے اور اس قابل ہی نہ رکھے کہ سن سکے۔

بے رحمی سے قتل کیا جا چکا۔ جس کی بہن جانتی ہے کہ اپنا وین چھوڑ کے ایک راہبہ یا فقیر بن جائے۔

شخص نے حضور یہی رفاقت کا وقت ہے۔ یہ جواب سنتے ہی مندر نے اس نے شخص کو سینے سے لگا لیا۔ پھر کہا: امید ہے کہ تیری ہی مدد سے میں تقدیر کا مقابلہ کر سکوں گا۔ اور اُسے ساتھ لے کے محل میں چلا گیا۔

یہ ظاہر ہے کچھ ہو مگر مندر دل میں اس وقت بہت ہی متردد تھا۔ وہ برائے نام باب کے تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ اور امید تھی کہ دار اسے ایران سے خوشامد کر کے منظوری حاصل کر لی جائے گی۔ مگر ایاس کے آلے کی خبر نے بالکل بدحواس کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ بنی ظ کا یہ سردار جو مدت سے موقع ڈھونڈ رہا تھا بے شک اپنی آرزو میں کامیاب ہو سکے اور آل کندہ کا تخت و تاج لینے ہی کو آیا ہے۔ ایسی حالت میں ایک ایسی شخص نے وفاداری اور جان فدا کرنے کا وعدہ کیا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے انتہا سے مایوسی کی حالت میں کوئی فرشتہ رحمت مل گیا۔ محل کے اندر جانے ہی اسے ایک تنہا کرے میں لے گیا۔ اور کہا: اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کر دوں؟ حالت نیازک ہو رہی ہے۔ اور ایاس یقیناً مخالفت کو اور نیچے آباؤی تخت سے محروم کر دیکو آئے۔ شخص اس غلام کی رائے میں قویاں ہے کہ اس موقع پر حضور مجھے ہمراہ لیں۔ اور شکار کے بہانے سے کہیں باہر چلے چلیں۔

مندر (عجب سے) ”اور وہ آتے کے محل پر قبضہ کر لے گا“

شخص نے اپنے عقیدہ سرداروں کو حضور قہر نما ہی اور حرم سرا کی حفاظت پر چھوڑ دینا اور خود چلے چلیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ حضور اُس کے خوف سے بھاگ گئے ہیں۔

مندر نے اور اپنے ساتھ کتنی فوج لے چلوں گا؟

شخص (بات کاٹ کے) ”خداوند بالکل نہیں۔ فوج ساتھ رہی تو ایاس کو پتہ لگ جائے گا کہ حضور کہاں ہیں۔ یہ سفر بالکل سادگی سے ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ باسی قدید بھی حضور کے لیے کافی ہو سکے۔ غلام کا صرف یہ منشا ہے کہ حضور کا پتہ ایاس کو نہ معلوم

عہدہ یہ سکھائے ہوئے گوشت کو کتنے ہیں جو عرب میں بہت مروج تھا۔ اور نہایت ہی قیمت کی غذا خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اسے سختی اور بزرگی کی وجہ سے اُتر اکبھی نہ کھاتے تھے۔

نہ اور ایاس کی گھڑی گھڑی کی خبریں حضور کو پہنچتی رہیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو جائے اور معلوم ہوئے کہ یہ سردار عرب کس غرض سے آیا ہے اس وقت آپ تشریف لائے اپنے شاہانہ رعب و داب سے ملین۔ بلکہ اسے خلعت دین۔  
**منہذر۔** (سوچ گئے) بات تو مناسب ہے۔

**شخص** یہ خداوند اہلنا سب کا لفظ نہ فرمائیں۔ اس وقت اس کے سوا کسی بات میں مفرہ نہیں ہے۔  
**منہذر۔** کیوں؟

**شخص** اگر حضور یہاں ہوئے اور وہ آگیا۔ اذ رخص کر لیجئے کہ مخالفت کی غرض سے آیا ہے تو فوراً حضور پر قبضہ کر لے گا اور پھر کوئی تدبیر بناسے نہ بنے گی۔ اور یوں کوشش کا دروازہ کھلا رہے گا۔ ایک طرف قبائل عرب سے حضور اپنے آبائی خون کے بے ممانگہ سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف اگر ضرورت ہوئی تو مدائن میں بھی جا کے بیرونی فرما سکتے ہیں۔ الغرض اگر آزادی نصیب رہی تو عطیشیم ثوب محارب اور بردخانہ بنو تین چیزیں فراہم کر سکیں گے۔

**منہذر۔** بے شک سچ کہتے ہو میں چلنے کو موجود ہوں گا۔  
**شخص۔** تو جلدی کیجئے ویر کا وقت نہیں ہے۔

**منہذر۔** اچھا دو ایک آدمی تو ہمارے لونہ؟  
**شخص۔** ضرور۔ مگر وہی جن پر پورا بھروسہ ہو۔ اور یوں تو اس غلام کے ساتھ ایک لڑکی بھی خدمتگزاری کو حاضر ہے۔

عہ عرب میں لڑائی کے لیے مستعد ہونے یا سامان جنگ کرنے کو انہیں تینوں چیزوں سے استعارہ کیا کرتے تھے۔ عطیشیم کا تو حال ہم بیان کر چکے کہ مکہ کی ایک عطر دانہی عتی جس کا عطر و سپاہی لگائے تو یہاں سے ماتھے صحر کی میدان جنگ میں نکلے۔ محارب ایک زرہ والا تھا جس کی خدمت میں ہمارے لوگ مل گیا کرتے۔ ثوب بنی یمن باس کو کہتے ہیں۔ لہذا ثوب محارب اس کی زرہ سے مراد ہے۔ اور اسی لیے سلمان جنگ کا استعارہ اس کے ثوب سے کیا جاتا ہے۔ بردخانہ بنو تینم استعارہ ہے۔ بردخانہ کے تین چادر کو۔ اور یہاں اس سے زرہ مراد ہے۔ تاہم ایک یہی شخص تھا جس نے سب کے پتلے دھاری دار چادر اوڑھ لی۔ اور زرہ پہنی۔ لہذا اس کی برد بھی سامان جنگ میں شامل سمجھی گئی۔

منذر: کیا اپنی بی بی کو بھی ساتھ لے چلو گے؟  
 شخص: نہ لے چلون گا تو یہاں اُسے کس پر چھوڑ جاؤں گا؟ بی بی طے کی دشمنی کا حال  
 عرض ہی کر چکا۔

منذر: بہتر۔ اچھا تم جا کے اپنی بیوی کر لے آؤ۔ جب تک میں اپنے دو تین قابل  
 اعتبار آدمی چھانٹ لون۔

شخص: (اٹھ کے)۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کے چلا گیا۔ منذر نے اُس کے  
 جاتے ہی اپنے ساتھ کے لیے ایک۔ باورچی اور دو خدمتگار منتخب کر لیے۔ اور اُن کو فوراً تیار  
 حکم دے دیا۔ تینوں پہرا ہی تیار ہو گئے۔ اور منذر ایک عجیب اضطراب اور گھبراہٹ کے  
 ساتھ ٹھل رہا تھا کہ وہ نیا رفیق اپنی بیوی کو ساتھ لے ہوئے آیا۔ اس کی بیوی  
 آتے ہی منذر کے سامنے زمین پر گری۔ اُس کے پاؤں چمٹے۔ اور چھپے ہٹ کے روپ سے  
 کھڑی ہو گئی۔

منذر: اب کسی بات کا انتظار تو نہیں؟  
 شخص: انتظار کس بات کا؟ بس تشریف لے چلیے۔  
 منذر: اور ہاں ہمیں یہاں کے حالات کس کے ذریعہ سے معلوم ہوں گے؟ کچھ  
 اس کا بھی انتظام کیا؟

شخص: (ہاتھ جوڑ کر)۔ خداوند ہر چیز کا انتظام ہو گیا۔ (اگلے بڑھ کے کان میں)  
 "میرے ایک دوست ہیں اور نہایت ہی ولی دوست۔ اُن سے جتنی وعدہ لے لیا ہے کہ  
 روزِ روز کی خبر غلام کو پہنچاتے رہیں گے۔ اور ہیں وہ ایسے شخص کہ ممکن نہیں ایسا  
 بیان آسے اور اُن سے نہ لے۔ یا اپنے مشورون میں اُن کو شریک نہ کرے؟"  
 منذر: (خیر ہو کے)۔ "وہ کون شخص ہے؟"

شخص: "زید بن ہدیٰ تمہی؟"  
 منذر: (اور زیادہ حیرت زدگی کے ساتھ)۔ "وہ تمہارا دوست ہے؟"  
 شخص: (سننے پر ہاتھ رکھ کر)۔ "خداوند!"

منذر: اور کبھی اُس نے تمہارا حال مجھ سے نہ بیان کیا۔ اُس سے مجھ سے تو بہت  
 صحبت رہتی ہے۔ اور بہت دنوں کا رفیق ہے۔ والد بھی اُس کے حال پر بہت مہربان

تھے۔ بلکہ خود انھیں نے مجھ سے کہا تھا کہ زید بن عدی کو اپنا سچا رفیق خیال کروں؟  
**شخص** : "جی ہاں۔ حضور کی مہربانیوں کا انھیں اقرار ہے۔"  
**مذکر** : "آج کل انھیں دربار ایران میں پہنچنے کی بہت خواہش تھی۔ مگر مجھے ابھی  
 مناسب نہیں معلوم ہوا۔"  
**شخص** : "حضور کیوں؟"  
**مذکر** : "اس لیے کہ ابھی خود میری تخت نشینی کو اُس دربار نے نہیں منظور کیا تھا۔"  
**شخص** : "خیر بعد سہی۔ مگر اُس دربار میں حضور کے کسی غیر اندیش اور جان نثار کا ہونا  
 نہایت ضروری ہے۔ بعض وقت دشمنوں کی سازش سے بڑے ہنگامے پیدا ہو جاتے  
 ہیں۔ اور اگر ایسا کوئی شخص موجود ہو تو دشمنوں کی چلنے نہیں پاتی۔"  
**مذکر** : "بے شک۔ بے شک۔ خود مجھے اس کا خیال ہے۔"  
**شخص** : "اگر خود حضور کو خیال ہے تو میں عرض کر سکتا ہوں کہ اس کام کے لیے زید بن عدی  
 سے بہتر کوئی شخص نہ ملے گا۔"  
**مذکر** : "اس میں کیا شک ہے؟ اب تو جب اطمینان ہو گا تب ان باتوں کی نوبت  
 آئے گی۔ اور ان میں تمہارا نام پوچھنا بھول گیا۔"  
**شخص** : "خداوند۔ مجھے اطلاع کتنے ہیں۔"  
**مذکر** : "اور یہ تمہاری بی بی ہیں۔"  
**طلح** : "جی ہاں حضور کی لونڈی۔ خولہ بنت عکرمہ بن عامر تغلبیہ۔"  
**مذکر** : "میں تم دونوں کا مشکور ہوں کہ اُس وقت کام آئے جب صرف شریعت ہی  
 کام آسکتے ہیں۔"  
**طلح** : "اب حضور جلدی تشریف لے چکے ہیں۔ جو جو یہ ہوتی ہے غلام کو وحشت ہوتی ہے۔"  
**مذکر** : "بہتر چلو۔"  
 یہ کہہ کر مذکر نے اپنے مخصوص خدام کی طرف جوتیار کھڑے تھے اشارہ کیا فوراً  
 گھوڑے حاضر کیے گئے جن کو دیکھ کر طلح بولا : "حضور اس کا خیال رہے کہ ہماری سواری  
 یہی جو گھوڑے ہوں وہ بے مثل ہوں۔ اور اُن کی گرد کو بھی کوئی نہ پاسکے۔"  
**مذکر** : "ان کے مثل سارے عرب میں کوئی گھوڑا نہ ملے گا۔ یوں تو شہر حیرہ کے

تمام گھوڑے مشہور ہیں۔ مگر ان گھوڑوں کی وجہ سے نوکسری و قیصر تک کو اس دربار پر  
حسد تھا۔ ان میں سے ایک رباع ہے۔ دو قارح ہیں۔ اور ایک مذکوث ہے۔ جس نے  
بڑے بڑے معرکوں میں ناموری حاصل کی ہے۔ اور واقعی ان چار عربی ہبار فخر  
گھوڑوں کی بھادری و شرافت کی سارے عرب میں دھوم تھی۔ الغرض ان میں سے  
ایک پر منذر۔ دوسرے پر طلح۔ تیسرے پر خولہ۔ اور چوتھے پر منذر کا ایک خاص  
خادم سوار ہوئے۔ باقی دو ہر ایک کچھ مختصر سازان لے گئے ایک اونٹ پر بیٹھے۔ اور  
اور اس مختصر قافلہ نے بغیر کسی کو خبر کیے شہر حیرہ کے خوبی دروازے پر پہنچ گئے  
پچانک کھلوایا۔ اور باغیچوں کو خبر کر کے کہ بادشاہ شکار کو جاتے ہیں تب نے  
مواقع کے رنگستان قطع کرتے شہر رخ کر دیے۔

## سترھواں باب

ایاس بن قبیعہ طائی

منذر کی روانگی کے دوسرے ہی دن حیرہ میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ایاس بن قبیعہ طائی  
اپنے قوی لشکر کو لیے ہوئے آیا۔ شہر کے پچانک زبردستی کھلواسے اور بڑے جوش و  
خروش کے ساتھ قہر شاہی کی طرف چلا۔ ساری رعایا حیران و پریشان ہو گئے۔ کل  
دروازوں میں قفل پڑ گئے ہیں۔ لوگ گھروں میں سے بیٹھے ہیں۔ اور بنی طے کے سردار  
اور سپاہیوں کو خوف زدہ اور سہمی ہوئی عورتیں کو ٹھون کی اونچی دیواروں سے سر  
نکال نکال کے جھانک رہی ہیں۔ بعض محلوں کو ان سرکش سمانوں نے ٹوٹ لیا ہے۔ جہاں  
جا بجایہ سامان نظر آ رہا ہے کہ مکانات کے دروازے بڑوں سے چر ڈالے گئے ہیں۔ جہاں  
مالکان مکان اور حایان خاندان اپنے اہل و عیال کی حمایت میں لڑتے ہوئے  
مارے گئے ہیں۔ جوان عورتیں لونڈیاں بنی ہیں۔ بوڑھیاں سخت مایوسی کے عالم میں  
عہ یکسالہ گھوڑے کو عرب لوگ حملی دو سالہ "غدر" سے سالہ کو "ثقی" چار سالہ کو "رباع"  
چند سالہ کو "خارج" کہتے تھے۔ اور جس گھوڑے کے پورے دانت نکل چکے ہوں یعنی پنج  
ہونے کے بعد اسے دو ایک سال گزر گئے ہوں وہ "مذکوث" کہلاتی تھی۔

منذر

بیٹوں بھائیوں اور شوہر دن کی موت پر اُجڑے ہوئے مکانوں کی دیواروں سے  
سہنگا رہی ہیں؟

یہی شان اور سہی و شست ناک تماشا دکھاتا ہوا ایسا خاص نعمان مرحوم کے قعر  
کے سامنے ہو چکا۔ جس پر اس وقت موت کا سناٹا طاری ہے۔ عورتیں کونوں اور  
کوٹھریوں میں جا چھپیں۔ اور جس ڈیوڑھی پر ہر وقت امارت کا شور و ہنگامہ مارتا  
تھا آج کسی کے سانس لینے کی بھی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ایسا نے دروازے کے  
سامنے پونج کے گھوڑاروکا۔ ناگمان زبانی ڈیوڑھی کا پھانگ کھلا۔ اور خواجہ سمر اُن  
کے ایک گردہ نے نکل کے اوپ سے سہ جھکا دیا۔

ایسا۔ "مین تم کو نہیں چاہتا۔ نعمان کا بیٹا کمان ہے؟"

خواجہ سمر۔ "ہمارا پلو شاہ؟"

ایسا۔ "کیا وہ تخت پر بیٹھ گیا؟"

خواجہ سمر۔ "جی ہاں تاجدار ایران کی فیاضی و مہربانی کی امید پر وہ تخت نشین ہوئے۔"  
ایسا۔ (حیرت سے) "خوب! کسی قدر مسکرا کے) صُبحِ قیام پر توجُّع؟"

خواجہ سمر۔ "نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ہمارا بادشاہ تاج ساسانی کا سہا۔"  
ایسا۔ (باٹ کاٹ کے) "خیر ہو گا۔ یہ بتاؤ وہ کمان ہے؟ اُسے لاؤ یا مجھے اُس کے  
پاس لے چلو۔"

خواجہ سمر۔ "خداوند۔ وہ تو کل شکار کو تشریف لے گئے ہیں۔"

ایسا۔ (دو ہتھ متفکر رہنے کے بعد) "اور واپس کب آئے گا؟"

خواجہ سمر۔ "یہ کون کہہ سکتا ہے؟ مگر غالباً جلدی آئیں گے۔ اس لیے کہ زیادہ سادو  
سامان ہمراہ نہیں لے گئے ہیں۔"

ایسا۔ "مگر مجھے اُس سے ملنے کی سخت ضرورت ہے۔ خاص اسطر سے آتا ہوں۔ اور شہنشاہ  
کے فروری احکام لایا ہوں۔ تم یہ بتا سکتے ہو کہ وہ کدھر گیا ہے؟"

عہ پر ایک جاہلیت کی شے ہے۔ ترجمہ تو یہ ہوا کہ میان کی شراب صوبتی مین سرکشی ہے۔ اور  
اس کا استعمال اُس عمل پر کیا جاتا ہے جب کوئی شخص قبل از وقت یا بغیر حق حاصل کیے رئیس  
سکران بن جائے۔ اور اُس کے اس فعل مین سرکشی پائی جاتی ہو۔



خواجہ سمرائے کوئی نہیں بتا سکتا کہ کمان ہون گئے اور کہھر گئے ہیں۔  
ایاسؑ: خیر وہ جب تک آئے میں انتظار کروں گا۔ مگر میرا ایک کام ہے۔ اگر  
تھارے ہاتھ سے وہ اجرا پا گیا تو تجھیں بہت کچھ انعام ملے گا۔  
خواجہ سمرائے: ہم لوگ حضورؐ کے غلام ہیں۔ جو حکم ہو گا فوراً بجالائیں گے۔  
ایاسؑ: تو ذرا آگے بڑھو۔ مجھ سے اور قریب ہو جاؤ تو کون۔ وہ راز کی بات ہے  
اور میں کان میں کون گا۔

یہ حکم پاتے ہی خواجہ سمرائے عزم آگے بڑھایا۔ اور اپنا سراپا اس کے قریب لے جا کر  
بولایا حکم کیا۔

ایاسؑ: محل کے اندر جا کے ایک شاہزادی کو میرا پیام پہنچا دو گے؟  
خواجہ سمرائے: اسی وقت۔

ایاسؑ: تو جا کے کہو ایاسؑ کھڑا ہے۔ تھارے فراق میں بے تاب ہے۔ اُس کی اشتیاق  
میں آگ بھڑک رہی ہے۔ اور سانس لینے سے ہیلیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔ بڑی  
تلاش کے ساتھ عرض آتا کہ زود مندرجہ کہ اپنا ایک جلوہ دکھا دو۔

خواجہ سمرائے: میں یہ سب باتیں بیان کروں گا۔ اور اسی پیش و خروش کے ساتھ مگر  
یہ تو ارشاد ہو کر کس سے کہوں گا۔

ایاسؑ: ہند بنت رمان سے۔ جو مندر کی سگی بہن ہے۔ بید کی لڑکی کے مثل  
چمکتی اور بھول کی ہشیموں کی طرح جھومتی ہے۔

خواجہ سمرائے: (ایک سائے کے بعد) "مگر افسوس وہ تو محل سے نکل کے چلی گئیں۔"  
ایاسؑ: (بہت ہی چابک کے) "چلی گئیں یا محل چھوٹ۔ افسوس تو میرا دوست  
نہیں ثابت ہوا۔ چاہتا ہے کہ مجھے اُس وحشی بھرنی کے وصل سے محروم رکھے۔"

خواجہ سمرائے: میں قسم کھا کے عرض کرتا ہوں کہ شاہزادی ہند نے کل سچ محل کو چھوڑ کے  
دین سچی اختیار کر لیا۔ اور راہب بن کے کسی خانقاہ میں بیٹھ رہیں۔

عہ اشتار عربی میں ان تمام چیزوں کو کہتے ہیں جو بیت کے اندر ہوتی ہیں جس موقع پر ہم سینہ  
کے لفظ کو استعمال کرتے ہیں وہ اکثر اشتار کے لفظ کو لاتے ہیں۔

عہ یہ خالص عربی شہادت ہیں۔

ایاس - (سینے پر ہاتھ مار کے) "اے امین ایسا محروم قسمت اور بد نصیب ہوں! اگر میرے بھائی کو کسی خانقاہ میں پھیر رہی تو افسوس اس پر میرا کوئی زور نہ چل سکے گا اپنے بڑے معبود سید کا واسطہ چلے گی بتاؤ کہ وہ کس خانقاہ میں ہے؟" خود اچھہ سہرا - یہ ہمیں نہیں معلوم - وہ یہاں سے تنگائی ہیں - اور کسی کو ساتھ نہیں لے گئیں۔

ایاس - (ضبط کر کے اور دل کو بہ ظاہر مضبوط کر کے) "اے کسی طرح تو نال بتاؤ کہ تمہیں ہوا یا تو یہی معلوم ہو کہ مندر کہاں ہے - یہ پتہ لگے کہ ہندوستان میں کئی خانقاہیں ہیں۔" خود اچھہ سہرا - مجھے سوا اس کے کچھ نہیں معلوم کہ بادشاہ شہر کے جنوبی چھاٹک سے مکمل کئے گئے ہیں - اور غالباً بہت جلد وہاں آئیں گے - کیونکہ بہت کم سامان ہمراہ لیا ہے - اور یہ آپ کو اٹھانے سے معلوم ہو سکے گا کہ شہزادی ہند نے کس خانقاہ کی سکونت اختیار کی ہے۔

خود اچھہ سہرا کی ان باتوں نے ایاس کو لا جواب دیا خوش کر دیا - وہ دل میں سوچنے لگا کہ "اب مجھے کیا کارروائی کرنی چاہیے؟ میں نے اپنے آئے کی خبر نہ سنی رکھی مگر یہاں لوگوں کو معلوم ہی ہو گیا - اور دونوں بہن بھائی میرے ہاتھ سے نکل گئے۔" خود ہی دیر کی فکر میں وہ اس نتیجہ کو پہنچا کہ "جہاں تک ہوسکے مجھے اپنے ارادوں کو چھپانا چاہیے - اگر مندر کو میرے ارادے معلوم ہو گئے تو ناہی ہوگا۔" اس صحرا میں غائب ہو جائے گا - اور پھر ہر سانس لے کر نہ بنے گی - جس طرح بنے پہلے اُسے اپنے قبضہ میں کر لیا چاہیے - اور جب اُس کو گرفتار کر لیں تب ہند کو اپنے قبضہ میں لانا ٹھیک ہوگا - تاہم مجھے چیک ہی چیک ان دونوں بہن بھائیوں کے ارادے اور خیالات کا ضرور پتہ لگانا چاہیے - اور کیا عجیب کہ خود سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہیں۔"

یہ خیال دل میں آئے ہی ایاس کی پالی بدل گئی - فوراً اپنے افسروں اور مرادل جیٹے کو بٹاکے تاکیدی حکم دیا - کہ "خزدار حیرہ کے امن و امان میں کسی قسم کا فرق نہ پڑنے پائے - میرا جو سپاہی کسی پر ظلم کرے گا فوراً قتل ہوگا - تم سب لوگ شہر کے باہر جا کے خیمہ زن ہو جاؤ - اور لوگوں کو دوڑاؤ کہ مندر کو تلاش کریں - اور جہاں

طے میرا سلام شرق پہنچا کے اُسے حیرہ مین واپس لے آئیں۔ مین ایک مہمان کی حیثیت سے اُس کے قصر مین ٹھہرتا ہوں۔ اور جب اُس سے ملاقات ہو لے گی تو دار اسے ایران کا پیام پہنچا کے پورے اُس کی تخت نشینی پر مبارکباد دے کے اپنے وطن کو واپس جاؤں گا۔ اور اُن شتافتی نعمان کی بہار دیکھوں گا جو سلی و اجا کے واسطے مین شگفتہ ہوتے ہیں۔“

اس حکم کے ساتھ ہی حیرہ مین ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا۔ بنی کندہ اور بنی طہر دو دستوں کی طرح جوش و خروش سے ملنے لگے۔ شہر بھر مین مشہور ہو گیا کہ حیرہ پورے مندر کی جانشینی تسلیم کر لی۔ اور ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔ اکثر محلوں اور امرا کے مکانوں مین رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوئیں۔ جنگ و ربط کے نئے بلند ہوئے۔ بنی کندہ کی لڑکیوں نے جوش مسرت سے فوجی گیت گانے شروع کیے۔ اور حیرہ مین جس کے در و دیوار پر سو گوار می برس رہی تھی بچا یک ہر جگہ ایک عجیب چل پہل نظر آنے لگی۔

خود ایاس اپنی قوم والوں سے جدا بنی کندہ کے شاہی قصر مین ٹھہرا ہوا تھا۔ جہاں یہ رات اُس نے نہایت ہی عیش و عشرت مین بسر کی۔ مغنیہ و گیار آ کے اُس کے سامنے ناچیں۔ سونے چاندی کے مصلح جاموں مین اور نازک بدن بری دشون کے ہاتھ سے اُس نے عجیب منازہ بی اور ساری رات سے کشی و شاد پرستی مین مصروف رہا۔

صبح کو وہ حواج خروہی سے فارغ ہوتے ہی اپنے عربی گھوڑے پر سوار ہو کے محلا۔ حیرہ کے محلوں اور مختلف حصوں کا ایک جیکر لگایا۔ اور دل مین بہت خوش ہوا کہ مجھے اپنی تدبیر مین پوری کامیابی ہوئی۔ سارا شہر خوشیاں منا رہا ہے۔ اور بنی کندہ کے تمام لوگ مطمئن اور شادان و فرحان ہیں۔ سب کو مندر کی جانشینی کا یقین ہے۔ اور ممکن نہیں کہ ان عیش و طرب کی مصیبتوں کی خبر مندر کو نہ پہنچے۔ اپنے دار السلطنت کی رونق و چہل پہل کا حال سننے ہی اُس کے دل مین اگر میری طرف سے کچھ شبہ بھی ہوگا تو جاتا رہے گا اور کیا عجب کہ آج ہی کل مین واپس آجائے مگر اُسے آنے کے بعد معلوم ہوگا کہ مین کس ارادے سے آیا ہوں۔ اور کیا کرنا چاہتا ہوں۔“

عہ ہم تاجک ہیں کہ یہ بنی طے کی زمین مین دو مشہور پہاڑیاں ہیں۔

اسی قسم کے سودے دل میں لگاتھا ہوا۔ اور اپنی تدابیر کی کامیابی پر خوش ہوتا ہوا وہ جنوبی بھاہک پر پہنچا۔ اور شہر نپاہ سے باہر نکل کے قی دق صحرائ کی طرف نظر دوڑائے لگا کر منذر آتا تو نہیں ہے۔

ابھی صبح کا وقت تھا۔ آفتاب کو طلوع ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ بالو اتنی گرم نہیں ہونے پائی تھی کہ زمین سے اڑنے کے کھلی فضا میں پھیلے۔ اور دھوپ کے دامن گرد آلود کرس۔ ایاس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کے اس منظر کو غور سے دیکھا۔ چاروں طرف نظر دوڑایا۔ اور سوچنے لگا: ”کیا تدبیر کروں کہ میری خبر منذر تک پہنچ جائے؟ تاگمان سامنے ایک اونٹ نظر آیا۔ جو بہت فاصلے پر اور جس تیزی سے شہر کی جانب آ رہا تھا اُس سے قیاس کیا جاسکتا تھا کہ کوئی نہایت پیام لارہا ہے۔ اس خیال کے پیدا ہونے ہی اسے یقین ہو گیا کہ ہونہو یہ منذر بہت نعمان کا فرستادہ ہے۔

اس شہر سوار کی صورت نے ایاس کے دل میں بہت سی امیدیں پیدا کر دیں۔ دو چار سرداران بنی طے جو ہمراہ تھے انھیں واپس جانے کا حکم دیا اور گھوڑے کو ایسا بتائی۔ عربی گھوڑا اشارہ پاتے ہی ہوسے باتیں کرنے لگا۔ اور ایک چشم زدن میں صحرا کا ایک بڑا حصہ طے کر کے اُس اونٹ کے قریب جا پہنچا۔ اب گھوڑے کو روک کے غور سے دیکھا تو یہ شخص بنی کندہ و اہل حیرہ کے دھناغ واطیار کے خلاف خالص بدوی معلوم ہوا۔ پاس جا کے پوچھا: ”یا اخا العرب۔ تجھارے پیچھے کیا ہے؟“ شہر سوار: ”قتل۔ خونریزی۔ اور بھوک پیاس۔ یوم حلیہ کے معرکے کے بعد اور کیا امید کی جاسکتی ہے؟“

ایاس: ”بنی طے کی سرزمین کا کیا حال ہے؟“  
شہر سوار: ”ایاس بنی الاحمر کی مدد کو گیا ہوا ہے۔ اور اُس کے وطن کو بنی تیم کے گھوڑے پامال کر رہے ہیں۔“  
ایاس: ”(نہایت ہی گہرا کے) ”کیون؟“

عہ یا اخا العرب کے معنی ”اے برادر عربی“ اور جز دریافت کرنے کا عہد میں ہی طریقہ تھا کہ تمھارا پیچھے کیا ہے۔ یہیں سرزمین کو چھوڑے ہوئے آئے ہو کس حالت میں چھوڑ آئے ہو۔

شتر سوار " نغان کے خاندان نے قبائل عرب میں سخت جوش پیدا کر دیا ہے۔ مشہور ہے کہ ایاس دار اسے ایران کی خوشامد کر کے بنی کدہ کو سلطنت حیرہ سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس خیال نے بنی قضاہ اور تمام قبائل عدنان و قحطان میں آگ لگا دی ہے۔ دوس دوس دھیر تک اراضی میں سے روانہ ہوا چاہتے ہیں کہ اپنے تمام حلیفین کو جمع کریں اور سلی و اجا کے دامن کو آل طے سے خالی کر دیں۔

ایاس " اور بہادر فیاض حاتم طائی کیا کر رہا ہے؟  
شتر سوار " وہ اسی طرح اپنے خبار (خیمہ) کے صحن میں راگھ کے تودے جھانک رہا ہے۔

ایاس " یہ تو پہلے ہی نہ تھا۔ مگر اس نے اپنی قوم کے لیے کیا کیا؟  
شتر سوار " سنتا ہوں اس کی جو روئے اسے طلاق دے دی۔ اور اس کی خباہت کسی اور دادی میں ہے۔

ایاس " تو کیا ماویہ بنت غفرہ حاتم کو نہیں پسند کرتی؟  
شتر سوار " وہ رات کو کتوں کے بھونکنے کی آواز سنتے ہی آگ کو موت کے بجھا دیتی ہے۔ ایسی عورت حاتم کو کیا پسند کرے گی؟ اسی سبب سے وہ اب مالک کے عقد نکاح میں جانے والی تھی۔ جو ایک دن بھی حاتم کے مہمانوں کا پیٹ نہ بھر سکا۔

عہ حب کے کل قبائل اصل میں تین خاندانوں کی شاخیں ہیں۔ بنی قحطان۔ بنی عدنان (یعنی آل اسمعیل) اور بنی قضاہ۔

عہ دوس دھیر بنی قحطان کے بہت ہی معزز و قدیم قبیلہ بنی نہایت قدیم زمانے میں ان کی سطوت اور ان کا تمدن بہت بڑھا ہوا تھا۔ معرہ الوان کے ہم عصر بلکہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترقی و تہذیب کے استاد بھی لوگ تھے۔

عہ عربوں میں راگھ کا دھیر ہونا فیاضی سے کنایہ ہے۔ اس لیے کہ جس کے بیان زیادہ کھانا کچے کاراگھ بھی زیادہ ہوگی۔

لغہ یہ عربی فصاحت میں ٹھل کا نہایت ہی ذلیل کرنے والا کنایہ ہے۔ مطلب یہ کہ کتوں کے بھونکنے سے خیال کر لے کہ کوئی نیا سامان آتا ہے دوزخ کے چوٹے پریشاب کو جیتی ہے تاکہ آگ کچھ جاسا اور اس کے بے کچھ پکانا نہ ہو۔

ان خبروں نے ایاس کو دل ہی دل میں بدحواس کر دیا۔ وہ اب بڑی کوشش کر رہا تھا کہ اپنے نام کو چھپائے اور اجنبی شترسوار پر اپنی اصلیت نہ ظاہر ہونے دے۔ مگر چہرے کی پریشانی، منہ کا خشک ہو جانا۔ اور بار بار سر جھکا کے سر نہ بچنے لگنا ایسی باتیں تھیں کہ نہ تا تھا کہ میں یہ پہچان نہ جائے۔

ایک دفعہ گویا دل پر سے ہجوم یاس کے ہٹانے کے لیے بولا "تو کیا اب قبائل عرب میں کوئی نہیں جو بنی طے کا ساتھ دے؟"

شترسوار "کوئی کیون سا تھو دینے لگا، جبکہ خود ایاس ہی بنو سون کے جوش میں خسرو پر وزیر کی خاشاک کرنے کو چلا گیا۔ اور وادی سلمیٰ و آجا کو اس حالت میں چھوڑ گیا کہ بنی طے کی ٹکبان حملہ آوروں کی ٹونڈیاں بن گئیں۔ اور جو باقی ہیں مسلمان و ویران حیوان کے باہر کھڑی ماتم کر رہی ہیں۔ اور اپنی بے غزنی دہے حرمتی پر نادم ہیں۔ ایاس بن قبیصہ ہوس پرست اور غلامی کا شیدائے ہے۔ اور اسی وجہ سے اپنی قوم اور تمام بنی اعمام کا مجرم ہے۔ اُس کی حرص و ہوس نے قومی عزت خاک میں ملائی۔ اور بنی طے کی شہوں کو مشتبہ کر دیا اس لیے کہ آزاد و محض و غضبہ ثابت طے پر ہل کا غضب نازل ہوا۔ اُن کے اعتقادات میں ایاس نے سبک دھڑل کیا۔ اور اُن کے اتمام میں اُس کی غفلت سے نہیں معلوم کن کن لوگوں اور کن کن قبیلوں کے نقطہ شامل ہو گئے۔"

اب ایاس میں زیادہ سننے کی تاب نہ تھی۔ ایک دفعہ جہاک کے اپنا نیزہ سنبھالا۔ اور بولا "بھائی تو کوئی ہے۔ کہ گنہگار میں نہ مارا جاسے۔ بنی طے کی اس سے زیادہ دلاؤنی کہ بنی طائی شترسوار نہیں سن سکتا۔"

شترسوار (ادب کو پچھے ہٹا کے) "اے علیق بن علیق بن علیق بن علیق سے لڑنے کو نہیں آیا۔ اور نہ یہ جانتا تھا کہ تو طائی ہے میں بنی طے کا ہمدرد ہوں۔ اور بنی ضرہ سے ہوں جو آئی کے خلیف ہیں۔ عزت اسی غزنی سے آیا ہوں کہ جس قدر ملکہ ہو سکے اور چاروں نے ایاس کو دھوکہ دے اس مصیبت کی خبر کروں۔ تاکہ اُسے اور اپنی قوم کی حمایت کرے۔"

علیق بن علیق کے خطاب سے ایسے شخص کو پکارنے میں جس کا نام و نشان نہ معلوم ہو۔ اور میر کی سابقہ یا سبب باقی کے اڑنے کو آمادہ ہو جائے۔

اگر تو بنی سٹین سے ہے تو مجھے معلوم ہو گا کہ وہ آج کل کہاں ہے؟  
ایاس کے دل میں کچھ ایسا شدید جوش پیدا ہو گیا تھا۔ کہ شتر سوار کے خاموش  
ہو جانے کے بعد کچھ دیر تک ساکت رہا۔ پھر اُس کی طرف دیکھ کے بولا: "ایاس اپنے  
قیام تم قوموں کے ساتھ یہیں حیرہ میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اور میں اُس کے ہمراہ ہوں۔"  
شتر سوار: "تو مجھے جلدی لے چل کہ اُس سے مل کے یہ حالات بیان کروں۔"  
ایاس: "میں اس وقت اپنی قوم کے حالات سن کے بہت پریشان ہو گیا ہوں۔  
لب خشک ہو رہے ہیں۔ اور دل میں غصہ کی آگ سے آنچیں اٹھ رہی ہیں۔ کوئی  
مددیر ہے کہ میری اس حالت کو ذرا سکون ہو؟ اور تازہ دم ہو کے مجھے ابن قبیصہ  
کے سامنے لے چلون؟"

شتر سوار: "ہل کی قسم میری جھاگل خالی ہے۔ مگر ان اس نیلے کے اُس طرف ایک  
خیمہ کے دروازے پر ایک علم نصب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قینہ (رنڈی)  
ہے۔ غالباً اُس کے خیمہ میں تم اپنی بیاس بچھا سکو۔"  
ایاس: "بے شک وہیں چلنا چاہیے۔"

شتر سوار: "تو تم جاؤ۔ اور مجھے اجازت دو کہ ایاس کو جا کے خبر کر دوں۔"  
ایاس: "تم میرے ساتھ چلو۔ جب تک میں نہ چلون گا ایاس سے تم سے ملاقات ہی  
نہ ہو گی۔ میرے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کس محل میں آرام کر رہا ہے؟"  
الغرض شتر سوار نے اپنے اونٹ کو پھیرا۔ اور دونوں روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی  
دور تک گئے ہوں گے کہ ایک پہاڑی کے دامن میں وہ خیمہ نظر آیا۔ جس کے سامنے  
ایک سفید جھنڈی ہو امین لہرا رہی تھی۔ دونوں نے اپنی سواریاں اُس کی طرف  
پھیریں۔ اور خیمہ کے دروازے پر پہنچ کے ایاس گھوڑے کی پیٹھ سے اُترے اور  
شتر سوار اونٹ کو بٹھا رہا تھا کہ ایک سانولی اور کسی قدر جوانی سے اُتری

عہ جاہلیت عرب میں جا بجا صواوُن اور دواوِلون میں فاحشہ اور بازاری عورتیں  
خیمہ ڈال کے رہا کرتی تھیں۔ اور اپنے حسن فردوسی کے پیشہ کے ظاہر کرنے اور آپ کو متاثر کرنے  
کے لیے اُن کا معمول تھا کہ خیمہ کے سامنے ایک جھنڈا لگا دیا کرتیں۔ جس کو دیکھ کے مسافر  
اُن کے پاس جاتے۔ اور ٹھہرتے تھے۔

ہوئی عورت ایک نقش اور رنگ برنگ ازار کو زمین پر کھینچتی۔ اپنی ناز بھری چال سے  
تجتر اور بادکشا کی شان دکھاتی۔ مسکراتی۔ اور آغوش شوق پھیلاتے ہوئے چمے سے  
نکل کے دوڑی۔ اور۔ ”رجا! رجا!“ کہہ کے ایاس کے گلے میں باہین ڈال دین  
ایاس۔ ”اُسے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہو،“ ”خدا صبر!“  
عورت۔ ”تھامری عزت کی قسم صبر نہیں۔ آتش عشق بھڑک اٹھی۔“  
شتر سوار۔ ”مسکرا کے!“ تو اُسے اسی طرح ٹھنڈا کر د جس طرح حاتم کی بنیل  
جو رد مہانداری کا چو لھا ٹھنڈا کرتی ہے۔“

عورت۔ ”ایک ناز آفرینی کی دلکش داستان!“ ”کیونکر یا ابن آلم؟“  
شتر سوار۔ ”اس طرح کہ اس پر پیشاب کر دو!“ یہ کہتے ہی وہ اپنے اونٹ سے  
کوڑا۔ ایاس اور وہ دونوں اس جملہ پر ہنسے۔ اور عورت نے شتر کے شتر سوار کو  
ٹھیلے ہاتھوں سے دو تین دفعہ مارا اور بولی ”تربت عید اک!“  
ایاس۔ ”ایک کٹر آبائی پلاؤ۔ خدا کی قسم ینڈک سے زیادہ پیاسا ہوں۔“  
شتر سوار۔ ”مسکرا کے!“ ”اور میں بھر پیلے سے زیادہ بھوکا ہوں۔“  
عورت۔ ”تم دونوں کا علاج میرے پاس ہے مگر (ایاس کی طرف دیکھ کے اور  
ہنس کے) اسے فادس خفان۔ تھامری لیے۔“

عہ یا ابن آلم۔ ”اسے اپنی مان کے بیٹے!“ جس کا پتر نشان نہ معلوم ہو اُسے اگر عزت سے یاد  
کرنا چاہیں تو اسی طریقہ سے یاد کر لیں۔

عہ اس جملہ کے معنی تو اسی قدر ہیں کہ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ مگر اصل میں  
عرب عورتوں کا محبت بھرا اور پُر از ناز داد کو سن ہے۔

سے ضرب الشل ”عطش میں الفتاقتہ“ یعنی ینڈک سے زیادہ پیاسا۔ وہ یہ کہ ینڈک بغیر پانی  
زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح عربی میں بھڑیلے کی جھوک بھی ضرب الشل ہے اس لیے کہ ظالم کبھی اور  
کسی طرح پیٹ نہیں بھرتا۔

لفع فادس خفان یعنی اُس گھوڑے کا سوار جس کا نام خفان تھا۔ یہ ایک غسانی شخص تھا۔  
اور بودے بن میں ضرب الشل تھا کسی لڑائی میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے آپ سب کے  
پیلے اور خوب بھاگے۔



یہ سنتے ہی ایاس کی آنکھوں سے شعلہ نکلنے لگے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ اور قریب تھا کہ تلوار کھینچ کے عورت کا سر اڑا دے۔ مگر شتر سوار تیرہوں سے سمجھ گیا تھا۔ فوراً بڑھ کر ہاتھ سیکڑ لیا۔ اور بولا: اگر سفر کو نکلے ہو۔ اگر نشیب و فراز کا تجربہ کرنا ہے تو اتنی جلد مستقل نہ ہو جایا کرو۔“

ایاس یہ مین قسم کھا کے کہتا ہوں کہ شرفاء عرب ہوئے نہیں ہیں۔“  
شتر سوار نے ہرگز نہیں: (عورت کی طرف دیکھ کے) ”کیون شامت آئی ہے؟ اگر صافر (یہ) کی طرح جھگ میں تو نے ایک اچھا آشیانہ بنایا ہے تو اس پر ناز نہ کر۔ ایاس لیے کہ صافر سے یہ زیادہ بودا کوئی جانور نہیں۔“

ان دونوں کو یہ ہم دیکھ کے عورت نے خوشامد و بجا جت سے معافی مانگی۔ پھر انھیں ساتھ لے کے اپنے خیمہ میں گئی۔ اور اونٹ کے بالوں کے فرش پر بٹا کے بولی: ”یہاں پانی تو نہیں مگر بان خرم کی پڑائی شراب حاضر ہے۔ جس کا ایک ہی جام تمہارے اور ناتوانی کو مٹا دے گا۔ اور روح میں تروتازگی پیدا ہوگی۔“  
شتر سوار: ”اور میرے لیے کیا ہے؟“

عورت: ”کل ہی ایک گوہ شکار کی ہے اُس کے تازے گوشت کے کباب۔ اور اونٹ کا بھنا ہوا قدید“ (سو کھا گوشت)

ایاس: (جو تشنگی سے بیتاب ہو رہا تھا) ”تو ظالم جلدی لا۔“  
عورت نے حکم پاتے ہی ایک چم سے کی چھاگل جس میں شراب تھی اور تھوڑے سے چھوہارے لاکے سامنے رکھ دیے۔ پھر لکڑی کا ایک بھدا درمیل پیا لہ اٹھا لائی اور خود ہی چھاگل سے پیالہ میں انڈیل کے ایاس کی طرف بڑھتا ہوا اور کہا ”کیجیے“ ایاس بلا تا مل وہ جام چڑھا گیا۔ اور کھنکھار کے شراب کی تعریف کی۔ عورت نے دوسرا جام شتر سوار کو دیا۔ اور دوڑ چلنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد عورت ان دونوں مہانوں کو باتون میں مشغول چوڑ کے آٹھی خیمہ کے دروازے پر ادھر ادھر سے دھونڈھ کے لکڑیاں جمع کیں۔ گوہ کے ٹکڑے اور قدید کی لمبی لمبی چین آگ پر ڈالیں۔ اور مہانوں سے پکار کے کہا۔

عرب میں: بان زدام تھا کہ سب سے بودا کوئی جانور نہیں۔ کہتے تھے: ”اھبن من صافر“

”اے اب باہر آ کے بیٹھے۔ گوشت بھونے جا ہیے اور کھاتے جا ہیے۔“ اُس کی آواز سننے ہی شتر سوار اور ایاس دونوں شراب کی چھاگل اور چوبلی پیالہ پیے ہوئے باہر آئے۔ اور جاہلیت عرب کی سادی اور دلچسپ صحبت کا سامان بندھ گیا۔ عورت نماز اور غز سے دکھا دکھا کے ایاس پر اپنے حسن کا جادو ڈالتی جاتی تھیں۔ اور ہفتے کے جو من میں اُس کے ساعت بہ ساعت از خود رفتہ ہوتا جاتا تھا۔ شتر سوار کی یہ حالت تھی کہ جو ہفتہ بڑھتا جاتا ایاس کی خوشامد میں اور زیادہ جوش دکھاتا۔ اور اُس کی ان خوشامدوں کو دیکھ کے عورت جو ابھی تک دونوں سے لگاوت باز یاں اور ناز آفرینان کر رہی تھی اچک کے ایاس کی گود میں بیٹھ گئی۔ اور اُس کے گلے میں باہن ڈال دیں۔

ایاس بن قیسہ تھوڑی دیر تک تو اس بازاری عورت کے ناز و انداز اور اُس کے اٹھنا چڑھنے سے لطف اٹھاتا رہا۔ مگر یکایک جیسے اُس کے دل میں کوئی نیا خیال آیا۔ چہرہ پر افسردگی چھا گئی۔ دل لہلہا ہوا گیا۔ اور نہایت بے لطفی بلکہ کچا دوائی سے عورت کو گود سے ڈھکیں کے سر جھکا لیا۔

شتر سوار۔ (حیران ہو کے) ”خیریت تو ہے؟“

ایاس ”سب خیریت ہے۔ مگر یہ جام شراب اُس آزاد غزال صحران کو یاد دل رہا ہے۔ جو کسی طرح رام ہوئے کا نام ہی نہیں لیتی انہیں ادھ جلتی و لغزب ہے اتنی ہی خوشی بھی ہے؟“

شتر سوار ”وہ نبات بادیر سے ہے؟“

ایاس ”نہیں۔“

نہیں دی۔“

ن کے بھول سے قدموں نے ان وحشت ناک صحرائوں کو کبھی غرت نماز بردار باپ نے کبھی اُسے نہ رخ عظام (پٹریوں کے گودے) کو دی۔ اور نہ شراب صافی کے سوا کوئی چیز پینے کو۔“

یہ وہ کسی بادشاہ کی بیٹی ہے؟“

ایاس کو

اُس کے اور

بے بہت زیادہ مدہوش بنا دیا تھا۔ ایک دھڑ دھڑ جوش میں

ملکت کی وضع ہنا کے بولائے مجھے پہچانتے بھی ہو کون ہوں؟“

زولعت میں پرورش پانے کی یہ سب سے اعلیٰ اور ضرب الفضل

شتر سوار یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا کہ صلحہ بن صلحہ یا طامر بن طامرؑ  
ایاسؑ نہیں میں کوئی مجہول الحال شخص نہیں ہوں۔ ارض حیرہ میری سطوت  
سے کا بنی ہے۔ اور قبائل عرب میرے نام سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد اُس نے  
رجز خوانی کے طریقہ سے چند اشعار پڑھے۔ جن میں ظاہر کیا تھا کہ میں بنی  
نامی گرامی سردار ایاس بن قبیلہ طامری ہوں۔

شتر سوار پر اس راز کے کھلنے کا چندان اثر نہیں ہوا۔ چاہیے تھا کہ اپنے گننام  
ہم صحبت کو بنی سطر کا سردار سن کے چونک پڑتا۔ مگر نہیں وہ اُسی طرح بیٹے پرانی  
سے بیٹھا رہا۔ اور کہا تو کہا کہ افسوس! بنی سطر کا سردار یہاں جام شراب اُڑ رہا ہے۔  
ایک شاہد بازاری اُس کے پہلو میں ہے۔ اور اُس کی تو میں پامال ہو چکی۔ اُس کی  
نبات عم (قبیلہ کی راجکان) بے عزت ہو میں۔ اور سلی واجا کے درمیان میں ہر طرف  
بین کر رہی ہیں۔

ایک ایاس چونک کے اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اس مصیبت کو بھول گیا تھا۔  
سوئے کا ایک غیر سلوک ملک واجب سے نکال کے عورت کی طرف پھینکا۔ اور  
گھوڑے پر سوار ہونے کو تھا کہ شتر سوار نے لپک کے اس کا دامن پکڑ لیا۔ اور  
چلایا: یا سبخ العرب اِجانتا ہوں کہ تجھ میں جوش ہے اور غیرت۔ اب یہاں سے جاتا  
ہے تو جا۔ مگر اتنا بادے کہ وہ کون سی ناز میں ہے جس نے تیری عسرت بے مزہ اور  
تیری شراب بے سرور کر دی ہے؟

ایاسؑ اس سے فائدہ ہے۔  
شتر سوار یہ میں کوشش کروں گا کہ اُسے تیرے آغوش تکس کے  
ایاسؑ (حیرت سے) تو ایسا کر سکتا ہے؟ تم ہے ارض مغنیز کھا۔  
نہیں کر سکتا؟  
شتر سوارؑ بالوں کے ہر ذرے کو ذلیل نہ سمجھ۔ انھیں اب شراب  
چڑھ جاتے ہیں۔

ایاسؑ (سو بخ کر) اچھا تو میرے ساتھ آ۔ حیرہ تک چل جاؤ۔  
عہ جس طرح مجہول ترین کو صلحہ بن صلحہ کہتے ہیں۔ طامر بن طامر بھی۔

بچہ پر ظاہر کر دین۔

یہ سنتے ہی شترسوار نے عورت کو رخصت کیا۔ چاندی کا ایک رومی رپال اُس کے حوالے کیا۔ اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کے ایاس کے ساتھ ساتھ حیرہ کی طرف رخ کر کے چل کھڑا ہوا۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایاس کا جوش پھر فرو ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ جارہا تھا۔ اور نئے رفیق سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ یکایک چلتے چلتے ایک دفعہ گھوڑا روک کے بولا "کاش مجھے معلوم ہوتا کہ منذر کمان ہے؟" شترسوار "منذر" اِدہی تو قبائل عرب کو آپ کے خلاف برہم کر رہا ہے۔ اور اس کو کشمیں ہے کہ بدوی سرکشوں کے سامنے اپنے آبائی حقوق پیش کر کے انھیں آپ کی مخالفت پر آمادہ کرے؟

ایاس "مگر میں تو سنتا ہوں کہ وہ پرسوں ہی حیرہ سے گیا ہے؟"

شترسوار نے اُس سے کیا ہوتا ہے؟ اُس کے داعی اور طرف دار مہینہ بھر سے زیادہ ہوا کہ ہر طرف پھیل گئے ہیں۔ اور اب وہ خود اسی ارادے سے روانہ ہوا۔ ایاس "میں نے تو سنا کہ شکار کو گیا ہے؟"

شترسوار نے اور اس کا آپ کو یقین بھی آگیا، اچھے غم زدہ اور پریشان حال شہزادہ کبھی شکا رہیں دل لگ سکا ہے؟ جس کے بے اطمینان و غما۔ غالبانی غلیان ہے۔ اصل یہ ہے کہ اُس نے اپنے ارادوں کو حیرہ میں چھپایا ہوگا۔ اچھا۔ اور آپ مارے ایران سے مل گئے کیا کر آئے؟

ایاس "میں حیرہ کے تاج و تخت کا مالک بن گئے آیا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ ہند بنت نعمان کو اپنے عقد کراہ میں لے کے اُسے اپنی لگ بھڑاؤں۔ اور اپنے لیے خاندانی حق پیدا کروں۔ تاکہ آل کندہ کو بھی مجھ سے مخالفت نہ باقی رہے۔ کیا کہوں کہ ہند کے لیے کس قدر تیاب ہوں؟ مگر انیسویں وہ مجھے نہیں پسند کرتی۔" شترسوار "کیونکر پسند کرے؟ جو جھوٹی عزت عزت کو نصیب ہوئی تھی۔ اُسے وہ غلیان ایک فرضی نام ہے جس کا استعمال عشاق کے محل پر کیا جاتا ہے۔

وہ غم نہت قدم زمانے کے عربوں میں قوم عظمیٰ ایک عورت تھی۔ حملہ آوروں نے اُسے قید کیا۔ اونٹ پر بٹھائے لے چلے۔ اور نہایت اظہار و نرمی سے گفتگو کرتے تھے۔ اس حالت کو (باقی صفحہ)

کوئی معمولی شریف زادہ ہی بھی نہ پسند کرے گی۔ اور ہند تو آخر پھر شاہزادی ہے۔  
 ایاسؑ چاہے جو ہو میں اُسے اپنے قبضہ میں ضرور لاؤں گا۔  
 شہر سوارؑ مگر اس طرح نہیں کہ ہند آپ کے حق میں اسو کی بہن بن جائے۔  
 ایاسؑ تو آخر کیا کروں کہ وہ ہنسی خوشی میرے آغوش شوق میں چلی آئے۔  
 شہر سوارؑ تدبیر حکمت عملی۔ اور کیا کیجیے گا یہ وہ چیز ہے جس سے انسان پتھر کو  
 سوہ کر لیتا ہے۔ اور اگر میری نصیحت پر عمل کیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ آپ اُسے  
 ارادوں میں کامیاب ہوں گے۔ مگر حیرہ کی حکومت کے لیے خسرو پر ویز کی رضامندی  
 سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قبائل عرب منظور کریں۔

ایاسؑ پھر یہ امر تو اس وقت مشکل معلوم ہوتا ہے۔  
 شہر سوارؑ کچھ مشکل نہیں۔ آپ فوراً جا کے اپنی قوم کی مدد کریں۔ اپنے حلیف  
 قبائل کو لڑائی پر آمادہ کریں۔ اور جب وہاں آپ نے مخالفت کی قوت نہ لڑوئی تو  
 یہاں بھی ہنڈر کو اپنے اغراض میں ناکامی ہو جائے گی۔  
 ایاسؑ اور ہند کے وصال کی کیا تدبیر ہوگی؟ مجھے سب سے مشکل یہی چیز معلوم  
 ہوتی ہے۔ اگر تم اس معاملہ میں میری مدد کرو تو حیرہ کا آئینہ بادشاہ ہمیشہ  
 دیکھ کر وہ لوی دہ عزت ذات سے جڑے جو لونڈی بن کے نصیب ہو۔

حیرہ اسو کی بہن سے راجہ غیرت عباد ہے۔ کتے بہن بہت قدیم زمانے میں عرب میں دو قومیں  
 آباد تھیں۔ ایک ظم اور دوسری جدیس۔ ارض یامہ اُن کا مسکن تھی اور ظم کو کاتھ میں حکومت تھی  
 اور جدیس رعایا کی حیثیت رکھتے تھے۔ جدیس کی ایک عورت نے جو ہزیلہ کلماتی تھی کسی انسان  
 پر برہم ہو کے طبعی بادشاہ کی بہو میں چند اشعار کہے۔ بادشاہ نے غضب آلود ہو کے حکم دے دیا کہ  
 آئندہ سے جس جدیس لڑکی کی شادی ہو وہ پہلی اور زفاف کی رات بادشاہ  
 کے محل میں آ کے رہا کرے۔ اتفاقاً جدیس کے سردار کی بیٹی حیرہ کی شادی ہوئی۔  
 اور وہ بھی اس ذات سے نہ بچ سکی۔ وہ زفاف کی صبح اُسی طرح برہمنہ و غن آلود  
 اپنی قوم میں آ کے کھڑی ہوئی اور چند اشعار پڑھے۔ جن میں اپنی رسوائی دکھا کے  
 قوم جدیس کو انتقام پر ابھارا تھا۔ اور آخر ایک دعوت میں جدیس والوں نے ساری  
 قوم ظم کو فغا کر دیا۔

تجھارا غلام رہے گا۔“

شتر سوار۔ اس کا مین ذمہ دار ہوں۔“

ایاس۔ مگر کیونکر؟ شتر ہوں وہ سیکھ ہو گئی۔ اور بن بن کے کسی خانقاہ میں بیٹھ رہتی ہے۔“

شتر سوار۔ مین اُسے پھر اُسی دنیا میں لے آؤں گا جسے اُس نے چھوڑ دیا ہے۔

ایاس۔ مسیح تجھارے ارادوں میں برکت دینا۔“

شتر سوار۔ تجھے سب سے بڑا دیوتا ہل ہے ایسی ہی امید ہے۔“

ایاس۔ تو اب مین جانتے ہی حیرہ سے کوچ کر دوں گا۔ اس لیے کہ وطن اور قوم کی حمایت سب پر مقدم ہے۔ انسانوں میں سے نہ ہونے سے بنی سٹ کی شجاعت میں دھبہ لگ گیا۔“

شتر سوار۔ مگر اس دھبہ کو آپ دھو سکتے ہیں۔ اب مین بھی آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ مجھے کل ارض بابل پہنچ جانا چاہیے۔ جہاں کے ساحروں سے بعض اغراض میں مدد لینے ہے۔“

ایاس۔ یہ میرا بھی خیال رکھنا۔“

شتر سوار۔ ضرور! اس کے بعد دونوں نئے دوست بڑی گرجوشی سے رخصت ہوئے۔ اور ایاس اپنے گھوڑے کو ایرتاک کے شہر حیرہ میں ہو رہا۔

## اٹھارھواں باب

مذکر کی تخت نشینی

ایاس بیسے ہی نظر سے غائب ہوا۔ شتر سوار نے اپنے اونٹ کی ہمار کھینچی۔ اُسے بھھرایا۔ اور حیرہ کے اس پھاٹک کی طرف دیکھ دیکھ کے مسکرایا جس میں

وہ بابل کی نسبت مشہور تھا کہ دہان کے ایک کنوین میں ہادوت و ماروت قید ہیں۔ جو زہرہ کو آسمان پر چڑھالے گئے تھے۔ اور اس جرم میں آسمان سے نکالے گئے۔ ان فرشتوں کی نسبت یقین تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ اُن کا قصہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہے۔

اُس نے ایاس کو داخل ہوتے دیکھا تھا اور گویا ایاس کی خیالی صورت کو مخاطب بنا کے کہنے لگا: "بے وقوف! اور کم ظرف! اُنہیں نابجائی بڑھاتا! ایک ہی جام میں اپنے سارے راز آشکار کر دیے! مجھے قوم کا سردار کس شخص نے بنایا؟ بنی طے بڑے بد نصیب ہیں جن کا سردار ایسا بے وقوف اور اس قدر سادہ لوح ہے!" یہ جملہ کہہ کے اُس نے ریکستان کے چند ٹیلوں کو غور سے دیکھا۔ اور اُنھیں کی طرف اپنے ہونٹ کو پھیر دیا۔ اُن ٹیلوں سے قریب ہوتا جاتا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا: "اے شخص کو بے وقوف بنانا۔ ذلیل کرنا اور زک دنیا کی مشکل ہے؟" ناگمان سے اُس سے ایک سوار نظر آیا۔ جس نے اپنا گھوڑا بڑھا کے ایک ہی منٹ میں اونٹ سے ملا دیا۔ اُس کے قریب آنے ہی شہر سوار اونٹ سے اتر پڑا۔ اور بولا: "اے بادشاہ منذر! آپ کا رقیب ہنقیقہ سے زیادہ بیوقوف ہے۔ اُسے زک دنیا کی مشکل نہیں!"

منذر: "اور اگر عقل بھی رکھتا ہوتا۔ تو یہ تھوڑا ہی ممکن تھا کہ تمھاری دولت و طباعی کو پہنچ جاتا؟ آج وہ نامین کون ہے جو طلح کی دانائی کو پہنچ سکے؟" طلح: "بہت آسانی سے ممکن تھا کہ اسی وقت میں اُس کا کام تمام کر دیتا۔ اول سے آخر تک میرے بس میں تھا۔ غولہ جواد مرگز ارمین رنڈی بن کے بیٹھی ہے اس کی شراب نے اُسے بالکل اُتو بنا دیا تھا۔ اور اگر میں چاہتا تو وہ وہاں سے زندہ بچ نہ سکتا۔"

منذر: "پھر ایسے خطرناک دشمن کو چھوڑ کیوں دیا؟ حریف کو موقع پانے نہ مارنا احتیاط کے خلاف ہے؟" طلح: "مگر مجھے تو کسی کی جان لینے میں جب ہی لطف آتا ہے جب کچھ دلچسپی بھی ہو۔"

عہ یہ ایک ٹہنی مثل ہے۔ معنی یہ کہ اتنا بے وقوف ہے کہ خود اپنی رال کو تمھیں نہیں روک سکتا۔ جو اپنا راز نہ چھپا سکے اُس کی نسبت کہتے ہیں۔

عہ ہنقیقہ عرب کا ایک مشہور بے وقوف تھا۔ ایک دفعہ آپ کا ایک اونٹ کھو گیا۔ لوگوں سے پکار پکار کر کہنے لگے جو اس اونٹ کو دیکھو تو کوئی اس کا الگ ہوا جاکا۔ یہ کہ مجھے حرف مل جانے کی لذت کافی ہے۔

منذر۔ (حیرت سے) ”وہیسی کیسی ہے“

طلحہؓ اس کے یہ معنی کہ ہمارے ہاتھ اور ہماری تلوار کو زحمت نہ ہو۔ اور ایسی تلوار سے کام لیا جائے کہ خوش ہو جو کے دشمن کی موت کا تماشا دیکھیں۔ مگر اس قدر فاصلہ ہے کہ وہ اس پر خون کی چھینٹ نہ پڑے پاس۔ میں تو تجارح سے دشمن کی جان لیتا ہوں۔“

منذرؓ جو کچھ ہو۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایسا اس وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی مشکلوں سے ہاتھ آئے گا۔“

طلحہؓ جی نہیں۔ وہ ہند کے عشق کا دم بھرتا ہے۔ اور اس قدر بے وقوف ہے کہ جب جاہلون موت کے گڑھے میں ڈکھیل دوں۔ میں تو اُس کی جان نیلے بغیر نہ رہوں گا۔ لیکن اس کا اس وقت اور بیان مارا جانا آپ کے اغراض کے خلاف تھا۔“

منذرؓ یہ کیوں ہے؟

طلحہؓ اس لیے کہ کسرا پر وزیر کو دوسے کے اور اُسے خوشنود کے آیا ہے۔ اگر مارا جاتا تو پر وزیر آپ کو سرکشی و سرتابی کا اڑا دیتا۔ اُس کا خون آپ ہی کے نام لکھا جاتا۔ اور یہ خوفناک نتیجہ ظاہر ہوتا کہ ایک طرف کسری برہم ہوتا۔ دوسری طرف قبائل عرب نبیؐ کے ساتھ دیتے۔ اور وہ اپنے سردار کے خون کا انتقام آپ سے لینا چاہتے۔ یہی غلطی آپ کے والد نے عدی بن زید کے قتل کرنے میں کی تھی۔“

منذرؓ بیشک تمہاری نصیحت میں نظر بہت دور جاتی ہے۔ اگر میں بادشاہ ہو تو لوگوں ہی میرے وزیر ہو گے۔ اچھا تو پھر اس کے قتل کی اور کون سی تدبیر ہے؟

طلحہؓ اس کا میں پورا بندوبست کر چکا۔ میری تدبیر کا پورا مسودہ میرے ذہن میں ہے۔ اب اس کو میں ایسا فقرہ دے آیا ہوں کہ آج شام ہونے سے پہلے وہ حیرہ چھوڑے گا۔ اپنے وطن کو جائے گا۔ اور کئی مہینہ کے لیے آپ اُس کے شر سے نجات پا جائیں گے۔ میں ذہنی طور پر ایسی ہی تصویر اُس کی آنکھ کے سامنے کھینچ رہا ہوں کہ وہ اچھڑے گا۔ اُس کے تمام ہمراہی یقین سے کہ راستہ بھر روئے اور خاک اُڑائے جائیں گے۔ اب آپ آج ہی شام کو محل کے چکر تخت پر بیٹھے۔ اور مشہور کر دیجئے کہ اسی ایسا بن قبیصہ کی معرفت کسری پر وزیر کے پاس سے آپ کی تخت نشینی کی منظوری آگئی۔ اُس نے

عہ جاح اس لکڑی کے تیر کو کہنے ہیں جس سے بچے کھیلے ہیں۔ اور جس سے کبھی کوئی اندیشہ نہیں کر سکتا۔



تو آپ کو دھوکا دینے اور غافل کرنے کے لیے یہ خبر مشہور کی تھی۔ مگر آپ اس فریب سے اپنے خن کے مناسب اور اپنے اغراض کے موافق فائدہ اٹھا لیا۔ آپ کے تخت نشینی کے دو ہی چار روز بعد مین اور زید بن عدی و سنگرد کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے سفیر مین کے اُس کے دار السلطنت مین داخل ہون گئے۔ آپ کی طرف سے اُس کے سامنے نذر پیش کریں گے۔ اور ظاہر کر دیں گے کہ ایاس نے ذریعہ شہنشاہی اجازت پا کے آپ نے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ چند روز مین ہم کسری کے مزاج میں درخورد پیدا کر لین گئے۔ اور آپ کی حکومت منظور کرانے کے ساتھ ایاس کی گرفتاری کا بھی فرمان جاری ہو جائے گا۔ وہ فرمان آپ ہی کے نام آئے گا۔ ایرانی فوجیں اور عجمی ہاتھی آپ کے حلیہ میں ہون گئے۔ اور اُس وقت آپ کس خوشی اور کس مسرت سے ایاس کو قتل کر کے اُس کا سر پائے تخت و سنگرد کی طرف روانہ کریں گے؟

مندر نے اور اُسی وقت مجھے ایاس کی اس گستاخی کا بھی انتقام ملے گا کہ میری بہن کی عزت لینا چاہتا ہے۔ جس کے خوف سے ہند نے مذہب۔ وطن۔ شاہی محل۔ اور اپنی تمام لوٹ لٹوں اور ملازموں کا۔ کو خیر باد کہہ کے سیاحت اور ذلیل رہبانیت اختیار کر لی؟ طلحہ اس واقعہ سے ہم آپ کو بہت فائدہ پہونچا سکیں گے۔ اور یقین ہے کہ تمام

نا کام مامیوں کا پورا انتقام مل جائے گا۔ ایاس اتنا بڑا بیوقوف ہے کہ ہماری اور اُس کی مثال شیر اور گدھے کی ہے۔ ایسے احمق سے انتقام لینا کون مشکل ہے؟ اس مثال پر مندر بہت ہنس اور بولا "دیکھو وہ وقت کب آتا ہے جب ہمارے شیر اس گدھے کا پیٹ بھاڑے گا؟"

عہد عرب میں مشہور تھا کہ شیر نے افغانا ایک دفعہ گدھے کو دیکھا۔ اور اُس کے بڑے بڑے کان۔ موٹے ٹہن۔ اور چوڑے چوڑے دانت دیکھ کے دل میں ڈرا۔ لیکن دل مضبوط کر کے پاس گیا۔ اور دور سے پوچھا "مجھے گدھے یہ تمہارے ٹہن کس کام کے ہیں؟" گدھے نے کہا "ٹیلوں پر چڑھنے کے لیے" پھر پوچھا "اور یہ چوڑے چوڑے دانت؟" جواب ملا "خفیل کھانے کے لیے" شیر نے دل میں کہا "خوب۔ اور دریافت کیا" یہ بے بے کان؟" گدھے نے کہا "کتھیاں اڑانے کے لیے" اب شیر کی جرأت بڑھی۔ پوچھا "اور اس بڑے بھاری پیٹ میں کیا ہے؟" جواب ملا "اس میں تو صرف ریاح بھرسے ہوئے ہیں۔ اگر گوز اڑا کر تا ہوں" اب شیر میں مضبوط کی تاب نہ لکھی۔

خفہ سے جھپٹا اور دم بھر میں بھاڑ ڈالا۔

یہ باتیں اور یہ تدبیریں سن کے منذر کی یہ حالت تھی کہ از خود رفتہ ہوا جاتا تھا۔  
جوشِ سرست کو دباتا تھا اور دبانہ سکتا۔ باتیں کرتا تھا گیارہ دانت نکلے آتے تھے آخر جوشِ سرست  
آگے بولا۔ طلحہ۔ تم سے بہتر مرد بر انسان و نیامین نہیں مل سکتا۔ نوشیروان عادل  
کے وزیر بزرگ مہر کی بھی تختاری دانائی و ہوشیاری کے سامنے کوئی وقعت نہیں۔  
مصلحت تو یہی ہے کہ تم ایران جاؤ۔ مگر تھیں چھوڑے کو میراجی نہیں چاہتا۔ تمہارے بعد  
کوئی امرا ہم پیش آیا تو میں کس سے مشورہ کروں گا؟

طلحہ۔ (منذر کے سامنے مہر ادب و اطاعت جھکا کے) یہ بادشاہ کی قدر افزائی ہے  
ورنہ میں کسی قابل نہیں ہوں لیکن اس محل پر سب سے اہم کام یہی ہے کہ حضور مجھے  
دشمن نہ بن جائے کی اجازت دین۔

منذر۔ "افسوس میں تھیں منع نہیں کر سکتا۔ اور خصوص جب کہ خاص میری ضرورت  
سے جاتے ہو۔ خیر تختاری بیوی خولہ گمان ہے بہ جلدی بلاؤ۔ تاکہ ہم سب تیار ہو رہیں  
اور ایاس کے جاتے ہی تبرہ میں داخل ہوں۔"

طلحہ۔ "وہ خود ہی آئی ہوگی۔ یہاں کا پتہ اُسے معلوم ہے۔ مگر حضور حراۃ کا پارٹ آج  
اُس نے بڑی لیاقت سے پورا کیا۔ جس طرح مجھ سے الگ رہ گئے اُس نے اب کو  
ایکسٹنڈی ثابت کیا اور جس خوبصورتی سے ایاس کو اپنی باتوں میں لٹایا اُنسی کا  
حق تھا میں واقعی بڑا خوش نصیب ہوں کہ ایسی لائق بیوی ملی جو ہر امر میں  
اور ہر وقت میری مدد کو تیار رہتی ہے؟"

منذر۔ "یہ مشکل بات تھی کہ ایک پاک دامن عورت کسی ضرورت سے اپنے  
اخلاق و عادات میں پورا رنڈی بن ظاہر کر دے؟"

طلحہ۔ "اسی وجہ سے تو خداوند میں اُسے جہانم میں کرتا؟ یہ باتیں میری ہی تھیں خولہ بھی  
آگئی۔ جو ایک اونٹ پر بیٹھ کے بانو کے تودوں اور کوہستانی گھاٹیوں میں چھپتی ہوئی

عہ جہادہ عرب میں اکثر رنڈیوں کو لٹا کرتے تھے۔ اور وہ یہ تھی کہ کسی بہت ہی قدیم زمانے میں جن  
دو بازاری عورتوں نے قوم عاد کے وکیلون کو اپنے تاج گانے اور شراب و کباب میں  
مشغول کر کے کعبہ کی زمین پر دھا کرنے سے باز رکھا تھا وہ جہادین کلماتی تھیں۔ یہ واقعہ  
حضرت ابراہیم سے بھی پہلے کا ہے۔

آئی۔ اور منذر کے سامنے زمین چوم کے ہنسی اور کسی قدر شرماتی ہوئی بولی "اسیدہ کہ حضور اپنی زندگی جرادہ کے حال پر مہربان رہیں گے۔"  
 منذر (مسکرا کے) "میں تمھاری کوشش کا شکر گزار ہوں۔"  
 طلحہ "خولہ! تو نے آج اپنی پوری لیاقت ظاہر کر دی۔ جو کام تجھ سے ہو سکا اور جس طرح تجھ سے بن بڑا کسی سے نہ ہو سکتا۔"  
 خولہ "میں تو اسے ہرگز گوارا نہ کرتی مگر تمھاری خوشی اور بادشاہ کی ضرورت دیکھ کے انکار نہ کر سکی۔"

یہ تینوں شخص جن ٹیلون کی آڑ میں تھے وہ حیرہ کے چھانک کے عین مقابل واقع ہوئے تھے۔ اور پورا موقع حاصل تھا کہ جب چاہیں وہ قدم بڑھ کے دیکھ لیں کہ شرمین اور خصوص جزوی چھانک سے کون اتنا جانتا ہے۔ اب سہ پہر کا وقت تھا۔ آفتاب نعمت الراس پر پہنچنے کے مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ وحشت نامک بگولوں کی محزونانہ رفتار میں ثنائت پیدا ہو چلی تھی۔ اگرچہ بالواب تک ویسی ہی جھوبھل بنی ہوئی ہے۔ مگر دھوپ کی حدت و پیش گرم ہو گئی۔ اور وہ وقت آگیا جب کہ دشت عرب کے رہ دور و سفر کے لیے کمر باندھتے ہیں۔ اونٹوں پر کجاوے رکھے جاتے ہیں۔ اور تافذ مغرب ہونے لگتے ہیں۔ منذر نہایت ہی خوش خوش بیٹھا ہے۔ اور جو جو وقت گزرتا ہے اُس کی خوشی بڑھتی جاتی ہے۔ بیکام مسکرا کے خولہ کی طرف دیکھ کے بولا "سیدنا ہون ایاس نے مجھے سرکشی و بغاوت کا الزام دیا۔ اور میری نسبت یشیل کہی کہ صبر حیاں بہ جوح خولہ۔ اس کے جواب میں میں کہتی ہوں رَبُّکَ تَعْلُوْا لِمَا جَاءَ مِنْ غَنًی"۔

عہ پہلی مثل "صبر حیاں بہ جوح" کا ترجمہ تو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر دوسری مثل رَبُّکَ تَعْلُوْا لِمَا جَاءَ مِنْ غَنًی کا مطلب یہ ہے کہ "بعض کلمات خود قابل سے کہتے ہیں کہ مجھے چھوڑ دو" یعنی چھوڑ دو تو دیکھ کیا کرتا ہوں۔ اس مثل کی ابتدا یون ہوئی کہ یون کے قدیم شاہان حیر میں سے کوئی بادشاہ شکار کو مٹلا۔ ایک بلند پہاڑی پر کھڑا ہو کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ کسی نیم خاص نے کہا اگر کوئی شخص یہاں ذبح کیا جائے تو خدا جائے اس کا خون کتنی دور تک برکے جاے گا۔ بادشاہ نے یہ سنتے ہی حکم دیا کہ خود اسی شخص کو ذبح کر کے اس کا تجربہ کر لو۔ چنانچہ وہ ذبح کیا گیا۔ اور اسی واقعہ سے یشیل عرب میں مشہور ہوئی۔ کہ بعض ایسی بات زبان سے نکل جاتی ہے کہ انسان خود اس کی آغوش میں تلو جاتا ہے۔

یکایک کچھ شور کی آواز سنی گئی۔ طلح نے اٹھ کے تلوں (بالوں کے تودوں) کی آڑ سے دیکھا۔ اور مندر کے پاس خوش خوش آکے کما بے وقوف اپنی حماقت کا پھل کھانے کو جاتا ہے؟

مندر: ”یعنی کیا بہ مین نہیں سمجھا؟“

طلح: ”ابن قبیہ جو ابی سوانی کو لے کے چلا ہے کہ بنی نائین جا کے اپنی روتے والیوں کے آئینوں کو دیکھے۔ جنہیں مہینہ بھر کے سفر سے بعد پہنچ سکے۔ نیسے گا کہ بچا سے روتے کے اُس کی بے وقوفی پر ہنس رہی ہیں۔“

مندر: ”اتقہ لگا کے“ حقیقت میں بڑی دگلی ہوگی۔ اور یقین ہے کہ راستہ بھرتا ہوا جائے گا۔“

طلح: ”دشمن کو رد نہ ہی چاہیے۔ مگر اس روتے کا اعتبار نہیں۔ مجھے خوشی تو اُس کا ہوگی جس روز اباس مارا جائے گا اور بنی نائین فلس و یثوث کی مورتوں کو اپنے آئینوں سے دھوئیں گے۔ تاہم کئی مہینہ لے لے ہم اُس کے شرتے پر جائیں گے؟“

مندر: ”بیشک۔ اور اسے دنوں میں یقین ہے کہ کم خسرو پر وزیر کے دربار سے میری تخت نشینی کی منظوری حاصل کر لو گے؟“ یہ کہہ کے نہایت توجہ و امیدواری کی وضع سے طلح کی صورت دیکھنے لگا۔ گویا ”ہاں“ کا جواب سننے کے لیے بقرار تھا۔

طلح: ”امید تو ایسی ہی ہے۔ اب حیرہ میں چل گئے اور زید بن عدی سے مل کے ہم سفر فارس کے متعلق مشورہ کریں گے۔“

مندر: ”اس کو کیا دیر ہے؟ چند ساعت میں حیرہ ہی میں ہوں گے۔“

طلح: ”مگر رات ہونے سے پہلے جانا نہیں مناسب ہے۔ شہر جب ہندون اور زید بن عدی سے بالکل خالی ہو جائے اُس وقت ہمیں اندر قدم رکھنا چاہیے۔“

خولہ: ”رات کو تو یہاں دزدوں کا خوف ہو گا؟“

طلح: ”خولہ۔ اتنی باویہ بجائی اور ایسی ہیصبتیں جھیلے کے بعد بھی تیرے دل میں خوف بانی ہے؟ میری بیوی کو ہوشیار۔ جاکش۔ اور جری ہونا چاہیے۔“

مندر: ”یہ سب اوصاف تو خولہ میں کمال کے ساتھ موجود ہیں۔ خولہ ایسی عورت

فلس اور یثوث بنی طے کے بت تھے۔ اور ساری قوم انہیں کی پرستش کرتی تھی۔

منین کہ اُس کی شکایت کی جائے؟

طلحہؓ بیشک ہیں۔ مگر پھر بھی اس سے بعض اوقات کمزوری و بزدلی ظاہر ہو جاتی ہے جس سے کہ کچھ سخت نفرت ہے۔

الغرض اسی مقام پر اطمینان سے بیچہ کے ان لوگوں نے دن ختم کیا۔ اور بار بار اٹھ اٹھ کے دیکھ لیتے تھے کہ بنی ٹے اور ایاس بن قبیصہ طائی کے ہمراہی کس حالت اور کس وضع سے نکل نکل کے جا رہے ہیں۔ جو خبر طلحہ کی زبانی ایاس کو معلوم ہوئی وہ ساری قوم میں پھیل گئی تھی۔ اور سب نہایت پریشان تھے۔ روانگی کے وقت اُن سے عجیب عجیب طرح کی مضطربانہ جرتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ جن کو دیکھو دیکھو کہ مندر طلحہ اور خولہ اپنے تئیں گاہ میں مقیمہ اڑاتے اور خوش ہوتے تھے۔

آخر سارا گروہ بنی ٹے چلا گیا۔ حیرہ کے سامنے کا میدان انسان سے خالی ہے۔ اور جدھر نظر جاتی ہے سناٹا پڑتا ہے۔ اس عام خوشی اور سناٹے کو بخوڑی ہی دہر ہوئی تھی کہ دھوپ زرد پڑ گئی۔ بالوکے تو سب جو خدا جانے کب سے سر اٹھائے اور آغوش شوق پھیلائے کھڑے تھے اپنی تئناؤں میں کامیاب ہوئے اس لیے کہ ذوق و شوق سے آفتاب کا سحر چوم رہے ہیں۔ اور آفتاب بھی کسی عاشق نواز معشوق کی طرح اُن کی گود میں جانے کو تیار ہے۔ بخوڑی دیر اور ہوئی۔ اور اب پہ پہلے سے اور زیادہ باغداد ہیں۔ سورج کو گود میں لیا اور اُسے دامن صحرائین چھپا رہے ہیں۔ یکایک عالم پر تاریکی کا پردہ پڑنا شروع ہوا۔ دنیائے اپنی تیرہ بجتی دیکھی۔ آتش پرستوں نے جو اس قرب و جوار میں آباد ہیں نہایت حضور قلب سے دعائیں پڑھ پڑھ کر عبادت کر کے نور کو رخصت کیا۔ دل میں غالت ہیں کہ ظلمت نور پر غالب آتی جاتی ہے۔ اور اہر میں یزدان کو مغلوب کر رہا ہے۔ قافلہ منزل کا بہت حصہ طے کر چکے اور خوش ہیں کہ رات کی ننگی بین نہایت آرام سے سفر کریں گے۔ اور صبح تک بہت دور نکل جائیں گے۔ اور اسی وجہ سے بہادر بدوی اپنی شرفاء کو کافی حاصل کرنے یا کمزور و ضعیف دولت مندوں سے اپنا حق بر جبر وصول کرنے کے لیے گھسے نکلا ہے۔ اور دھونڈھٹا پھرتا ہے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر صوب میں قافلہ گمارا تہی کو قطع منازل کرتے ہیں۔

عرب کے بہادر لوگ ہار اور دیکھی کو بہت شرفاء دہشتہ خیال کرتے تھے۔ اور کسی کو روٹ لینا اپنا دھبی

نظر آئے یا کوئی بد نصیب شخص قافلہ سے جدا ہوا تو نیزہ جھکا کے چھپٹ پڑے۔ گدھے اور عقاب جنھوں نے ون بھرے گورو کفن لاشیں نوبح نوح کے پتہ پر پہنچا تھا۔ ہر طرف سے سست سست کے چلے کہ قلعہ ہاس کوہ پر یا غارون میں بیٹھ کے رات بسر کریں۔ اور چرمخ اور بچہ اپنے بھٹوں سے نکلے کہ قدرت کے وسیع دسترخوان پر بیٹھ کے مردار خوار طریقہ کے جھوٹے سے اپنی جھوک کا علاج کریں۔

چند ساعت میں دنیا تیرہ و تار تھی اور آسمان پر تارے خوب چمکے ہوئے تھے۔ تاکہ بھوٹے پھٹے مسافران سے مشورہ کر کے منزل مقصد کی پتہ لگائیں۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہر طرف سے بلند ہیں۔ جن کے دویان میں کسی کسی وقت کسی وحشی دوندہ کی آواز بھی سنی جاتی ہے۔ یہ حالت دیکھ کے مندر نے کہا "اب تو دقت آگیا کہ ہم حیرہ میں داخل ہوں؟"

ظلم : ابھی جلدی نہ کیجیے۔

مندرز : پھر اب اس وقت تو سو اس کے کہ بیٹھ کے تارے گنیں اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔  
خولہ : مجھ سے تاروں کی خریدار باتیں نیں۔ اگر ساری رات سنا کیجیے تو بھی دل نہ بگڑے۔  
مندرز : یہی سہی۔ کسی بات میں دل گنا چاہیے۔

خولہ : ہئے۔ یہ برج فور کے پانچ تارے جن کا نام دبران ہے انھوں نے ثریا کے پاس نکاح کا پیام بھیجا۔ مگر چاند بیچ میں پھاند پڑا اور ثریا سے کہنے لگا کہ مجھ سے نکاح کر۔ و ثریا چاند سے راضی ہوئی۔ اور بولی میں اس محتاج شخص کے نکاح میں جا کے کیا کروں گی؟  
دبران کو اس کا بڑا اصرار ہوا۔ اور اپنے ناخن کاٹ کاٹ کے جمع کرنا شروع کیے تاکہ دولت مند بن جاے۔ اور اب مہر کے لیے وہی ناخن لیے لیے پھر تا ہے مگر ثریا ایک نہیں سنتی؟

مندرز : (ہنس کے) "یہ تو خوب بات بتائی؟"

خولہ : اور نیے جدی نے نفس تارے کو مار ڈالا تھا۔ اب اُس کی بیٹیاں جو نبات انفس کہلاتی ہیں۔ لاش کو کندھے پر اٹھائے ہلکے گاری میں اور چاہتی ہیں کہ جدی کے پاس جا کے بد کہیں مگر نہیں پہنچ سکتیں؟  
مندرز : خوب؟

خولہ یہ اور سیل نے جو خوبصورت عورت ہے جو زکوا ابک ایسی لات مادی کہ وہ  
گر بڑا اور جوان پڑا تھا آج تک وہیں پڑا ہے۔ مگر جو زانے بھی تلوار کا ایسا بھرپور  
ہاتھ مارا کہ سیل کی گرد و گلڑے بھونکی۔

طلحہؓ نے ایسا ہی ہاتھ آپ اریاس کی کر پر لگایے گا۔ اب تو مجھے چلنے میں کوئی  
مشاکل نہیں معلوم ہوتا۔ خولہ اٹھ۔ جو کچھ ساز و سامان ہے اسے لپیٹ اور پوٹ پر رکھ  
خولہ نے بے غدر اس ٹکڑی کی۔ اور ایک ٹھکے سے زیادہ رات نہیں گزرنے  
پائی تھی کہ مندر طلحہ اور خولہ نے ان تھان کے مشہور و معروف دار السلطنت میں  
داخل ہوئے۔ بھاگت میں داخل ہوتے وقت مندر نے اپنے گیارہ اور چالیس دوست  
کی طرف دیکھ کے کہا۔ یہ صرف تمہاری کوشش کا نتیجہ ہے جو ہم اتنی جلدی حیرہ کے اندر  
قدم رکھتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں شاہی قصر کی نہ جہیں عورتیں پہلو میں ہوں گی۔  
طلحہؓ میں سچ کہتا ہوں جس وقت میں نے اپنے گھر کو چھوڑا ہے دل میں نہایت ہی  
متر و بلکہ مایوس تھا۔ اس وقت میرے وہم میں بھی یہ بات نہیں گزری تھی کہ  
تمہاری بدولت میں اتنی جلدی کامیابی ہوگی۔

خولہؓ دیتا ہم پر مہربان ہیں۔

طلحہؓ اور خاتہ بیل۔ یہ اُسی کی عنایت ہے کہ ہمیں کامیابی کا اتنی جلدی موقع مل گیا۔  
مندرؓ اب میں کل ہند کو بھی بلاؤں گا۔ مگر افسوس وہ اپنا دین چھوڑ چکی ہوگی۔  
خولہؓ اب تو اطمینان و کامیابی کا وقت ہے۔ بنی کندہ کے تمام شہزادوں اور شاہزادیوں کو  
اپنی قومی اور خاندانی مقصد وری کو آنکھوں سے دیکھنا چاہیے۔ کیا اچھا ہوتا کہ سب  
شاہزادیاں اور شاہزادے حضور کے جشنِ سرت میں آکے شریک ہوتے۔ یہ کہہ کے  
خولہ نے رات کے اندھیرے ہی میں ایک خاص نگاہ سے طلحہ کی طرف دیکھا جس پر معنی  
نظر کا مطلب سمجھ کے طلحہ بولا۔ "بیشک۔ شاہزادی ہند تو آئیں ہی گی۔ میں تو  
کہتا ہوں کہ جس طرح بے شاہزادی حبیبہ کو بھی بلوایا۔"

مندرؓ (ایک ٹھنڈی سانس لے کے) "حبیبہ افسوس وہ اس قابل نہیں رہی کہ  
پھر اس محل میں قدم رکھے۔ پہلے جب میں نے سنا کہ وہ عارف اورج کے ہاتھ میں گرفتار  
عہ پر کھن کھن نہیں بلکہ وہ بائیں ہین جو جاہلیت میں اہل عرب کے عقائد میں داخل تھیں۔

ہو گئی تو دل میں نہایت پریشان ہوا تھا۔ مگر اب کتنا ہون کہ آزادی حاصل کرے کے بعد اس نے جو وضع اختیار کی ہے اس سے لاکھ درجہ اچھا تھا کہ حادث کے سامنے نوڈی بن کے جاتی۔ وہ اُسے بے آبرو کر کے اپنے عمل میں داخل کرتا۔ اور پھر جب اُس کا یہ عیب اور اس کی برصیت ظاہر ہوئی تو نہایت ہی ذلیل کر کے نکال دیتا۔

خولہؓ تو کیا آپ کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ حبیبہ کے پنڈے میں برص کا داغ ہے؟  
منذرؓ: اس میں کس شک ہو سکتا ہے؟ حادث احوال نے حبیبہ کو اپنے عقد نکاح میں لینے کی آرزو کی تھی۔ اور والدہ راضی ہو گئے تھے۔ مگر حبیبہ میں یہ غیب نکل آیا تو مجبوراً اپنا حبیب چھپانے کے لیے انھوں نے انکار کر دیا۔ حادث اصلی سبب کو نہ سمجھا اور اس شخص لڑائی اور سخت خیریزی کی نوبت آئی۔

طلحہؓ (مسکرا کر): حضورؐ کو اصلی حال نہیں معلوم۔  
اس جملہ پر منذرؓ کو اس قدر حیرت ہوئی کہ پہلے چلتے چلتے گھوڑا روک لیا۔ اور طلحہؓ کی طرف دیکھ کے بولا: مجھے نہیں معلوم ہے میرے ہی محل کا حال اور میں نہیں جانتا ہے؟

میں کیا سا۔ اس خبر حیرہ جانتا ہے۔  
طلحہؓ: بیشک حیرہ میں ایسا ہی مشہور ہے۔ مگر میں یہ عرض کرنا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ غلام اگرچہ ایک ذلیل شخص ہے۔ مگر آل کندہ کی ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو جانتا ہے۔ حضورؐ ہی غور فرمائیں کہ آخر حادث احوال کیوں برہم ہوا؟ وہ جانتا تھا کہ ایک بے بنیاد مفسر ہے اور عورتوں کے نعروں میں آکے نمانے اُسے اپنی بیٹی نہیں دی؟

منذرؓ: عورتوں کے نعروں میں آکے اہلک۔ والدہ نے حبیبہ کے پنڈے پر برص کا داغ خود اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

طلحہؓ: جی ہاں دیکھا تھا۔ مگر وہ اصل میں دانا نہ تھا۔ بلکہ مضویٰ اور بنایا ہوا دانا تھا۔ جب چند روز بعد غائب ہو گیا۔

منذرؓ: مری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر ایک زبردست بادشاہ کی بیوی بننے میں حبیبہ کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟

طلحہؓ: حضورؐ کو خبر نہیں۔ حبیبہ کئی برس سے زہیر عذری کے دام محبت میں گرفتار تھی۔ وادی الدیر میں جا جا کے اُس سے ملتی تھی۔ وہ دونوں میں عشق و محبت کے عہد



وہ بیان ہو گئے تھے۔ ایک شخص کو دل سے چلنے کے بعد اُسے ہرگز نہیں منظور تھا کہ بلقاہ کے محل میں جائے۔ اور اُس نگر سے مغزور کی بیوی بنے جو بنی الاصفہ کے ہاتھ اپنا دین ایمان بیچ چکا ہے۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ بادشاہ مجبور ہی کر رہے ہیں اور کوئی جارہ کار نہیں تو اپنی متنی اور چالاک مشاطہ کلثوم سے ترکیب سیکھ کے کلانی پر برص کسا ایک سفید وجبہ بنالیا۔ جسے دیکھ کے بادشاہ کو مجبور اعسان کی سفارت واپس کرنی پڑی۔

منذر نے تم یہ سچ کہتے ہو؟

طلح نے بالکل سچ اور برابر فرق نہیں۔

اس جواب پر منذر دیر تک سناتے ہیں۔ رہا۔ پھر گھوڑا آگے بڑھایا۔

اور نہایت برہمی کے لہجے میں بولا "افسوس اس نالائق اور بد چلن لڑکے نے خود اپنے باپ کو دھوکا دیا اور ایسا دھوکا جس کے نیچے میں باپ جو اتنا بڑا زبردست بادشاہ تھا دشمنوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور قوی اقبال اور خاندانی سلطنت خطرناک حالت میں ہیں اخیر تو اب تخت نشینی کے بعد میرا یہ بھی فرض ہو گا کہ حبیبہ کو اُس کی فتنہ پر رازی و آوارگی پر سزا دوں۔"

خولہ نے "اُن کو کیا سزا دیگے گا۔ سزا دیگے اُس بد معاش شخص کو جس نے اُسے خراب کیا؟"

منذر نے وہ تو اپنے اعمال کی سزا پاس ہی گا۔ مگر حبیبہ بھی اب میرے بیچ انتقام سے

نہ بچے گی۔ سب سے بڑی مجرم وہی ہے۔"

خولہ نے خدا جانتے اب وہ ہیں کمان؟

منذر نے تجھے تو بالکل خبر نہیں۔ اور نہ اتنی فرصت ملی کہ اُس کی جستجو کرتا۔ اُس کا کام

تھا کہ حوث کو کمرے کے گرد پھینچے جوتی۔ اور دوشیزگی کی سادگی اُس کے چہرہ کا زیور ہوتی

وہ تہہ بجا رہی فسان کا دار السلطنت تھا۔

وہ نگر سے سزاوارتہ اوج ہے۔ اس لیے کہ وہ نگر تھا۔ حبیبہ کو اُس کے لقب "اعوج" سے ظاہر ہوتا ہے۔

عرب لوگ مدینہ کو بنی الاصفہ کہتے تھے۔ خواہ اُن کے رنگ کو قباہی۔ یا ارموہ کی جو مدینہ مقدسہ بنی تھا اور نہ تو تھا

سے خون ایک تہ کی زار با ساری ہوتی تھی۔ جو جمال باجر سے کی بنائی جاتی۔ اس میں چمڑے کی سمیٹیں ایک بال

بنائی جاتی اور وہ بجا کر کر کے کر لپی رہتی۔ یہ لباس خاص کنواری عورتوں کا تھا۔ اور وہ خیر کی علامت سمجھا جاتا

گرافسوس اس نے عفت و عصمت کو ذلیل شخص کے ہاتھ اور بہت سستا بیچ ڈالا۔  
 طلحہ چند روز ہوئے وادی الدیر میں تھی۔ مگر اب سنا جو نر بہر اسے کہیں اور لے گیا  
 یہاں تک گھٹو ہوئی تھی کہ قصر شاہی قریب آگیا۔ اور لوگ مندر کو پہچان کے  
 چاروں طرف سے دوڑے۔ شہر میں اس وقت غیر معمولی خوشیاں تھیں۔ اس لیے کہ  
 ایاس کے چلے جانے سے لوگوں کو جان و مال کا اطمینان ہو گیا تھا۔ اور کئی دن کے بعد  
 آج اتنا موقع حاصل ہوا تھا کہ ایک دوسرے سے ملین۔ باہمی صحبت کا لطف اٹھائیں  
 دوستوں سے بھلگے اور مشوقوں سے ہلکا رہوں۔ شراب کے جام پیئیں۔ اور خوشیاں منائیں  
 مندر کے پہنچتے ہی ایک آن کی آن میں تمام لوگوں کو خبر ہو گئی۔ خوشیاں بڑھ گئیں۔  
 اور دم بھر میں عجیب چل ہل کا سامان نظر آنے لگا۔

عمل میں قدم رکھتے ہی مندر نے طلحہ اور خولہ کو اپنے قصر کے تعلق ایک نفیس مکان میں  
 ٹھہرایا۔ ایک آدمی کو بھیجا کہ زید بن عدی کو جس حال میں ہو ساتھ لے آئے۔ اور خود  
 حرم سرا میں چلا گیا کہ عورتوں کو تسلی دے۔ اور اپنی دلربا ناز آفرینوں کی زیارت کرے  
 مندر کے جانے کے بعد طلحہ اور خولہ نے اپنے رہنے کا مکان دیکھا۔ شاہی ساز و سامان  
 دیکھ کے اپنی خوش قسمتی پر مسرور ہو رہے تھے کہ زید بن عدی آگے بھلگے ہو آئے۔ اور ایاس  
 بن قبیصہ کے حالات بیان کرنے لگا۔ طلحہ نے دیر تک اس کی باتیں سن گے کہ ”خیر  
 بیان تو یہ ہوا اب میری سرگزشت سنئے“ اس طرح زید کو متوجہ کر کے اس نے اپنی تمام  
 کرشمہ سازیاں بیان پائی کیں۔ ایاس بن قبیصہ کو دھوکا دینے کا واقعہ ظاہر کیا اور کہا میں نے  
 اسے ہر طرح خزانہ بنائے اس کے وطن بھیجا۔ ان باتوں کو سنی کے زید ہنسنے میں  
 آگیا۔ اور دیر تک سناتے میں رہنے کے بعد بولا ”واقعی خدا نے آپ کو خاص شہر کی  
 عقل و فراست دی ہے۔ عامر بن طرب بھی ہوتا تو اٹائی میں آپ کا مقابلہ کر سکتا۔  
 اور عصام بن شہیر کی تو آپ کے آگے کچھ ہستی ہی نہیں۔“

عہ خزانہ میں عذر میں ایک شخص تھا کہ عہد ہائے دراز تک اختہ میں رہ کر وہ لوہے کا  
 اور لوگوں کی ایسی عجیب غریب باتیں کہتا کہ جو سننے والے اٹھتا۔ اور کہتا اس کی تعریفانی شہور رہ گئی۔  
 آزدی میں خزانہ کے کا مجھاد رہے تھے بزرگ کی یادگار معلوم ہوتا ہے۔

عصام بن طرب جاہلیت عرب کا حکم اور مسلم اہل سنت و فرائض کا شہر تھا اور عصام بن شہیر  
 میں مندر کا صاحب تھا۔ اور عقل و فراست اس قدر مشہور تھا کہ تمام قبائل عرب اس کا لوہا ماننے لگے تھے۔

طلحہؓ: یہ آپ کی قدر دانی ہے۔ مگر یہ سب باتیں آپ کے اغراض کی تہدہ ہیں مجھے دراصل آپ کے حقوق ادا کرنا ہیں۔

زیدؓ: اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ سب کام نہایت لیاقت سے پورے کر لے جائیں گے۔

طلحہؓ: مگر آپ کی مستعدی شرط ہے۔

زیدؓ: میں نے کسی بات میں عذر کیا تھا جو آپ ایسا فرماتے ہیں؟

طلحہؓ: میرا مطلب یہ ہے کہ اب ایران کے سفر کا سامان کیجیے۔

زیدؓ: ایران! آپ کیسے تو میں توران چلا چلاؤں۔ اب مجھے آپ کے کسی حکم کے بجا لانے میں تامل نہ ہو گا۔

طلحہؓ: خیر۔ اب ان اخلاق و محبت کی باتوں کو رہنے دیکھیے۔ اور جو تباؤں اُس کے مطاع بن کیجیے۔

زیدؓ: میں حاضر ہوں۔ ارشاد۔

طلحہؓ: تھوڑی دیر میں بادشاہ مندر آتے ہوں گے۔ اور یقیناً آپ کی صورت دیکھتے ہی سفر شام کا حکم دیں گے۔ آپ فوراً آمادہ ہو جائیے۔ اور مجھے ساتھ لے جاتے پھر اصرار کیجیے انھیں میرے پیچھے میں کسی قدر تامل ہے۔ اور میں بھی ظاہر داری کے لیے ہمارا کردن گالین آپ ایک زمانے گا۔

زیدؓ: میں بھلا کیوں کر مان سکتا ہوں؟ بغیر آپ کے میرا جانا بیکار ہو گا۔

یہ مشورہ پورے رہا تھا کہ مندر آ گیا۔ زید سے بہ اخلاق اور نہایت لطف کے ساتھ۔

ملا۔ مزاج بُری کی۔ شہر کے حالات پوچھے۔ اور دریافت کیا کہ ایاس نے شہر میں کیا

کیا باتیں کیں؟ کس کس سے ملا؟ کس سے خوش تھا۔ اور کس سے ناراض کیا۔

اور جب ان تمام سوالوں کا کافی اور قابل اطمینان جواب سن لیا۔ تو بولا: زید! سب

تھیں سفر کا سامان کرنا چاہیے۔ ایاس مگن ہے کہ وطن جاتے ہی پلٹ پڑے۔ اور

پھر ہنگامہ بپا ہو جائے۔ بہت جلد میرے لیے دوبارہ ساسانی سے منظور ی ملے۔ آؤ۔ تاکہ

میں ادھر سے اطمینان کر کے قبائل عرب کے موافق بنانے کی کوشش کروں۔ اور چند

روز بعد قوت حاصل کر کے حادثہ اوج سے انتقام لوں۔

زیدؓ: (سننے پر ہاتھ دے) میں حاضر ہوں۔ مگر طلحہ کو بھی حکم ہو جائے کہ میرے ساتھ چلیں۔

منذرؓ ان کو تو میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ ان کے ساتھ باتدبیر مشیر کا میں ہر وقت محتاج ہوں۔“

طلحؓ: میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ حضور کے قدموں سے جدا نہ ہوں۔“  
 زیدؓ: نہیں طلحؓ۔ تمہارے بغیر میں نہ جاؤں گا۔ اکیلا میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔  
 منذرؓ: زید اگر ان کو چھوڑ جاتے تو مجھ پر احسان کرتے۔“

زیدؓ: میں حضور ہی کی خیر خواہی خیال کر کے انھیں وہاں لیے جاتا ہوں۔“  
 طلحؓ: میں ایک سادہ مزاج بدوی ہوں۔ وہاں جا کے کیا بنالوں گا؟ سننا ہوں  
 دربار ساسانی میں بڑے بڑے لائق لوگ جمع ہیں۔ پھر بھلا ان کے سامنے میں  
 کیا فروغ پاسکوں گا؟“

زیدؓ: طلحؓ اگر کوئی فروغ پاسکتا ہے تو وہ تم ہو۔ اور مجھ سے تو وہاں کچھ بنا سکتے  
 نہ بنے گی۔ اور کوئی عیب تم میں تمہا بھی تو تم ذات سے بنی طے کے ہاتھ فروخت کر ڈالو۔  
 جس طرح کہ ایاموی زندہ دل نے اپنی قوم کا ایک شرمناک عیب قبیلہ عبد القیس کے  
 رئیس عبد اللہ بن بیدرہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔“

اس پر منذرؓ نے زور سے تمہتہ لگا یا اور سب لوگ بھی ہنسنے لگے۔ اور جب منی کا  
 زور کم ہوا تو منذرؓ نے طلحؓ کی طرف دیکھ کے کہا: طلحؓ۔ اب ان کو اس قدر اصرار ہے تو  
 تمہیں ضرور منظور کرنا چاہیے۔ اور واقعی بغیر تمہارے کئے کچھ بھی اطمینان نہ ہوگا۔  
 طلحؓ: اگر حضور کا حکم ہے تو کچھ کیا عذر ہو سکتا ہے؟ حاضر ہوں۔“

زیدؓ: صرف کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔ سامان کیجیے۔ میں پر سون روانہ ہو جاؤں گا۔  
 طلحؓ: سچے صحت بادشاہ کے خیال سے انکار تھا۔ اور جب خود حضور ہی نے حکم دے  
 دیا تو پھر کچھ کسی بات کا انتظار نہیں۔ یہاں کیا رکھا ہے جس کے لیے تردد ہو گا پس  
 ایک چاروی خولہ سے اس کا ہاتھ پکڑ کے محل پر بٹھایا اور محل کھڑا ہوا۔“

عہ یہ واقعہ بھی جاہلیت کی عجیب باتوں میں سے ہے۔ اور ہوا یہ کہ قبیلہ ایاد کو لوگ ساری عرب میں دھرم  
 سمجھے جاتے تھے۔ اور اس پر تمیز ہی کی بنیاد یہ تھی کہ عام لوگوں کو سامنے بے تکلف اخراج راج کرتے  
 اتفاقاً ایک ایادی شخص نے بازار عکا نامی مقام قبائل کے درمیان کھڑے ہو کر کہا: ہمارے اس شعی عیب کو کوئی  
 مول لیتا ہو جو کوئی لے کر اپنی بدوئیوں کو دے گا۔“ قبیلہ عبد القیس کا ایک شخص عبد اللہ نام جمع  
 سے نکلا۔ اور کہا میں مل لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ بیج و شری ہو گیا۔ ایادی شخص نے اپنی قوم کو مبارکبادی کہ تمہارا یہ

نہیں آیتہا قبیلہ عبد القیس کی بدوئیوں کو مبارکبادی کہ تمہارا یہ

منذر۔ (ہنس کے) "یہ تمہاری خوبصورتی اور عصمت شعار جڑا وہ بھی ساتھ جائیں گی" طلحہ "بغیر خولہ کے تو میں کوئی کام ہی نہیں کر سکتا۔ یہ میری رفیق سفر خطیہ دلربا اور پرانی سونگس ونگسار ہے"

منذر۔ بیشک۔ بیشک۔ میں خوش کہ تمہیں امراءہ صلقہ سے سابقہ نہیں پڑا۔  
خولہ۔ (خوش ہو کے) حضور۔ میں اپنے عقلمند و ہوشیار شوہر کی لونڈی ہوں۔ اور اسی وجہ سے وہ مجھے عزیز رکھتے ہیں۔

طلحہ۔ خولہ۔ اور تم اہنام مکہ کی قسم تو لونڈی نہیں بلکہ میری جان کی مالک ہے۔  
منذر۔ ہر قسم دو لونڈی کی باہمی محبت پر میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ زید۔ بس تم پرسون رو انجی کا سامان کرو۔ گھوڑے اور جو سامان سفر چاہیے جو مجھ سے لو۔  
زید۔ حضور کے اقبال سے سب سامان موجود ہے۔ ہاں چند گھوڑے البتہ چاہیے۔ تاکہ ہم لوگ مدائن تک جلد پہنچ جائیں۔

منذر۔ مدائن نہیں دستگرد کو جہان کسری پر وزیر ہمارا زیادہ پسند کرتا ہے۔  
بہر تقدیر میں کل اپنے خاصہ کے چار صبار فٹار گھوڑے بھیج دوں گا۔ اور تم بغیر کسی اور بات کا انتظار کیے چل کھڑے ہونا۔

طلحہ۔ مگر اتنے عمدہ اور ایسے اعلیٰ درجہ کے گھوڑے نہ ملے جیلے کہ بدویوں کو لالچ معلوم ہو۔ اور دو ہی تین نزلوں میں ربيع کے بھائی کیش کے گھوڑے کی طرح ہمارے گھوڑے بھی اونٹ بن جائیں۔ اس پر سب نے قہقہہ لگایا۔ اور زید نے کہا "نہیں میں اہتیاہ سے لے جاؤں گا۔ اور پرسون سے زیادہ تاخیر نہ ہوگی۔"

منذر۔ بہترین دعا کرتا رہوں گا کہ تم اپنی غرض میں کامیاب ہو۔  
طلحہ۔ بیشک۔ حضور آپ کی دعا کو بڑا دخل ہے۔ ہماری دایسی تک یہی دعا مانگتے رہے۔

خطیہ اُس نہ جاکو کہتے ہیں جو شوہر کی تہی اور اُس کے لیے مرایہ ایشاٹ ہو۔ اور اس کے خلاف ہر صورت شوہر کے لیے بے لطفی اور ترداد کی باعث جو صلفہ کہلاتی ہے۔

عسہ ربيع کے بھائی کیش کی یہ عافت عام طور پر مشہور تھی کہ کسی نزل میں وہ سویا۔ چورا پنا اونٹ چھوڑ گئے اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے نہایت ہوسے۔ اُس نے صبح کو جب گھوڑا غائب اور اونٹ موجود پایا تو سمجھا کہ گھوڑا اونٹ بھاگ گیا۔ اور اُسے یقین دہانہ کے ساتھ ایک ایک گھاسا پیلا کرنا۔

کہ ہم لوگ وہاں جا کے کامیاب ہوں۔ اور بامر او واپس آئیں۔ اب منذر پھر کچھ کہنے کو تھا کہ اُس کی ایک نازنین حرم چم چم کرتی اور اپنے حسن و جمال پر اترا تھی ہوئی آئی۔ اُس کے گلے میں باہین ڈال دیں۔ اور کہا۔ بس استورہ ہو چکا۔ اب محل میں چلیے۔ رات زیادہ آہی چلی تھی منذر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سب سے رخصت ہو کے محل میں گیا۔ پھر نہ دینے اپنے گھر کی راہ لی۔ اور طلحہ داخل کھانے سے فراغت کر کے ابوجہم و زہرا کے پاس پہنچا۔

## انیسواں باب

در اثنی عشر و مشکو

اس مشکو کے چوتھے دن آفتاب سمت الراس سے گزرنے کے مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ اور دن کا ایک ثلث حصہ باقی تھا کہ زید بن عدی۔ طلحہ بن خزہ کلبی۔ اور خولہ بنت عمر تغلبہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ منذر بن صفوان سے رخصت ہو رہے تھے۔ اُن کے ساتھ کے دو تیار کھڑے تھے۔ اور خدام سامان سفر درست کر رہے تھے۔ اتنے میں سامئیس بن نہایت عمدہ گھوڑے لائے۔ انھیں دیکھتے ہی ہمارے فتنہ جو مسافروں نے بادشاہ کو آخری الوداع کہی۔ اور سوار ہوتے ہی باگ اٹھا دی۔ چند ساعت میں شہر حیرہ کی چار دیواری سے باہر نکلے اور شمال کی طرف منزلین قطع کرنا شروع کر دیں۔ زید بن عدی کے چند خدام چار پانچ اونٹوں پر سامان ضروری لاوا کے ایک دن بیشتر سے روانہ ہو چکے تھے۔ اور دس سو اردن کا ایک مختصر دستہ حفاظت کے لیے خندان کے ہمراہ تھا۔

ایک ہفتہ میں یہ لوگ دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ جہاں پُرانی وضع کی کشتیوں پر بیٹھ کے پار اُترے۔ اور دجلہ کے کنارے ہی کنارے روانہ ہوئے۔ آخر میں چار روزہ کی راہ نورومی نے شہر مدائن میں پہنچا دیا۔ جہاں کی رونق۔ چہل پہل لوگوں کی وضع و حالت۔ فلسطینی اور اخلاق وغیرہ نے ان سادہ مزاج اہلس باوہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ اہل حیرہ ایرانی اوضاع و احوال سے بہت کچھ آشنا تھے۔ اور زید تو فارسی زبان میں بھی بے تکلفی سے گفتگو کرتا تھا۔ لیکن اُس نے زندگی بھر ملکیت عجم کی کبھی صورت نہیں دیکھی تھی۔ اب یہاں آئے جو ایرانیوں کی مہذب صورتیں۔ بانگی ترجمہی وضعیں۔ دولت مندی کے گوشہ۔ اور معاشرت کے تکلفات دیکھے۔ اور پھر ایشیان و سہرہ فلک عمارتوں

کی شرکت و محنت پر نظر ڈالی۔ شاہی مصلحت و خسرو می بدیدے کو معائنہ کیا تو انہا سے زیادہ گہرا اٹھا۔

ملائک میں پہنچ کے ان نوادرو عربی مسافروں کو معلوم ہوا کہ دار اسے ایران اپنے نئے دار السلطنت و سلطنت میں ہے۔ اور رومیوں کے مقابلے میں دولت عم کو جو عظیم ایشان فتح حاصل ہوئی ہے۔ اور ایرانی سپہ گروں نے وادی فرات کے کنارے سے بحر روم کے سواصل تک جو فتح و نصرت کے پھر برس اڑا دیے ہیں۔ اس کی خوشی کے جشن میں مشغول ہے۔ اس وجہ سے ان دنوں ایران میں ہر جگہ خوشی کے چھپے تھے فارسیوں کی عشرت پرستی اگرچہ قدیم سے مشہور تھی مگر اس زمانے میں ان کا جو نش و طرب اور بھی زیادہ جوش و خروش پر تھا۔ اس لیے کہ شاہی اقبال کے عروج اور قومی فتح مندی کی خوشی کو ہر شہر بلکہ ہر کانوں بڑی سرگرمی کے ساتھ اور نہایت ہی مسرت و شادمانی کی شان سے ظاہر کر رہا تھا۔ شراب بھی کی پیلیں رکھی گئی تھیں۔ سرگرمیوں اور عام شاہراہوں پر ناچ ہو رہے تھے جس گھر کو دیکھیں اُس سے نغمہ دہرود کی آواز میں بلند تھیں۔

یہ لطف و مسرت کے جلسہ ایسے نہ تھے کہ کوئی شخص چاہے کسی ہی ضرورت سے اس قدیم بھی باسے تخت میں داخل ہوتا تو بغیر دو چار روز سیر کیے چلا جاتا ہمارے عربی و ترکش نے بھی انھیں دلچسپیوں کا لطف دیکھنے کے لیے ایک بڑی کاروان سرا میں قیام کیا جان کر کی سودا گروں کا ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ سودا گروں کا ریختی کپڑا ایران میں بیچ کے آگے بڑھے تھے۔ اور اب روم کے بازاروں میں فروخت کرنے کو لیے جاتے تھے۔ خولہ ایک بدویہ عورت تھی۔ ایسی مہذب و ستمدن آبادی کو کبھی اُس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ بار بار حیرت میں آتی۔ اور طمع و زید اُس کے حیرت انگیز سوالوں کا جواب دیتے دیتے تھکے جاتے تھے۔

کاروان سرا میں فروکش ہو کے اور تھوڑی دیر میں سوانح ضروری سے فراغت کر کے اور ذرا استراحت کے اطمینان سے بیٹھے تھے کہ خولہ بولی ”ہم لوگ خوب موقع پر آئے کسی اور زمانے میں آتے تو یہ لطف نہ دیکھنے میں آتا۔“

زید ”یشک میں بھی اس امر میں اپنے کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں۔“

طلحہ: پہلی خوش نصیبی تو اس وقت ہے جب ہم کسری کے دربار میں پہنچنے کے کامیاب اور سرخوردہ ہوں  
 خواہ کہ اگر ہمارے دیوتا ہیل نے مدد کی تو دستگرد میں پہنچتے ہی کامیاب ہیں۔  
 اس گفتگو کے بعد طلحہ کچھ دیر تو خاموش رہا۔ پھر اپنی تجسس اور حیل جو آنکھیں اٹھا کے  
 لڑ لڑ کر آئے کچھ اس امر میں بھی غور کیا کہ اس عالیشان دار السلطنت میں داخل ہونے  
 کے بعد ہم کیا کارروائی کریں گے؟

خولہ: ہاں سنتی ہوں کسری کے دربار میں پہنچنا اور شکل بات ہے۔  
 زید: (ایک لاپرواہی کے ساتھ) "ہمارے لیے کوئی شکل نہیں۔ دستگرد کی شہرناہ  
 میں داخل ہوتے ہی وزیر اسے سلطنت کو اطلاع ہو جائے گی کہ حیرہ کے سفیر آئے ہیں  
 وہ خسر پورینے جاکے عرض کریں گے۔ اور شہنشاہ سنتے ہی ہمیں آستان بوسی کا موقع دے گا  
 طلحہ: اس وقت تک ایک سوچ میں تھا۔ اب فوراً سر اٹھا کے بولا "آپ کا خیال لور  
 طرف گیا۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ وہاں باریابی کس ذریعہ سے حاصل ہوگی۔ میرا مطلب  
 تو یہ ہے کہ وہاں پہنچنے کے ہم کیا کارروائی کریں گے؟"

زید: اس کا مناسب جواب دینا تو آپ ہی کا کام ہے۔  
 طلحہ: (دوتا مل کے بعد) "میری رائے تو یہ ہے کہ اب خولہ کو ساتھ لے کے روانہ ہوں  
 پھر اکیلے سفیر کے دربار میں جاؤں۔ اور خولہ کو بھی اس کی صحبت میں پہنچائیں۔  
 دوسری طرف میں بھی کوشش کروں گا کہ دارا سے ایران سے ملوں۔ مگر کسی اور وضع و  
 حالت میں۔ لیکن ہاں آپ کو یہ البتہ کرنا ہو گا کہ بادشاہ کو کسی قدر میرا مشاق بنائے  
 یا کم از کم میرا نام اس کے گوش گزار کر دیجیے۔"

زید: اس میں کیا مصلحت ہے؟  
 طلحہ: وہ مصلحت وہاں چل کے معلوم ہوگی۔  
 زید: مگر میں فارس کے اخلاق و عادات سے بہت کم واقف ہوں۔ والد مرحوم کی کوشش  
 نے فارسی زبان تو البتہ سکھا دی مگر شائستہ اور مہذب لوگوں میں عجے اٹھنے بیٹھنے کا  
 باطل اتفاق نہیں ہوا۔ پڑتا ہوں کہ مجھ سے کوئی بات خلاف ادب صادر ہو اور قتل کر دیا جائے  
 طلحہ: اگر نہایت کچھ کرنا ہے تو دل مضبوط رکھو۔ تم دولت حیرہ کا ساز و سامان دیکھ بھی  
 چکے ہو۔ خولہ بالکل ایک مادی اور بدویہ عورت ہے مگر دیکھنا تاہذا ایران



کے سامنے وہ کیسی شایستگی کی باتیں کرتی ہے ؟  
خولہ یہ سب آپ کی تعلیم و صحبت کی برکت ہے ۔

اس قرار داد کے بعد ان اوالعزم سیاحوں نے سامان سفر باندھا ۔ اونٹ لادے ۔ گھوڑے کئے ۔ اپنے سپاہیوں کو ساتھ لیا ۔ اور دستگرد کی طرف چل کھڑے ہوئے ۔ اور چند روز کی باد یہ پہاڑی کے بعد سرور پر دیز کے خاص اور محسب پایہ تخت کے قریب تھے ۔ یہاں کچھ ایسا ساز و سامان نظر آیا کہ ہمارے نوادرو عربی سفروں کو حیرت ہو گئی ۔ دستگرد کے باہر کئی کس تک ایرانی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں ۔ ہر طرف اور قدم قدم پر بڑے بڑے ہندو آرماء پہلوان آباد از رہیں پئے سرے پانوں تک لوہے میں جکڑے اور ہتھیار لگائے ہوئے ٹپٹے نظر آتے تھے ۔ جن فوجوں نے رومی لشکروں کو شکست دی تھیں اپنی فتح کی خوشیاں منا رہی تھیں ۔ ہر گروہ اور ہر حلقہ میں عیسائی اور یہودی غلام تقسیم ہو رہے تھے ۔ شام اور البجیرہ کی دولت ثبوت پرستیوں اور مہکشی کی صحبتوں میں آ رہی تھی ۔ خانان برباد اور ستم زدہ عورتیں اور لڑکیاں جو پامال شدہ ممالک سے لوٹ لوٹ کے لائی گئی تھیں کمین عجمی سپاہیوں درمیان میں سر جھکائے کھڑی تھیں ۔ اور کمین زنجیر دن میں جکڑی ہوئی بھی تھیں ۔ بعض مقامات پر لوگ فنون ہنگری کی مشق کرتے نظر آتے ۔ شیر زنی ۔ نیزہ بازی ۔ اور گرنا بڑے حربوں کی مشق ہو رہی تھی ۔

یہ سامان ہر وضع اور ہر طریقہ سے ایرانی عظمت و سطوت کا ہیبت ناک اثر دلون پر ڈالتا تھا ۔ اور دیکھنے والوں کے مرعوب کرنے کے لیے کافی تھا ۔ ہمارے عربی سیاح اگرچہ اُس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو جرات و ہنگری میں اپنے سامنے کسی کی کچھ نہیں نہیں سمجھتی تھی ۔ مگر اس وقت یہاں کا یہ رنگ اور یہ حالت دیکھ کے اُن کے دل میں بھی ہولت و جحش و شہوت و حشمت نقش ہو گئی تھی ۔

آخر یہی تا شاد کہتے ہوئے یہ لوگ شہر دستگرد میں داخل ہوئے ۔ طلح نے کئی میل باہری سے ساتھ چھوڑ دیا تھا ۔ صرغ زید و خولہ اپنے ہر اہی سواروں اور جلوس و جلوہ والوں کو ساتھ لے ہوئے شاہی صحر کے قریب پہنچے ۔ اور معزز اراکین دولت سامان کو خبر کی ۔ فوراً تمام حلقوں میں مشور ہو گیا کہ دالی حیرہ کے وکلا آستان بوسی کو حاضر

ہوئے ہیں۔ اور لوگ چاروں طرف سے آ کے ان خوبی اہل صحرا کی صورتیں دیکھنے لگے۔ جنہیں اپنے خیال میں بالکل وحشی و غیر تمدن سمجھتے تھے۔ چند ساعت میں انہیں خاص شاہی مہمان ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ قصر شاہی کے قریب ایک خوبصورت عالی شان عمارت ٹھہرنے کو ملی۔ اور دونوں وقت خاص حضور می باورچی خانے سے طرح طرح کی نعمتوں کے خوان زرین کمر اور تاج پوش غلام اور سپین بدن و گل اندام نندیاں لانے لگیں۔

جس مکان میں ٹھہرا گئے تھے اُس میں پہنچ کے ان لوگوں نے ابھی ٹھوڑی ہی دیر قیام کیا ہوگا۔ اور بخوبی ٹھکن بھی دور نہیں ہونے پائی ہوگی کہ فرخ زاد نام ایک میزبانی عمدہ و آراستہ عین کی خدمت پر نامور تھا ان سے آ کے ملا اور وارث تخت ساسانی کی طرف سے خیریت و غیرہ دریافت کرنے کے بعد بولا۔

”آپ لوگوں کو ابھی چھ مہینہ انتظار کرنا ہوگا۔“

خو لہ۔ (چونک کے) ”چھ مہینے؟“

فرخ زاد۔ ”بلکہ اس سے بھی کسی قدر زیادہ۔ اس لیے کہ شہنشاہ پرویز اسی مہینے شکار کو جانے والے ہیں۔ کئی ماہ پیشتر سے کوہ قاف کے دامون میں نہایت بڑے شکار شکار گاہ آراستہ ہوئی ہے۔ جہاں وارث تاج ساسانی ایک بڑا بھاری جشن مرتب فرمائیں گے۔ غالباً شیریں کی سیلیان و اہل پوری شان و شوکت سے غیر مقدم اور کمرین کی۔ اول تو وہ مقام ہی ایسا دلچسپ و فرحت بخش واقع ہوا ہے کہ عنان توجہ جب اوجر مشغول ہوتی ہے مہینوں واپسی کی نوبت نہیں آتی۔ اور مدت کے لیے وہیں قیام ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ گرجستان و خلق کی جاودہ نگہوں کا دس بارہ ہزار کا غول جب بادشاہ کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ بادہ گلغام کے دور چلنے لگتے ہیں اور مشکوے ہایوں کی خانوئیں پر ہی جمال و درباہیں وہ سائنات و طرب فراہم کر دیتی ہیں کہ شاہ کی گلاہ کو کیسے ہی انکار و تردیدات ہوں۔ فراموش ہو جاتا ہے۔ اور اس مرتبہ تو عسکر دولت ساسان نے دومی دیونانی بہادر و ن کو فاشی شکست دی ہے۔ تمام ملک میں امن و امان ہے۔ ایرانی پہلوان قسطنطنیہ کے قریب جا پہنچے ہیں۔ ہمارے خزانہ گیتی شان کو ایک مدت مدد کی شغوفیت سے

قاریغ البالی نصیب ہوئی ہے۔ اگر پورا سال اسی جشن طرب میں صرف کر دین تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نزدید: تو آپ چھ مہینہ کیون فرماتے ہیں؟ یہ کہیے کہ برس بھر میں بھی باریابی و آستان بوسی کی عزت حاصل ہو جائے تو کیجیے کہ جلدی ہوئی؟

فرخ زراو: بظن غاب خمر دگیتی افزہ چھ مہینہ کی مدت ختم ہونے سے پیشتر ہی اپنے لئے خوبصورت پائے تخت و شکر دین واپس آجائیں گے۔

نزدید: کیون؟

فرخ زراو: اس لیے کہ قیصر دوم ہر قلعہ کے سیر بھی بیان پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس شکستہ حال معزور کی عاجزانہ درخواست کا جواب پانے کے منتظر ہیں۔ ان سے

جان پناہ نے جشن نوروز کی صبح کو جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جسے چھ مہینہ باقی ہیں۔ اسی زمانے میں جب خمر دہر مز و شید قیصر کی سفارت کا جواب دین گئے آپ کو

بھی باریابی کی عزت حاصل ہو جائے گی۔ مگر اس سے پیشتر آستان بوسی غیر ممکن ہے۔

خولہ: دشنا و آرزو کے لیے میں، کاش میں بھی اس شاہی جشن اور کر جستان کی

شکار گاہ کو دیکھتی۔

فرخ زراو: یہ غیر ممکن ہے۔ مشکوک ہمالیوں کے قریب پرندہ پر نہیں مار سکتا۔

خولہ: کوہ قاف کی گھاٹیوں میں جب ہر لون یا جنگلی بکریوں کے پیچھے اور گورخ کے

تغائب میں وہ نازک بدن اور خوبصورت عورتیں گھوڑے ڈالتی ہوئی تو عجیب عالم

نظر آتا ہوگا۔

نزدید: بس یہ معلوم ہوتا ہو گا کہ ان صحرائی ہر لون کے پیچھے بھی چند چالاک و آزاد

ہر نمان ہیں۔ اور عجب دلبری و رعنائی کی شان سے چوکڑیاں بھر رہی ہیں۔

فرخ زراو: آپ کی یہ بدویانہ تشبہیں تجھے نہیں پسند۔ ان وحشی ہر نیون میں کیا

لطفت ہے جن کی نیگیٹوں کو اہل عرب معشوق کے رخسار کا تل بتاتے ہیں ہایون

کہو کہ جب وہ جادو نگاہ مدوشین گھوڑوں پر سوار۔ منہ پر غارہ گلگون لگائے

زلفوں کو شانوں پر بکھراے۔ تیرد کمان ہاتھ میں لیے۔ اور بادہ جمشیدی سے

عہ ہرز و شید یعنی سایہ خدا ظل اللہ۔

سست ہو کے صحرا سے ارمین میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تو معلوم ہوتا ہو گا کہ آسمان ز اپنے روشن تار سے زمین پر بکھرا دیے ہیں۔ خسرو بد دین کے جشن۔ اُس کی دُشپی کی صحبتیں اور ہزارا پر ہی جمال غلاموں کا حاضر ہونا جو خسرو پرستی کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں ایسی چیزیں ہیں جن پر تمام شاہانِ ارض کو حسد ہے۔ زید و بیشک۔ ہمارے جہان پناہ صاحبِ وہیم و تخت ساری دنیا کے بادشاہوں کے اعلیٰ و افضل ہیں۔

خولہ۔ میری بڑی تنہائی ہے کہ ایسے زبردست بادشاہ کے دربار کا سامان دیکھوں زید۔ گجرات بنیں۔ بہان تک پہنچی ہو تو یہ عزت بھی کبھی حاصل ہو جائے گی۔ فرخ زاد کی طرف دیکھ کے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم سے ذلیل و ادنیٰ لوگ بھی شاہنشاہ کے برابر رکاب ہوں؟ اور خسرو پرستی کرتے ہوئے ارضِ ارمین تک جاؤں؟ فرخ زاد۔ جب تک دربارِ خسرو سے مستقل تعلق نہ ہو اس وقت تک موت نہیں چاہی ہوگی۔ خولہ۔ (زید کی طرف دیکھ کے) اب میں اپنے صحرائی وطن میں واپس جانے کی کون ضرورت ہے۔ او۔ باقی ماندہ زندگی اسی ساسانی دربار میں صرف کر دین اور جب تک زندہ ہیں خسرو پرستی اپنا شعار رکھیں۔ زید۔ میری بھی یہی آرزو ہے۔

فرخ زاد۔ وارثِ وہیم خسرو بڑے فیاض و مہربان ہیں۔ اگر آپ نے یہ آرزو جو د الحاح کے ساتھ پیش کی تو ضرور مقبول ہوگی۔ اور میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو گا آپ کی سفارش کروں گا۔ یہ کہہ کے فرخ زاد عربی نژاد غریب الوطن اور ارضِ حیرہ کے سفیروں سے رخصت ہوا۔ اور چلتے وقت انھیں پھر اطمینان دلاتا گیا کہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ خسرو گین ستان کی واپسی تک قصرِ شامی میں فرود کش رہے۔ اور ایرانی معاشرت اور عجیبی صورتوں سے لطف اٹھایا۔ اگرچہ یہاں نہ اونٹنی کا دودھ ملے گا اور نہ گوہ کا گوشت جو صحرا سے عرب میں آپ کی لذیذ و پر تکلف غذا ہے۔ مگر ان اُس سے بہتر غذا اور وہاں سے زیادہ دلچسپ سامانِ محضرت آپ کے آرام کے لیے ہر وقت مہیا کر رہے گا؟ فرخ زاد کے جانے کے بعد زید و خولہ نے قیام کا مستقل ارادہ کر لیا۔ اور مصر

ارادہ کیا کہ جب تک ضرورت ہے اور جس گھڑی تک خضر دہریہ کے دربار میں  
باریابی نہ حاصل ہو بین زد گشت رہیں۔ مگر خولہ کسی قدر متروک ہو گئے بولی "مجھے  
ایک بات کا اندیشہ ہے۔ ضرورت تھی کہ جہان تک جلد ملے نہ ہوتا اپنے اغراض میں  
ہم کامیابی حاصل کرتے۔ منذر کی حالت نہایت خطرناک ہے۔ اور ہماری کوشش  
تھی کہ ایسا اس کے متوجہ ہونے سے پیشتر ہی اس دربار کو منذر کے موافق بنالیں مگر  
یہاں اتنے دنوں پڑے رہنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ایسا ارض بنی طے میں یہ دیکھ کے کہ  
ہر طرح اسے فریب دیا گیا۔ اور زیادہ غصہ اور برہمی کے ساتھ یہاں واپس آئے گا  
اور ہماری موجودگی ہی میں باریاب ہوگا۔ اور اس کا قبل از وقت آجانا کیا  
عجب کہ ہماری تدبیروں کے خلاف ہو؟"

نہید۔ (کسی قدر مسکرا کے) "مگر ہمارا مطلب تو ہر طرح حاصل ہے۔ ناکامی ہوئی تو بھی  
یہی ہوگا کہ منذر کو ضرر پہنچے گا۔ اور اسی بات کو ہم چاہتے ہیں؟"

خولہ یہ مگر یہ بات طلح کی طبیعت کے خلاف ہے۔ بلکہ وہ منذر کے دشمن ہیں۔  
لیکن ان کا یہ مسلم اصول ہے کہ جس طرز سے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔  
اسی طرز کی کامیابی کو کامیابی خیال کریں۔ اگر ایسا کی حسن تدبیر سے منذر کو  
ضرر پہنچا تو یہ ان کے غشے کے خلاف ہوگا۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ پہلا اس کو زک  
دین۔ اور منذر کو کامیاب کر کے اور پوری ترقی دے کامیابی کے مدد پر پہنچانے  
خضر دہریہ کے ہاتھ سے قتل کرنا ہیں؟

نہید یہ تو مشکل معلوم ہوتا ہے؟

خولہ ان کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اب دیکھیں گے کہ وہ کس عمر کی سے اپنا  
مطلب حاصل کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ان کا مشاہیر ہے کہ آپ کو دربار خضر دہریہ میں  
پہنچانے بادشاہ کی طبیعت پر اس قدر حاوی کر دیں کہ خضر کو کوئی بات بغیر آپ کی  
مشورہ ہی اور آپ کے مشورے کے نہ کرے؟

نہید "اگر ایسا ہوا تو پھر مجھ سے بڑھ کے کون شخص ہوگا؟"

خولہ (ہنس کے) "مگر مجھے بھول نہ جائے گا۔ مجھے خضر دہریہ کے عشرت کو دین میں  
شریک صحبت ہونے کی بڑی آرزو ہے؟"

زید میری اور تمھاری دونوں کی آرزو میں طلح کی کوششوں سے پوری ہون گی۔ یہ کہہ کے زید نے انگڑائی لی۔ اور کہا "اب پھر بائیں ہوں گی۔ یہ تو اطمینان ہو گیا کہ ابھی چھ سات مہینہ بیان رہنا ہو گا۔ تم اسباب وغیرہ کو ترقی سے رکھ دو۔ اور ہر اس پل اور سواری کے جانوروں کے لیے مناسب انتظام کرو۔ میں بھی پیچھے بیٹھے ذرا اگتھی ہوں۔ دو چار مہلوں کی ہوا کھانکے دیکھ آؤں کہ خردلے شہر و شگر و کس شان سے آراستہ کیا ہے؟ یہ کہہ کے زید قعر سے باہر نکلا۔ اور خود خردی انتظاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔

## ہیسوان باب

شکار گاہ خردی

مردست ہم اپنے ان دوستوں کو یہیں چھوڑتے ہیں۔ اور ناظرین کو اس دلچسپ سرزمین پر لیے چلتے ہیں جہاں کے قدرتی منظر انسان کو جنت کا سامان یاد دلا دیتے ہیں۔ اور جو حسن و جمال اور انسانی خوبصورتی و رعنائی کے اعتبار سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ یعنی گر حستان کا علاقہ۔ اور کوہ قات کا سرسبز شاو اب دامن۔ بلا و خرد و زر آب سے ذرا آگے بڑھ کے سلسلہ کوہ قات کے رفیع انشان اور سر بفلک پہاڑ کوہ شاہ داغ کے جنوبی دامن میں ایک نہایت ہی دلکش و زرخیز بخش وادی ہے۔ ہر طرف قدرت نے دل فریب اور فرحت افزا باغ لگا رکھا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم کو ہستانی برت سے خلی و تازگی حاصل کرتی ہوئی آتی ہے اور نازک و سرسبز پودھوں کے پہلوؤں میں اس طرح گرگد اکے محل جاتی ہے کہ بیتاب ہو کے جھوم جاتے ہیں۔ اور اس خود فراموشی کی شان سے ناسخے نکتے ہیں کہ بھولوں کا جو زیور حسن پرستان قدرت نے پہنایا ہے گر گر کے زمین پر کھرنے لگتا ہے۔

"چھوٹی چھوٹی نہرین پہاڑوں کے پہلوؤں سے ناجتی اور کودتی ہوئی سیخڑ اُتری ہیں۔ جو اس وادی کے تمام پودھوں میں ہر طرف پھر پھر کے اور چکر لگا کر پانی پونپنا رہی ہیں۔ اور تھوڑی دور آگے بڑھ کے قدیم دریائے خرد میں جسے اب دریائے قورکتے ہیں مل گئی ہیں۔

طیور ہر طن نازک شاخون پر بیٹھے ہیں اور پھولوں سے جو پھلین ملا ملا کے  
نغمہ سنجی کر رہے ہیں۔ کوہستانوں کی خوبصورت و مندرست لڑکیاں اپنے گلون  
کے چرانے کو آئی ہیں۔ بکریاں اور بھیڑیں وسیع و سرسبز مرغزار میں پھیل گئی ہیں  
اور ان کی یہ خوبصورت و ہری جال گلبانیں عجب فارغ البالی و اطمینان سے  
نہروں اور پاکیزہ و شفاف پانی کے کنارے بیٹھی ہیں۔ کبھی ہاتھ منہ دھونے لگتی ہیں  
اور کبھی پانی کی بلورین سطح میں اپنے پیارے اور سادے چہرے دیکھ دیکھ کے  
خوش ہونے لگتی ہیں۔ انھیں کے قریب اور تھوڑے ہی فاصلہ پر وحشیان صحرا  
ہرن اور چیتل۔ نیل گاؤں۔ اور گورخو۔ بے خوف و خطر آتے ہیں۔ پانی پی پی گے  
سیراب ہوتے ہیں اور ادھر ادھر چلنے لگتے ہیں۔

وقت بھی نہایت دلچسپ ہے۔ آفتاب مشرقی پہاڑیوں سے بلند ہوا ہے۔ سارے  
اپنی روشن کرنوں سے عالم کو سنہرا زبور بچا رہا ہے۔ ان دنوں جب کہ موسم بہار  
پورے کمال پر ہو یہاں اکثر برسات کا سامان رہا کرتا ہے اور ابر گھرا نظر آتا ہے  
آج خلاف معمول آسمان کھلا ہوا ہے۔ اور آفتاب اپنی پوری اور صاف  
روشنی سے اس دلفریب وادی کی دیکھ بھون کو چکا رہا ہے۔

ناگمان پہاڑی کوئے ایک شور مچاتے اڑے۔ ہرن جو اطمینان و بے ہراسی  
سے ادھر ادھر چر رہے تھے چونکا ہو ہو گئے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ گرڑیوں  
کی خوبصورت لڑکیاں ہم گئیں۔ گھبرا گھبرا کے بھاگیں۔ اور کوہستان کے گھونگھوٹوں  
میں جھپے لگیں کہ کوئی شخص آگے بڑھنے جائے۔

اور ان سادہ مزاج لڑکیوں کی یہ وحشت بے وجہ نہ تھی۔ اس لیے کہ چند ہی  
منٹ میں شکاریوں کی ایک بہت بڑی اور عظیم الشان جماعت شامانہ شان و  
شوکت سے اس پرنفعا وادی میں داخل ہوئی۔ جس کا تزک و احتشام دیکھنے کے  
ہر شخص متحیر ہے کہ یہ لوگ شکار کو آئے ہیں یا کسی مملکت پر فوج کشی کرنے کو۔

سب کے آگے تین ہزار سوار ہیں۔ بے بے نیزے ان کے ہاتھوں میں ہیں۔  
سردن پر طلا کار اور چمکتے ہوئے خود ہیں جن پر کلتیان لگی ہیں۔ گھوڑوں کا کل  
ساز و بہانہ طلائی ہے۔ اور گویا ان میں سے ہر ایک جان بازی و ہند آزمائی کو

تیار ہے۔ ان سواروں کے پیچھے گیارہ سو ساٹھ غلاموں کا پرہ ہے۔ چوڑے بڑے اور وزنی گرز کندھوں پر رکھے ہیں۔ اور عجب داب و دو قار کی چال سے آگے بڑھتے چلے آتے ہیں۔ غلاموں کے پیچھے ایک ہزار چالیس شمشیر زن سوار ہیں۔ جو بھاری بھاری زربین اور ان پر دیاسے رومی کے رنگ برنگ کرتے پہنے ہوئے ہیں۔

اس وقت تک تو یہ جلوس کسی الو العزم اور حملہ آور بادشاہ کے سفر جنگ کا سامان دکھارہا تھا مگر اب ان شمشیر زن سپاہیوں کے بجا معلوم ہوا کہ نہیں یہ لوگ علم آدمی و ملک گیر می نہیں بلکہ شکار گوشتے ہیں۔ اس لیے کہ اب سات سو باز والوں کا گروہ آیا جن کے ہاتھوں پر مرصع غلامت چڑھے ہیں۔ اور ہر ایک کے ہاتھ پر ایک باز ہے جو تازک و خوش نما طلائی زنجیر میں بندھا ہے اور نہایت کمال استادی کے ساتھ سدھایا گیا ہے۔ باز والوں کے پیچھے تین ہزار سوار ہیں جن میں سے ہر ایک ایک شکار می چلیے کو خوشاد کرتا اور چکارتا ہوا ہے آتا ہے۔ ان کے بعد ستر زبردست شیر میں جن کی گردن میں ریشمی زرد و زریاں پڑی ہیں۔ اور دھانے طلائی زنجیروں سے چکڑے ہیں۔ شیروں کے بعد آٹھ سو شکاری کتے ہیں جن کے گلون میں مرصع پتے بڑے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح زرد میں آگے چھوٹنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے سونے چاندی کی زنجیروں اور توڑ ڈالین گئے۔ ان کے پیچھے کئی ہزار تیر انداز دن کا جتھا ہے جن میں سے ہر ایک شرط باندھ کے نشانہ اترادینے کو تیار ہے۔

جب عرصہ رزم کے مرد میدان گزر گئے۔ اور شکار و صید افگنی کا بھی پورا سامان آچکا تو بزم کی دلچسپیاں شروع ہوئیں۔ وہ ہزار اونٹوں کی ایک قطار آئی جن کی لمبی لمبی گردن میں طلائی گھونگر و پڑے ہیں۔ پیٹھوں پر نہایت پر کلفت مجلس ہیں۔ اور ہر مجلس میں ایک پری جمال و آفت روزگار گانے والی بر لبہ و سرو دیے سجی ہے ان نازنین ناچنے گانے والیوں کے سروں پر طلا کار اور مرصع تاج ہیں۔ گلون میں نہایت روشن اور شگفتہ رنگوں کے ریشمی کرتے ہیں۔ اور سرے پاؤں تک زیور سے لدی ہوئی ہیں۔ ان اونٹوں کے پیچھے دو سو آدمی آئے جن کے ہاتھوں میں چاندی کی انگلیٹیاں ہیں۔ اور ان میں عود و عنبہ ڈال ڈال کے ساری وادی کو روح افزا خوشبو سے



مہکاتے آئے ہیں۔ ان انگلیٹھی والوں سے ملے ہوئے دو سو خد متگا رہیں۔ یہ زرد اور خشک حریر کی قبائین پہنے ہیں۔ کانوں میں موتیوں کے گوشوارے پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھوں میں گلہستہ ہیں۔ اور بادشاہ کے اشاروں پر دوڑنے کو تیار ہیں۔

یہ سب سامانی جب آچکا تو خود بادشاہ کی سواری آئی۔ اور سر پر نارنجی مرصع و مطلقا علم درفش کا دیانی کے لہانے سے معلوم ہوا کہ خود وارث نسل ساسان اور تالاف تحت ایران خسرو پرویز ہے۔ اس کے منہ پر کھیلے ہیں۔ ڈاڑھی درمیان میں منڈی ہوئی ہے۔ سر پر تاج کیانی ہے۔ اور ایسے قیمتی دیر کلک لباس سے آراستہ ہے کہ باوجود یکہ تر شاہی کے سامنے یہ گمراہ جسم پر جواہرات جھلک رہے ہیں اور الماس و نیلم وغیرہ کی حقو اور شمعاعوں سے دیکھنے والوں کے دل پر عجب رعب طاری ہوتا ہے۔ ایک نہایت شائستہ و خوبصورت عربی گھوڑا اس کی ران کے نیچے ہے۔ ہنرار سے زیادہ نازنین و مدہین عورتیں دلربائی کی وضع سے نازنین پریشان کیے نہایت بالکین کے ساتھ تاج مرصع سر پر رکھے۔ اور عجب شرم ادا کی دکر شہ خیزی سے گھوڑوں کو کراتی ہوئی ساتھ ہیں۔ اور بادشاہ کو اپنے جھڑ میں لیے ہوئے ہیں۔ انھیں نازنین و لرباؤن میں دوا یک کے ہاتھ میں سولے کی صراحیان اور مرصع جام ہیں۔ جو بڑی مستندی سے اپنی خدمت بجا لارہی ہیں۔ بار بار شراب کا جام لبریز کر کے شہشاہ یعنی پناہ کے ہاتھ میں دیتی ہیں اور وہ بے تکلف پی لیتا ہے۔

میں اس وادی کے درمیان میں پورنج کے خسرو پرویز نے شراب کا ایک جام پیا تھا۔ اور رومال سے منہ پونچھ رہا تھا کہ ناگہان ایک ملائک فریب نازنین عجب ناز و انداز سے سامنے آ کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے غیر معمول حسن و جمال نے تمام ہر ایک گل زخون کا حسن چھپا کر دیا۔ سب کے چہرے ماند پڑ گئے۔ اور معلوم ہوا کہ عین اُس وقت جبکہ آسمان کے سب تارے خوب کھلے ہوئے تھے آفتاب نکل آیا۔ اور سب تاروں کے چہروں پر ہوائیاں چھٹے لگیں۔ یہ نئی نازنین دیباہ زرد کا ایک سنگ گرتا پئے ہوئے تھی جس پر طلائی تاروں سے گل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اور عجب سوگوار سی و حیرت مندی کی شان سے برہنہ سر تھی۔ زلفیں پٹھے اور شانوں پر کچھری ہوئی تھیں اور معلوم ہوا تھا کہ کوئی پری یا دیوی آسمان سے اتر کے آئی۔ اور قصور بن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

یہ زاہر فرب و ماہ طلعت نازنین چند ساعت تک اسی طرح تصویر بنی کھڑی رہی۔ اور خسرو پرویز بھی اُس کی دلربا صورت دیکھ کے نقش حیرت بن گیا۔ بس آنکھوں ہی آنکھوں میں بائیں ہو رہی ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے خوشی کے چشم و ابرو سے کہتی ہے۔ اور اُسی زبان بے زبانی میں پرویز بھی جواب دے دیتا ہے۔

ناگمان اُس بیت حور و دُش کا غور و خود اُری ٹوٹا۔ بیمار نرگسی آنکھوں سے موتیوں کے سے آنسو جاری ہوئے۔ اور ایک ٹھنڈی سانس لے کے بولی۔ ”اے شہر یار گیتی تامل اور اے تاجدار نسل ساسان! لونڈی سے کیا خطا ہوئی کہ ایسی سحر و مہک دے دو اُم ہے اور حضور کو پروا نہیں ہے۔ اپنے اُس عہد و پیمان کو یاد کیجئے۔ اُس وقت کی تصویر اپنی آنکھوں کے سامنے کھینچے جب حضور ناز برداری کر رہے تھے اور لونڈی کو لٹنے میں تامل تھا۔ وہ اگلی صبح تک۔ وہ جُرانی ذوق و شوق کی باتیں کیا سب خواب و خیال ہو گئیں اور کیا وہ سچ تھا جو میری زبان کہا کرتی تھیں؟“

سلسلہ گفتگو ہمیں تک پہنچا تھا کہ یہ نازنین نہایت بے قراری و بیانی کے ساتھ زار و قطار روئے لگی۔ خسرو پرویز اُس کی باتیں سن رہا ہے۔ اُس کے سامنے نقش حیرت بنا ہوا ہے۔ اُس کی صورت کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ مگر زبان سے ایک لفظ نہیں نکلتا مگر اُس کا زرد چہرہ کسے دیتا ہے کہ اتنا سہ زیادہ حیران و پریشان ہے۔ گویا کچھ کہنا چاہتا ہے مگر حیرت نہیں ہوتی۔

نازنین۔ ”اتنا سہ بے صبری سے؟“ حضور جواب کیون نہیں دیتے؟ نہیں شہر یار کو جواب دینا ہو گا۔ حضور کے لیے لونڈی نے اپنی شاہی و حکمرانی۔ آزادی و عیش پرستی اور لطف مسرت۔ سب چیزیں ہاتھ سے کھوئی ہیں۔ بیشک حضور جواب دین گے اور اُس پر ترس کھائیں گے جو عیش کا کار می تیر کھا کے بسل ہو رہی ہے۔ اور حضور کے سوا اب کسی کی نہیں ہو سکتی؟“

ان باتوں نے پرویز کا دل اختیار سے باہر کر دیا۔ وہ ساری قوت جس سے اس وقت تک کام لیتا رہا تھا اور جس کی بدولت دل کو قابو میں کیے ہوئے تھا گویا کسی نے یکایک چھین لی۔ اُس کی بھی آنکھیں دُبدب آئین۔ اور بے اختیار ایک آہ فلک دوز کھینچ کے بولا۔ ”شیرین! زیادہ نہ چھیڑ مین تیرے تیر نظر کا جیسا گھائل پلے تھا

و میا ہی آج بھی ہوں۔ ایسا نہ کر کہ یہ دل جس میں تیری نگاہوں کے صدمہ زخم پڑے ہوئے ہیں بالکل پاش پاش ہو جائے۔ افسوس میں بالکل مجبور تھا۔ بہرام جو میں کا حال تو بخوبی جانتی ہے کہ مجھے تیرے عشق میں مبتلا اور عیش و عشرت میں منہمک دیکھ کے ساسانی تاج و تخت پر قابض ہو گیا تھا۔ اور میرے لیے سوا اس کے کسی بات میں مفر نہ تھا کہ قیصر روم کے وائس میں جا کے پناہ لوں۔ قیصر نے میری مدد کی۔ اور اُسی کی مدد سے مجھے پھر ساسانی تاج و تخت نصیب ہوا۔ مگر افسوس اُس نے ہم وردی کے ساتھ مجھے پر ظلم بھی کیا۔ اُس کا دیا ہوا شربت اگرچہ بہت شیرین تھا مگر اُس میں نہ ہر بھی ملا ہوا تھا۔ ایک زبردست فوج میرے ہمراہ کرنے کے ساتھ اُس نے مجھے اس بات پر بھی مجبور کیا کہ اُس کی بی بی مریم کے ساتھ نکاح کر لوں۔ شیرین۔ یقین جان کہ میرا دل تیری ہی زلف گر گھر میں اسیر تھا۔ مگر حالت ایسی نازک تھی کہ اُس کے سوا چارہ ہی نہ تھا کہ مریم کے لیے آغوش شوق کھول دوں۔ افسوس۔ جو جگہ تیرے لیے تھی مریم نے لے لی۔ اور زبردستی۔ اب مجھ میں سفارت کی تاب نہیں۔ جانتا ہوں کہ موبدان موبد اور تمام وزراء ایران ناراض ہوں گے مگر کچھ پروا نہیں۔ چل میرے ساتھ چل۔ اگرچہ میرے محل پر مریم قابض ہے اور مجھے شہر سے باہر کسی نہ قصر میں رہنا پڑے گا۔ مگر اس کا خیال نہ کر اس لیے کہ تو میرے دل کی مالک ہے۔ اور خود مجھ پر تیرا قبضہ ہے۔“

بادشاہ کی زبان سے یہ تقریر سنتے ہی شیرین نے جھک کے خاص شاہی گھوڑے کے قدم چوم لیے۔ اور گلگون رخساروں سے آنسو پونچھ کے نہایت ادب سے بولی۔ میں خسر و شیرگیر کی لونڈی ہوں۔ شہر یار کے وصال کے شوق میں اپنی ماں تک کا گنا نہیں مانا۔ اور خاندانی سلطنت سے دست بردار ہو گئی۔ مگر صرف حضور کی لونڈی ہوں۔ دہان رستگردین جا کے مریم کی لونڈی نہیں بن سکتی۔ اگر قسمت میں حرام نصیبی ہی ہے تو یہی سہی۔ مگر شہر یار کو خیال رہے کہ لونڈی آج تک اُسی عہد پر قائم ہے۔“

پرویزؑ افسوس مریم میں وہ صلاحیت نہیں جو تجھ میں ہے۔ وہ مزاج کی تیرے۔ اور اپنے باپ کی سلطنت پر مغرور۔ یہ کہہ کے خسر و پرویز نے ایک بڑبکھٹ اور نہایت ہی قیمتی تاج منگوا کے اپنے ہاتھ سے شیرین کے سر پر رکھا۔ اور اُسے گھوڑے پر بٹوار

کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔

خسرو کے لیے اس سے زیادہ دلچسپی و لطف کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ اس شکار مہم دار سلطنت میں ہے۔ اور یہاں کوہ قاف کی دلچسپ وادی میں اُس کی مشیت و دریا شیریں ہم پہلو و ہم کنار ہے۔ مگر نہیں بجائے اس کے کہ شیریں کے لئے سے طبعیت میں شگفتگی پیدا ہو اور زیادہ متروک و مفکر ہے۔ اور سیر و شکار کے لطف اُسے بے مزہ معلوم ہوئے ہیں۔ تاہم شیریں کے کئے سے حیدر افغانی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُس کا اشارہ ہوتا ہی یہ فرحت بخش وادی ایک میدان کارزار کا نمونہ بن گئی۔ باز طیور پر چیتے اور کتے صحرائی جانور دن پر چھوٹے۔ اور بزم بہ زبان و آزاد مخلوق پر گویا خدا کا غضب نازل ہو گیا۔ ہر طرف بھاگ بھاگ کے پناہ لیتے تھے اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ چند ہی ساعت میں ماری وادی تمام جانوروں سے خالی ہو گئی۔ اور کہیں کسی طرف کسی وحشی ہرن یا شکار کے قابل طائر کا پتہ نہ تھا۔

بروز نے تو اس شکار میں کچھ زیادہ مستعدی نہیں دکھائی۔ مگر شیریں نے صرف اُس کے محفوظ کرنے کے لیے اکثر ہرنوں سے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ کئی ہرن اُس کے بائیں ہاتھ کی طرف سے نمودار ہوئے جنہیں نگہ رگید کے اُس نے خود اپنی تلوار سے شکار کیا۔ اور اس خوبصورتی سے شکاری کے کمالات دکھائے کہ جب اپنے ہاتھ کے شکار مار کے لائی ہے تو خسرو نے بے انتہا تعریف کی۔ اور بولا "اے ایسی خوبیاں ہیں جنہوں نے مجھے تیرا دیوانہ بنا دیا ہے۔"

تیسرے دن اب شکار کا لطف نہیں رہا۔ تمام وحشیان صحرا یا تو مارے گئے یا بھاگ گئے۔ اب اگر بادشاہ کی مرضی ہو تو چوگان کا مشغلہ شروع ہو۔ نو ذی کو چوگان کا بڑا شوق ہے۔ بہت دن ہوئے حضور کے ساتھ اُسی وادی میں چوگان کا لطف اٹھایا تھا اُس کے بعد سے آج تک کبھی اس سپاہیانہ مشغلہ کی طرف توجہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

پرویز "بہتر۔ بہتر۔ ساتھ ہر چیز میں لطف آئے گا۔"

شاہی اجازت ہوتے ہی چوگان بازی شروع ہوئی۔ گنبد ہر طرف سے اچھلنے لگے۔ اور شیریں جس خوبصورتی اور خانی سرا و سرخ شوقی اور عیلت پشتر

سے گھوڑا پھر پھر کے نگینہ کو روکتی اور اٹا واپس کرتی تھی اس پر خسرو اور تمام دیکھنے والے متحیر تھے۔ ہر جانب سے بڑے زور و شور اور جوش و خروش سے کلمات تحسین و آفرین بلند ہوتے تھے۔ اور وہ زیادہ جوش میں آگے کھیلی تھی۔ آخر خسرو سے نہ رہا گیا۔ بے اختیار سی کے لیے عین بول اٹھا: واہ اشیرین۔ اس کھیل میں نہ تیر کوئی متاثر کر سکتا ہے اور نہ تیرے بغیر اس میں مزہ ہے۔“

شیریں " یہ حضور ہی کی صحبت کا فیض ہے۔ خصوصاً اس وقت حضور کی موجودگی میری بہت کمزوری اور بڑھ چلا ہے۔ ورنہ یہ تو یہ کہ مدت سے کبھی چوگان کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ امدان کھیلوان میں شوق کی بے انتہا ضرورت ہے۔ " خسرو " بے شک میری اس وقت کی صحبت نے مجھے بہت زندہ دل بنا دیا ہے۔ مگر انوس تری اس زندہ دلی سے میں اپنی تباہی و آزدی کے موافق فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور نہ اپنے شوق کی آگ بجھا سکتا ہوں۔ "

تھوڑی ہی دیر کی جو کان بازی میں شیریں پسینے ہو گئی۔ اور خسرو پر دیر  
اُس کے جبینِ ناز سے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چلتے دیکھ کے کہا یہ بس۔ بس۔  
میں تجھے زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتا، یہ کہہ کے اُس نے شکار کی مو قوفی اور خیمہ گاہ  
کی طرف واپس جانے کا حکم دیا۔ فوراً لوگ چلے۔ تھوڑی ہی دیر پر شاہی خیمہ نصب  
کئے۔ جہان خسرو پر دیر کے پہونچنے ہی خوش طرب مرتب ہو گیا۔ جنگ دار غنوں اور سرود  
بربط کا نغمہ بلند ہوا۔ ناچنے والے بان عجب لطیف کے ساتھ ناچنے لگیں۔ اور شراب گل  
رنگ کا دور چلتے لگے۔

لیکن شیرین ابھی تک اُسی حیدر افغانی کے میدان میں تھی۔ اور اپنے ہمراہیوں کا انتظام کر رہی تھی جو حدودِ ارسن سے اُس کے ہمراہ آسکے تھے اور جن کے لیے شاہی فرود گاہ سے الگ ایک میل کے فاصلہ پر حیمہ نصب تھی۔ خسرو کی نظر محبت نے اگرچہ اُس کے دل کو بہت کچھ تسکین دے دی تھی۔ مگر بادشاہ کو متروک و متفکر دیکھ کر وہ بھی دل میں پریشان تھی۔ جانتی تھی کہ اول تو تمام سردارانِ عجم مریم کا ساتھ دین گے۔ اور اگر باقرض وہ سکوت بھی اختیار کریں تو خود مریم مجھ پر کیوں مہربان ہونے لگی تھی۔ اسی ترہ وہ میں کھڑی تھی کہ تاگمان ایک شخص قریب آیا اور اُنے ہی سامنے سجدہ میں گر پڑا۔ اس اجنبی شخص سے

گو یا کسی قدر وحشت کھا کے شیریں پیچھے بیٹھی۔ پھر یہ خیال کر کے کہ شاید کوئی مصیبت زندہ اور بادشاہ کی خدمت میں سفارش چاہتا ہے مہربانی کے لہجہ میں بولی۔ "کون ہے؟" اور کیا چاہتا ہے؟

اس کے جواب میں اُس شخص نے کچھ کہا جسے شیریں نہیں سمجھ سکی۔ اور بولی "برکس زبان میں گفتگو کر رہے ہو؟" جو چند فوجی لوگ پاس گھڑے تھے اُن میں سے ایک سپاہی لپک کے اُسے آیا۔ اور ادب کے ساتھ زمین چوم کے بولا "ملکہ۔ یہ ایک بدوی عرب ہے جو ایرانی زبان نہیں سمجھتا اور حضور کے واسطے میں پھینچا چاہتا ہے۔"

شیریں "شہنشاہ پر وزیر کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے؟" سپاہی نے فوراً ہدیٰ عرب سے دریافت کر کے بتایا "جی ہاں! تاجدار ایران کی خدمت میں آپ کی سفارش چاہتا ہے۔"

شیریں "اچھا میں تیری سفارش کر دوں گی۔"

عرب "اے ناز آفرین ملکہ! میں۔ یہ غلام چند روز حضور کے غلاموں میں رہنے کا آرزو مند ہے۔ اور امید ہے کہ ایسی ایسی خدمتیں بجالائے گا جن کو اور کوئی نہیں بجالا سکتا۔ یہ تمام گفتگو اُسی سپاہی کی ترجمانی سے ہو رہی تھی۔"

شیریں (حیرت سے) "تم میرا کیا کام کر سکتے ہو؟"

عرب "غلام بہت نازک موقعوں پر اور اُس حالت میں جب کہ حضور کسی سخت تشویش میں مبتلا ہوں اپنی عمدہ تدبیروں سے مدد دے سکتا ہے۔ آج جب حضور بادشاہ گیتیستان سے ملاقات چوٹی ہے اس وقت غلام کو نظر آیا کہ شہر یا ایران بھی دل میں سرزد و پریشان ہیں اور حضور کی نازک طبیعت پر بھی کسی عمدہ کار ہے۔ یہ حالت دیکھ کے غلام کو ضرورت معلوم ہوئی کہ جس قدر جلد ممکن ان دونوں اُنوں کے درمیان تردد کو دفع کرے اور غلام حضور کو مبارکباد دیتا ہے کہ تمام فکریں بہت جلد دور ہو جائیں گی اس لیے کہ جب بادشاہ اور تمام لوگ صید انگلی میں مشغول تھے۔ ساح۔ باراج۔ ناطح۔"

عہ عربوں میں جو شکار باغیں ہاتھ کی جانب سے نمودار ہوا ساح کہا تا ہے۔ جو داہنے ہاتھ کی جانب سے نکلے باراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو سامنے سے اُسے ناطح کہتے ہیں۔ اور جو پیچھے سے نکلے اُسے اُسکید کہتے ہیں۔ ان تینوں میں سے ساح نہایت ہی مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ باراج خوش۔ اور باقی دونوں مسمیٰ۔

اور عقیدہ ہر قسم کے شکار سامنے سے گزر رہے تھے۔ مگر حضور کے سامنے جو شکار آیا وہ سب اسے  
ہی تھا جس سے زیادہ کوئی مبارک فال نہیں ہو سکتی۔

شیرینؓ "تو شاید تم بابل و عراق کے بخوجی ہو"۔

عربؓ "نہیں۔ بلکہ۔ غلام عرب کا ایک مشہور حکیم ہے۔ جس نے عامر بن مطلب کی شہرت  
شادی اور اپنے ہم وطنوں میں ایک بہت بڑا اکابر بنی تصور کیا جاتا ہے۔"

شیرینؓ "مگر اختلاف زبان کی وجہ سے میں تمھاری عقل و دانش سے بہت کم فائدہ  
اٹھا سکوں گی۔"

عربؓ "حضور کوئی ضابطہ دراز دار عربی دان تلاش کر لیں۔ پھر کوئی دشواری  
نہ باقی رہے گی۔"

شیرینؓ بہتر۔ تم میرے خیون میں جا کے ٹھہرو۔ آج کل بادشاہ کے یہاں موجود  
ہوئے مکی وجہ سے مجھے بہت سی کم فرصت ہوتی ہے۔ مگر جس وقت ذرا بھی اطمینان  
ہو گا تم سے اس کے ملوں گی۔ یہ کہہ کے شیرین نے اپنے ایک خاص خادم کو اشارہ کیا اور  
خود خمر ویز کے پاس چلی گئی۔ خادم نے اس کو شہار و داد خواہ عرب کو اسی وقت لے  
جا کے جادو نگاہ و لالہ ہزار ملکہ ارمن کے خاص پیشے کے قریب ایک خیمہ میں ٹھہرا دیا۔  
اور اس کے لیے ہر قسم کے آرام کا سامان فراہم کر کے واپس چلا گیا۔

ہمارے ناظرین یقین ہے کہ اس بدوی عرب کو پہچان گئے ہوں گے۔ ایسا رسا  
اور ایسا چالاک طلحہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ غولہ اور زید کو دستگرد کی طرف  
روانہ کر کے وہ شاہی لشکر کے ساتھ ہو لیا تھا۔ اور تمام منزلیوں میں ساسانی تڑک و  
احتشام اور خسروی دھوم و حمام کا تماشا دیکھتا ہوا شاہی شکار گاہ یا کوہ فان کی اس  
وادی میں پہونچا ہے۔ یہاں جب معشوقہ جادو داد شیرین خسرو پر ویز سے آگے ملی تو اس نے  
فوراً شیرین سے شناسائی پیدا کی۔ اس لیے کہ دربار خسروی میں کامیابی حاصل کرنے کے  
لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اب وہ اس بڑے فساد وادی میں شیرین کا ہمان ہے۔ اور منظر ہے کہ اس سے ملنے اور

عہ ان و زن بابل کے بخوجی دورہ رہشور تھے۔

عہ عامر بن مطلب جاہلیت عرب کا ایک مشہور حکیم تھا۔

اُس کے دل کو اپنے ہاتھ میں لینے کا کب موقع ملتا ہے۔ اور کب اطمینان کی ملاقات نصیب ہوتی ہے۔ مگر خسرو پر وزیر شیرین کی زلفت گر گہر میں ایسا اسیر ہے کہ بغیر اُس کے اُسے کسی چیز میں لطف نہیں آتا۔ ایک ٹھوڑی کے لیے بھی شیرین کسی کام کو چلی جاتی ہے تو حضرت پرست بادشاہ پروردہ خاطر وافرودہ دل ہو جاتا ہے۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ شیرین ہر وقت خسرو پروردہ کے پہلو ہی میں رہتی ہے۔ اور طلح کو چار مہینہ سے زیادہ زمانہ گزر گیا۔ اور اُس سینکڑوں لاکھوں اطمینان کی ملاقات نہیں نصیب ہوتی۔ اب وہ اکتا چلا ہے۔ اور دل ہی دل میں پریشان ہے کہ اس بیکاری کی زندگی سے دیکھیے کب نجات ملتی ہے۔

## اکسیدان باب

نے تاب وصل وارم نے طاقت جدائی

طلح ایک دن تنہا بیٹھا گہرا ہاتھ مار رہا تھا۔ بار بار دن گنتا تھا کہ مجھے اس واوی میں آئے اور شیرین کا ہمان ہوے کتنا زمانہ گزر گیا۔ دل میں کتنا تھا کہ افسوس میری زندگی کس قدر بیکاری میں گزر رہی ہے، اپنی فتنہ انگیز طبیعت جو ہر روز ایک نیا سنا د پیدا کرنا چاہتی تھی سست نظر آتی۔ اور کسی کسی وقت کہہ اٹھتا "اگر یونہی اور چند روز تک ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا تو دنیا کے کام ہی کا نہ رہوں گا" لطف و مسرت کے ہر قسم کے سامان فراہم تھے۔ روز شام کو صد ہا پری و ش عورتوں کے ناچے کا تماشا دیکھتا اور ان کے نور کے گلوں کی تان میں مبتلا۔ مگر دل میں یہی کتا کہ "میں یون بیکار بیٹھے کئے نہیں بلکہ کچھ کرنے کو آیا ہوں"

اسی فکر و تردد میں تھا کہ ناگهان ایک آدمی نے اُس کے کہا "ملکہ! ارمن شیرین ناز آفرین اپنے مشکوے خاص میں آئی ہیں۔ اور آپ کو یاد کرتی ہیں" اس زمانے اور اس حالت میں طلح کے لیے اس سے بہتر کوئی خردہ نہیں ہو سکتا تھا۔ فوراً اٹھ کے اوردہ بارہی لباس پہن کے شیرین کے خیمہ میں گیا اور زمین چوم کے ادب سے سامنے کھڑا ہو گیا۔ شیرین دیباے رومی کے ایک پُر تکلف فرش پر زرتار کا دُست پیٹھ لگائے بیٹھی تھی اُس کو دیکھ کے مسکرائی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ طلح اس غیر مترقبہ عزت پر دل میں خوش ہو کے اوردہ بارہی چوم کے پیٹھ گیا۔ اور بولا "اس واوی میں بیٹھے لوگ ہیں وہ سب تو



شہنشاہ ہرودیز کی پرستش کرتے ہیں۔ مگر اے نازنین ماہ سیارہ عربی غلام حضور کی پرستش کرتا ہے۔“

اس وقت اس خیمہ میں بالکل تنگی تھی۔ عرب ایک عربی غلام البتہ موجود تھا جو بظاہر ازدار معلوم ہوتا تھا۔ اور جسے شیرین نے اختلاص زبان کی دشواریاں رفع کرنے کے لیے ٹھہرایا تھا۔ اسی غلام کے بتائے سے شیرین طلح کا مطلب سمجھی۔ اور بولی۔ ”میں تمہاری ہمدردی و خیرطلبی کی شکر گزار ہوں۔ اس روز سے آج تک کوشش کرتی رہی کہ ذرا بھی موقع ملے تو آگے مل جاؤں۔ مگر شہریار ہرودیز نے کسی طرح بیان کرنے کا موقع نہ دیا۔ اور ایک گھڑی کی بھی فرصت نہ ملی۔“

طلح یہ ایسی مبارک عیدم الفرصتی ہے کہ آتش مقدس و نوریزدان پاک نہاد کی برکت سے۔ اور ماہ گوسفند خلعت کی مدد سے آپ ہمیشہ ایسی ہی عیدم الفرصت رہیں تو اچھا ہے۔“

اس دعا کو سن کے شیرین کے دھڑبھڑاہٹ پر ایک قسم نمایاں ہوا۔ پوچھنے لگی۔ بیان تمہیں کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

طلح یہ اس شاہی عشرت کدے میں سوا اس کے کہ ملکہ جہان کی زیارت سے محروم تھا۔ اور کس بات کی تکلیف ہو سکتی تھی؟“

شیرین یہ اپنا نام اور پتہ بتاؤ کہ عرب کے کس ملک کے رہنے والے ہو؟ اور کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟“

طلح یہ ملکہ۔ غلام کا نام طلح بن مرہ کلہی ہے۔ اور ملک عرب کا کوئی معزز دربار نہیں جس میں اس کا خاکسار کو باریابی کی عزت نہ حاصل ہو چکی ہو۔ مدقون بنی فسان کے دربار میں رہا۔ اس کے بعد ایک زمانہ فرمان رواہان آل کندہ کی صحبت میں گزارا جو دربار خسروی

عہ شیرین چونکہ مذہب زرتشتی کی پابند ہے۔ لہذا طلح اُسی مذہب کی اصطلاح میں بائین کرما ہے پارسی لوگ ہرز کو خدا سے ذوالجلال اور آگ کو اُس کا نور سمجھتے تھے۔ چاند سے بھی وہ لوگ مدد مانگتے تھے اور بکری اور جانکد کی خلعت میں ایک خاص یکسانی بلکہ دونوں کو ایک ہی چیز خیال کرتے تھے۔ چاند کو وہ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں گوسفند نہاد کہا کرتے تھے۔

کے خادم اور ارض حیرہ کے حکمران مین۔ اور فی الحال بھی بنی کندہ ہی کی ایک اہم خدمت سرانجام دینے کے لیے اس شہنشاہی دربار میں حاضر ہوا ہوں۔“

شیرین: ”اور وہ خدمت کیا ہے؟“

طلحہ: ”اُسے تو ملکہ جہان کی خدمت میں عرض ہی کروں گا۔ سر دست غلام ایک اور فکر میں ہے۔ حضور اور شہنشاہ پر دیز کے نازک تعلقات دیکھ کے غلام نے ایک اور خدمت اپنے ذمے لی ہے جس کا بجالانا سب پر مقدم ہے۔“

شیرین: ”(بہت خوش بن کے) ”وہ کیا ہے؟“

طلحہ: ”غلام نے دیکھا کہ حضور اور شہنشاہ دونوں کے دل ذوق و شوق سے تو بخوبی لبریز ہیں مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی نازک بات ہے کہ دونوں پریشان و متروک رہتے ہیں اتنا سننا تھا کہ شیرین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور ابدیدہ ہو کے بولی ”تم سچ کہتے ہو۔ افسوس میری خوشی کے جام میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور میری ہی طرح شہنشاہ کا دل بھی ہمیشہ زنجی رہا کرتا ہے؟ وہ میرے لیے غم و اندوہ میں مبتلا ہیں۔ اور میں اُن کی مفارقت میں زندگی سے عاجز ہوں۔“

طلحہ: ”جب دونوں دلوں میں یکساں جوش محبت ہے تو اس حرمان نصیبی کا سبب ہے؟“

شیرین نے پھر ایک آہ فلک و وزخیںچی اور بولی: ”اگر تم نے اُس روز حسبِ مین شکار گاہ میں اُسے شہنشاہ سے ملی ہوں میری اور اُن کی گھنگھوسی ہوگی تو تھیں مثبت بھی معلوم ہو گیا ہوگا۔“

طلحہ: ”کسی قدر حالات تو مجھے لگوں سے دریافت کر کے معلوم ہو گئے۔ مگر پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ اس لیے کہ زبان فارسی سے بے بہرہ ہوں۔“

شیرین: ”آہ ایدوستان بہت بڑی ہے۔ اور جو سے گا افسردہ خاطر ہو جائے گا۔ افسردہ دل افسردہ کندا کھینچے را۔ مجھ سے اور خرو سے اُس زمانے کی راہ درسم ہے جب میں اپنی ماں ملکہ ارمن کی زیر نگرانی تھی۔ اور شہر یار پر دیز بھی ہنوز ولی ہند تھے۔ اسی وادی میں اور انھیں دیکھ کر غراوون میں اُن دنوں جیسے جیسے جتن ہوسا مین اور حبیبی پر لطف مبین رہا کرتی تھیں اُن کو یاد کر کے ہمیشہ رویا کرتی ہوں۔ اور شہر یار پر دیز بھی اُن کے بعد شاید کبھی آرام سے نہ بیٹھے ہوں گے۔ میری ماں

اُن صحبوں سے ہمیشہ منع کرتی تھیں۔ مگر میرے دل پر پرویز کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اُن کی ایک نہ سنتی۔ اور شب و روز شاہزادے ہی کے پہلو میں رہا کرتی تھی۔ لیکن خواہ مان کے سمجھانے سے یا اپنی ذاتی اسیدوں کی بنا پر میں نے اپنے دامن عصمت کو ہمیشہ بچایا۔ اور دل میں ہر گھڑی یہی دھن رہی کہ یا تو شاہزادی ارکن سے ملکہ فارس بنوں گی۔ یا ساری عمر حسرت و اندوہ ہی میں بسر کر دوں گی۔ بہنوئی وہ تمام حسرتیں دل ہی میں تھیں کہ بہرام جو میں نے جو ایک زبردست ایرانی سردار تھا باپ بیٹوں میں فساد پیدا کیا۔ اور ہر زہر شہر یار ایران کو خود اپنے بیٹے اور ولی عہد پرویز کے خلاف کر دیا۔ آخر شہر یار ہر مزے پر ہم ہو گئے پرویز کے دو ماموں چندویہ اور بستام قید کر لیا۔ جنہیں پرویز کا دوست اور طرفدار سمجھتا تھا۔ ان دونوں نے کسی طرح قید سے آزادی حاصل کر کے یہ غضب کیا کہ مدائن میں اچانک یہوئچے۔ شہر یار ایران ہر مز کی آنکھیں ٹکڑاؤ الین۔ اور وزیر اسے دولت کے خوف سے کسی طرف بھاگ گئے۔ اُن کے جاچکنے کے بعد پرویز نے پہوئچ کے تاج خسروی اپنے سر پر رکھا۔ اور اندھے باپ سے وعدہ کیا کہ آپ کی مظلومی کا بدلہ ماموں سے ضرور لوں گا۔ انھوں نے جو کچھ کیا میرے منے کے خلاف تھا۔ مگر ابھی بہرام جو میں کا فتنہ دبانے کی ضرورت ہے جو باغی ہو گیا ہے۔ اور دار السلطنت پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں جمع کر رہا ہے۔

**طرح** "یہ بہرام جو میں بڑا فتنہ انگیز شخص معلوم ہوتا ہے؟"

**شیرین** "اب اس سے زیادہ کیا فساد ہو گا کہ باپ بیٹوں میں عداوت پیدا کر دی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اُن دونوں شہر یار پرویز کا ستارہ اقبال بستی میں تھا اور ہر طرف سے سخت کے آثار نمایان تھے۔ بہرام جو میں سے ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی جس میں شاہی لشکر ہٹا ہوا اور شاہ پرویز شکست کھا کے روم کی طرف بھاگے۔ اُن کی نصیب میں ماموں کو بچھ موقع مل گیا۔ جنھوں نے میدان خالی دیکھ کر تاجدار ایران شہر یار ہر مز کو قتل کر ڈالا۔ اور بہرام سلطنت کا مالک ہو گیا۔ پرویز نے جب قیصر روم کے دامن میں جا کے پناہ لی تو تاجدار مصلطینہ نہایت مہربانی سے پیش آیا اپنے کئی بہنوئی اور بہت سی رومی فوج ہمراہ کی اور شہر یار دلدہی کر کے اور حوصلہ بڑھا کے واپس روانہ کیا کہ بہرام کو شکست دے کے

آبائی تاج و تخت پر قبضہ کریں۔ مگر آہ اُسی وقت سے میری بد قسمتی شروع ہوئی۔ قیصر نے جہان سپاہ و لشکر سے مدد کی وہاں زبردستی اپنی بیٹی مریم کے ساتھ اُن کا نکاح بھی کر دیا۔ پرویز کو یہ نکاح ہرگز نہیں منظور تھا۔ مگر کیا کرتے کچھ مروت تھی اور کچھ دباؤ تھا۔ مجبور ہونا پڑا۔ الغرض اس طرح رومیہ شاہزادی یعنی اپنی مسیحی بیوی۔ اور یونانی سپاہ کو ساتھ لے کے شہر یار پرویز ایران میں آئے تو بہرام کو تاثر توڑ تین شکستیں دیں۔ اور آبائی ملک پر بھر حکران و متصرف ہوئے۔ اب ولیم سلطنت سر پر رکھنے کے بعد اطمینان سے بیٹھے تو وہ پرانی صحبتیں اور دامن کوہ قافہ کے جشن یاد آئے۔ اور میری صورت آنکھوں کے سامنے پھر چلنے لگی۔ مگر کیا کرتے بالکل بے دست و پا تھے۔ مریم اندر باہر سارے دربار پر حاوی تھی۔ اور کسی طرح موقع نہ دیتی تھی کہ میری طرف رخ بھی کریں۔ ایک مدت تک حیران و پریشان رہ کے اب شکار کے بہانے سے یہاں آئے ہیں۔ مگر کسی طرح اس کی جرأت نہیں کر سکتے کہ جو عہد و بچان کیے تھے انھیں پورا کریں۔ اور مجھے اپنے ایوان خسرو میں لے جا کے رکھیں۔ پس یہ مجبور باریان ہیں جن کی وجہ سے ایک طرف تو اُن کا دل ہر وقت لول و حزن رہتا ہے دوسری طرف میں آتش عشق و محبت میں جلتی ہوں۔ اور باوجودیکہ یار با وفا ملا ہے محروم ہوں اور اپنی بد قسمتی پر خون کے آنسو بہاتی ہوں۔ اب خسرو پرویز چاہتے ہیں کہ معمولی لونڈیوں کی طرح سے اُن کے محل میں داخل ہو جائوں لیکن یہ ہرگز نہ ہوگا۔ میں آخر تک اپنے اُسی عہد پر قائم رہوں گی۔ چاہے تم بجز ان سے محل گھل کے مری کیوں نہ جاؤں۔ مگر یہ نہ ہوگا کہ شہر یار ایران کی لونڈی بنوں۔ طلحے اس داستان کو نہایت توجہ سے سنا۔ بعض بعض جلوں پر دکھانے کے لیے آنکھوں سے آنسو بھی بہا دیے۔ اور جب شیریں سارا قصہ کہ کے ایک محسرت کے ساتھ خاموش ہوئی اور وہ اس کا مطلب سمجھا تو بولا یہ واقعی یہ بہت ہی دردناک داستان ہے لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شہر و شکر دے باہر کسی مالی شان قہر میں جا کے آپ جلوہ افروز ہوں۔ اور خسرو عہد انزوہ میں آکے آپ سے مل جائیں اس طرح آپ شہنشاہ کے قریب اور مریم کے شہر سے غمگین نہ رہیں گی۔

شیریں یہ یہ کہہ کر مکن ہے ہاں اول تو جب تک مریم موجود ہے میں پرویز سے ملنا اور

اُس کی صحبت میں رہنا پسند ہی نہیں کرتی۔ میں تو دل میں ٹھان چکی کہ مر جاؤں گی مگر عزت نہ دوں گی۔ دوسرے تمام وزراء دولت اور موبدوں پر مریم کا اثر ہے۔ اور سب میرے خلاف ہیں۔ اگر وہاں جا کے رہی تو اندیشہ ہے کہ لوگ بغاوت نہ کریں اور میری وجہ سے شہریار کو سلطنت نہ چھوڑنی پڑے۔  
**طلح** : اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ نہ آپ کو مریم سے کوئی ضرر پہنچ سکے گا۔ اور نہ شہر کو سخت چھوڑنا پڑے گا۔ باقی رہا آپ کا باعزت رہنا۔ اور گوہر مراد حاصل ہونے تک شاہنشاہ کی دست برد سے بچنا یہ آپ کے ضبط و تحمل پر منحصر ہے۔  
**شیرین** : لیکن میرے وہاں جا کے رہنے میں بجز صد ہا اندیشوں کے کوئی فائدہ کی صورت نہیں نظر آتی۔ خود شہریار پر وزیر بھی یہی چاہتے ہیں اور اصرار کر رہے ہیں کہ وہاں جا کے کسی جداگانہ قصر میں رہوں مگر میں انکار ہی کیے جاتی ہوں۔ مبادا میری وجہ سے کوئی نیافتہ اٹھ کھڑا ہو۔ آج کل اراے فارس میں سرکشی کا مادہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور افسوس شہریار پر وزیر باوجود انتہائے نیک دل ہونے کے کم زور ہیں۔ ردیوں کے مقابلے میں فی الحال جو فتح حاصل ہوئی ہے اس کا خیال نہ کرو۔ فارسی لوگ بجائے اطاعت کیشی کے اب عشرت پرست مغرور و سرکش ہیں۔ اور بادشاہوں سے بے وفائی کرنے پر بہت جلد آمادہ ہو جاتے ہیں۔

**طلح** : اے ملکہ پری تمہارا آپ ان فکروں کو دل میں نہ لائیں۔ جو تدبیر بن میں دل میں سوچ چکا ہوں ابھی اُن کو زبان سے بھگانا قبل از وقت ہے۔ مگر اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر آپ میری راے پر چلیں اور چند روز دستگرد میں جا کے رہیں تو یہ سارا غم دور ہو جائے گا کوئی امیر وزیر مخالفت کی جرات نہ کر سکے گا۔ اور تھوڑے زمانے میں آپ ہی پر وزیر کے دل کی مالک شہریار ساسانی کی بانوسے خاص۔ اور مملکت ایران کی ملکہ ہوں گی۔ خسرو پر وزیر کے مشکوے محترم میں بس آپ ہی آپ ہوں گی اور کوئی نہ ہو گا۔  
**شیرین** نے ایک بھولے پن کی اداسے اور حیرت کے ساتھ طلح کی صورت دیکھی اور کہا "اے حکیم عرب تیرے لفظوں میں کیا بات ہے کہ دل کو تسکین سی ہوتی ہے۔ میں نے آپ کو کبھی اتنا خوش نصیب نہیں پایا تھا جتنا اس وقت پاتی ہوں۔ تیری باتوں نے ایک جنت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے قائم کر دیا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے

بیداری نہیں خواب کا عالم ہے :

طلحہ مسکراتے ہوئے لکھ میں سچ کہتا ہوں کہ آپ اپنی محبت میں شاد کام ہوں گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ شہریار پر دین کا گناہ مان لیں۔ اور دینگر کے کسی ایوان کو اپنے قدم سے ردیف دین۔

شیرین : اچھا میں تمہارا گناہ مان لوں گی۔ لیکن تم کو بھی وہاں چل کے میرے پاس ہی رہنا ہوگا۔ اس لیے کہ جن دشواریوں کے پیش آئے کا اندیشہ ہے اگر ان کا سامنا ہوا تو تمہارے سوا کچھ کوئی نسلی دینے والا نہ ہوگا :

طلحہ : میں غلامی کو حاضر ہوں۔ اور جب تک لکھ پر ہی جانی کو کامیاب نہ کرالوں رفاہت نہ چھوڑوں گا۔ ہم صحرا سے عرب والے اگرچہ جاہل و وحشی ہیں مگر وفاداری اپنا جوہر سمجھتے ہیں۔ اور جو کتنے ہیں جب تک کہ نہ دکھائیں کسی دنیاوی لطف سے مسرت نہیں حاصل کرتے :

یہ جواب سن کے شیرین نے طلحہ کو احسان مندی کی نظر سے دیکھا اور کچھ کہنے کو تھی کہ طلحہ نے کہا : لیکن اب حضور نے دستگرد چلنے کا ارادہ کر لیا ہے تو کوشش کیجیو شہریار بہت جلد واپس روانہ ہوں۔ جتنی دیر ہوگی اُنہا ہی نقصان ہے :

شیرین : اب بادشاہ کو چلنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے ہمیری وجہ سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب میں ہی جاسے پر راضی ہو جاؤں گی تو کوئی تعجب نہیں کہ آج ہی تمام ہمارے بیٹوں کو واپسی کا حکم ہو جائے :

طلحہ : بس اب آپ اپنی رضا مندی ظاہر کرنے میں تامل نہ فرمائیے۔ بادشاہوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ حتی الامکان اپنے دارالسلطنت میں قیام کریں۔ جس قدر بادشاہ سیر و شکار اور غفلت و عشرت پرستی میں منہمک ہوتا ہے اسی قدر زیادہ لوگوں کو مخالفت کی جرأت ہوتی ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ ہمارے ملک دل رعایا پرورد شہریار و دیون کے مقابل میں ایک عظیم الشان اور نمایاں فتح کرتے آئے ہیں : شیرین : اسی فتح سے تو خسرو ہر برگیر کو اتنا اطمینان حاصل ہوا کہ مجھ سے ملنے کے لیے شکار کا بہانہ کر کے بیان آئے :

طلحہ : مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شہریار پر دین نے روم پر کیوں حملہ کیا ؟ یہ تو ہم کا تو

اُن پر احسان ہے۔ اور قیصر ہی کی بدولت ویسٹ سلطنت نصیب ہوا تھا۔ پھر اس مخالفت و  
عداوت کا سبب ہے۔

**شیرین**۔ اصل یہ ہے کہ گزشتہ قیصر روم جس نے شہر یار پر احسان کیا تھا اور  
اپنی بیٹی دی تھی اُسے خود رومیوں نے بغاوت کر کے قتل کر ڈالا۔ اور جس طرح  
یہاں بہرام چہین بادشاہ بن گیا تھا وہاں ایک رومی سردار قیصر بن گیا۔ شہر یار پر رومی  
یہ سن کے قیصر کے قدیم احسانات یاد کیے۔ اور فوج لے کے انتقام پر آمادہ ہو گئے۔ شہر یار  
ہی کی کوشش سے اب مرحوم قیصر کا بیٹا اور خود شہر یار کا سالار ہرقلوس روم کا فرمان و اطوار کا  
طلحہ یہ لیکن اگر شہر یار کی اتنی ہی عرض تھی تو روم کے تمام مشرقی ملکوں پر قبضہ کیوں  
کر لیا ہے؟

**شیرین**۔ ان ممالک کو شہر یار کے دادا نوشیروان عادل نے کسی زمانے میں فتح  
کر لیا تھا اُس زمانے سے ایرانیوں اور رومیوں میں ان ملکوں کے بابت جھگڑا چلا جاتا ہے  
رومی اُنھیں اپنا سمجھتے ہیں۔ اور شہر یار ایران اُن پر اپنا حق خیال کرتے ہیں۔ وہ  
~~وہیں سے شہر یار کے دادا نوشیروان نے ان ملکوں کو فتح کیا تھا۔ اور انہیں اپنے ملک کا حصہ بنا لیا تھا۔~~  
~~نئے ملکوں کو فتح کیا تھا۔ اور انہیں اپنے ملک کا حصہ بنا لیا تھا۔~~

شہر یار کو یہ خبر ہوئی تو اس نے اپنے وزیر کو بھیج کر کہا کہ اس نے اپنے ملک کو فتح کیا ہے  
نفسہ ہو اور وہ دشمنوں کے ظلم سے نجات پانے کے لیے تیرے لیے کوشش کرے۔  
طلحہ یہ جھگڑے تو غلبے ہی جائیں گے مگر ان باتوں سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ اب  
بریم کا کوئی زبردست حامی نہیں رہا۔ اور نہ شہر یار پر اس کا کچھ دباؤ ہے۔

**شیرین**۔ بے شک ہرقلوس اس قدر مغلوب ہو رہا ہے کہ اپنے ملک ہی کی حفاظت  
نہیں کر سکتا بہن کی کیا حمایت کرے گا۔ وہ خود اپنی زندگی سے عاجز ہے۔ ایرانی  
سردار ان فوج خطیبیہ کے محاصرے کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اُس کے سفیر و سنگو  
مین پڑے ہوئے ہیں کہ عجز و الحاح کے ساتھ شہر یار سے معافی مانگیں۔ ایسی حالت  
میں رومی مریم کی کیا حمایت کر سکیں گے؟ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ خود روم  
فارس اور سار اور بار ایران اُس کا طرفدار ہے جن کے خوف سے خود شہر یار  
بھی مجھ پر مہربانی کرتے دڑتے ہیں۔

طلحؑ کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ حکمت علی اور صبر سے ان تمام دشواریوں کو ہٹا سکتے ہیں۔

شیرین۔ (بے صبری کے لیے میں) ”مگر کیونکر؟“  
طلحؑ اس کو حضورؐ کا بھی نہ پوچھیں۔ بس بلا تامل خسرو گیتیستان کے ساتھ دستگرد شتر لے سچلیں۔ وہاں پہونچنے کے اگر کوئی مشکل پیش آئی تو یہ غلام وعدہ کرتا ہے کہ اپنی حکمت علی اور اپنی حکمت تبرہوں سے دم بھر میں دور گردے گا۔

شیرین۔ ”اندیشہ ہے کہ ہم کچھ دغا نہ دے۔“  
طلحؑ اور میں کہتا ہوں کہ مریم کو خود اپنی عزت و حیثیت سنبھالنا مشکل ہو گا وہ آپ کا تو کچھ بگاڑ سکتی ہی نہیں۔ اور یہ عربی غلام یقین دلاتا ہے کہ اُس کی قسمت کی بھی مالک حضورؐ ہی ہوں گی۔

شیرین۔ ”تھارے دعوے بہت بڑے ہوس ہیں۔ لیکن جو کچھ ہو میں تم پر بھروسہ کر کے دستگرد چلون گی خیر یہ تو بتاؤ کہ وہ تھارے کیا غرض ہے جس کے لیے اس سرزمین پر آئے ہو۔“

طلحؑ۔ اپنی غرض غلام اُسی وقت ظاہر کرے گا جب حضورؐ کو کامیاب کرانے کا۔ اپنی وفاداری کا اطمینان دے چکے گا۔ اور اس کا سختی ہو گا کہ حضورؐ میں کوئی در خواست پیش کرے۔“

شیرین نے حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے طلحؑ کو دیکھا۔ اور اُس کی غرض دریافت کرنے کے لیے دوبارہ اصرار کرتے کو تھی کہ ناگمان شاہی ہر کارہ دیبے رومی کی لاجوردی قبا پہنے اور ہاتھ میں ایک گلدستہ لیے ہوئے سامنے آیا۔ اور ادب سے زمین چوم کے عرض کیا ”خسرو گیتی پناہ نے یاد فرمایا ہے۔ اور دیر سے منتظر بیٹھے ہیں۔ یہ شاہی پیام سنئے ہی شیرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ طلحؑ کو اطمینان دلایا کہ اب بہت جلد دستگرد کی طرف کوچ ہو گا۔ پھر اشاروں اشاروں میں اپنی احسان مندی ظاہر کی۔ اور خیمہ سے محل کے پردیز کی محل عشرت کی طرف روانہ ہوئی۔

طلحؑ کی باتوں نے شیرین کے دل میں کچھ ایسی امیدیں پیدا کر دی تھیں اور آرزوئوں کے جواں روشن کر کے کامیابی کا ایسا یقین دلایا تھا کہ اُس کی حالت میں ایک فوری فیصلہ



ہو گیا تھا۔ یا تو پڑمردہ خاطر اور افسردہ دل تھی یا اب نہایت ہی نشاط اور شگفتہ ہے۔  
اُن فکروں اور پریشانیوں کا ٹام و نشان بھی نہیں جو ہر وقت دل میں کانٹے کی طرح کھٹکا  
کرتی تھیں۔ اب جو آکے پر ویز کی صحبت عیش میں بیچی تو چند ہی شاعرت میں اُس کے لطفوں  
اور اُس کی شوخ و اویوں نے وہ دلچسپ رنگ پیدا کیا کہ خسرو کو وہی پہلی عیش و نشاط  
کی صحبتیں یاد آ گئیں۔ معشوقہ شیرین ادا کی طبیعت میں یہ فوری انقلاب دیکھ کر سحر سا  
ہو گیا۔ اور بولا شیرین میں جانتا ہوں کوئی نئی خوشی کی بات ہوئی ہے جو میں تجھے ایسا شگفتہ  
باتا ہوں؟

شیرین۔ (ادب سے زمین چوم کے اور اقبالِ دولت کی وعادے کے) "جی ہاں لونڈی  
اپنی طبیعت کا اندازہ کر لیا کہ شہریار گردون و قمار کی مفارقت میں صبر نہ کر سکے گی۔  
لہذا دل میں ٹھکان لی کہ حضور کے ہمراہ دستگرد چلون گی۔ لونڈی بن کے رہوں گی۔  
اور جس طرح بنے گا بنا ہوں گی؟"

یہ خلاف امید جواب سنتے ہی خسرو پر ویز کا حیرہ خوشی سے چلنے لگا۔ جوش میں آکے  
شیرین کو اغوشِ شوق میں کھینچ لیا۔ اور اُس کے لبِ لعلین کا ایک ہی بوسہ لینے پایا تھا۔ کہ  
معشوقہ رنار آفرین پارے کی طرح تڑپ کے گود سے نکل گئی۔ اور ذرا ہٹ گئی اور  
الگ بیٹھ کے پریشان زلفوں کو درست کرنے لگی۔ خسرو فرخِ ثرا دے اس جانِ شان  
ناز آفرینی پر سحر ہو کے اُس کی صورت دیکھی اور بے تراسی و بیباکی کی شان سے کہا۔  
"دیدار سے نمائی وہ ہیرے گئی؟ باز خوشی و آتشِ ماترے کئی؟"

شیرین۔ (پر ویز کے سانسے زمین پر گر کے اور آبدیدہ ہو کے) "اے مالکِ تاجِ خرو  
ہاے صاحبِ دہیم شہریار۔ لونڈی حضور کے ہمراہ اور دستگردِ دین رہ کے اطاعت  
فرمان برداری کو خاطر ہے۔ مگر حضور یہ نہ خیال فرمائیں کہ ملکہ امین کی بیٹی کوئی ذلیل اور  
بے ننگ و ناموس لڑکی ہے؟ یا خود شہزادی اُس کے دماغ سے نکل گیا۔ چاہے  
جان رسے اور جس مقام پر ہو یہ خیال دل سے نہ نکلے گا کہ باتو بانوس شہریار بنے گی۔  
اور باندہ مفارقت میں کھل کے اور آتشِ بھران میں جل کے جان دے گی؟"

خسرو پر ویز اپنی دست درازی پر کسی قدر نادم ہوا۔ اور معذرت خواہی کے  
طریقے سے بولا "مجھ سے غلطی ہوئی شیرین مجھے تیرا عہد نہیں یاد رہا تھا۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ تو

میرے ساتھ چلے اور مجھ سے قریب ہی رہنے کا وعدہ کرتی تھی۔ اگرچہ اس حال میں تیری صحبت اور زیادہ باعث حسرت ہوگی۔ آگ جتنی نزدیک ہوتی ہی اس کی گرمی اور زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر میں اسے بھی اپنی خوش نصیبی خیال کرتا ہوں کہ تو کا مجھ کو نہیں تو دلدار ہی دلداری ہی کو موجود ہے۔

شیرین "لونڈی ہر طرح شہریارہ پر گیر کی دلجوئی کو حاضرت ہے۔ لیکن جب تک مریم موجود ہے برہنہ ہو سکتا کہ اپنی دو شیرازی دیا کہ امی کا غور بھول جائے۔" پر و نر "افسوس۔ میں بڑا بر نصیب ہوں۔ صحبت میں ہزار ہا بری چہرہ دھل اندام دلربا تین موجود ہیں۔ اور ہر ملک و ہر قوم کی نہ جہنم لڑکیاں میری ایک ادنیٰ توجہ کو اپنے سے سرمایہ افتخار سمجھتی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی میرے دل کی پتھرائی کو دیکھ نہیں کر سکتی۔ لیکن شیرین یہ چیز صرف تیرے ایک تہم ناز سے ممکن ہے۔ مگر افسوس تجھ پر میرا زور نہیں چل سکتا مجھے نہیں منظور کہ دارا سے بچ ایک گھڑی بھی آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرے۔"

یہ سن کے شیرین اکبر بدہ ہو گئی۔ اور پڑ در آداز میں ایک ٹھنڈی سانس لے کے بولی۔ "بس اب حضور زخم جگر پر نمک نہ پھڑکین۔ افسوس۔ اس سے زیادہ کی تاب نہیں۔ بس یہی بہتر ہے کہ حضور ان خیالات کو دل سے نکال ڈالیں۔ اور اگر ساتھ لے چلتا ہے تو اپنی پرانی ارمنی پر ستار کو بجائے حرم یا بی بی کے حرفت ندیم صحبت بنا کے لے چلیں۔"

حضور "اگرچہ اس سے شوق کی آگ نہیں بجھ سکتی۔ اور ہوس کے شعلوں پر پانی نہیں پڑ سکتا۔ مگر اس کو بھی اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا کہ تجھ سے یہ تمام صحبت وہم پہلو رہے گی۔ تیری شان دلربائی اور تیرے غور شاہزادگی سے اتنی بھی امید نہ تھی۔ اب میں واپسی کا حکم دیتا ہوں۔ اور تجھے کسی قسم کا تامل تو نہیں ہے۔"

شیرین "پھر زمین چوم کے، تامل کس بات کا؟ لونڈی خود ہی عرض کرے کہ تو تھی کہ اب شہریارہ زور کو دے سگڑہ بن تشریف لے چل کے قیام فرمانا چاہیے۔"

شہریارہ کو اپنے وار السلطنت ہی میں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ ہزار ہا ہنگامے اٹھا کر طے ہوئے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ میر و خمار اور حبش طرب بن مشغول رہے۔

کوئی فتنہ اس قدر بڑھ جائے کہ اُس کے دور کرنے میں دشوار یا نیش آئیں۔ اسی وادی اور اسی روز بوم کے جشنوں نے بہرام جوین کا ہنگامہ بیا کیا تھا۔ اور افسوس میری ہی صحبتوں کا انجام تھا کہ شہریار کو مجبور ہونا پڑا اور ہم نے میری جگہ لے لی۔“  
 خسرو اگرچہ اندولہین تھا مگر شیرین کے اس آخری جملہ پر اُسے ہنسی آگئی۔ اور بولا: ”اے میری پیاری اور خیر طلبہ شیر باتدبیر تیرے مشورے کو میں خوشی سے قبول کرتا ہوں۔ اور دندہ کرتا ہوں کہ کبھی تیرے حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ یہ کہہ کے خسرو پرویز نے ہمارا ہون کو اپسی کا حکم دیا۔ اور دوسرے ہی دن شاہی سواری جنوب کی طرف روانہ ہوئی۔ ہر منزل پر جشن طرب کے سامان فراہم ہوتے فتنہ و سرود کی آواز بلند ہوتی۔ شیرین کی ناز آفرینان پرویز کے دل پر عشق و محبت تیر برساتیں۔ اور وہ اس کی ہر ہر ادھر بیتیاب و بقرار ہو جاتا۔ شیرین کے خاص ہمارا ہون میں سب سے نمایاں طلحہ تھا۔ جو بالکل مخفی طریقہ سے شاہی لشکر کے ساتھ رہتا۔ اور وقتاً فوقتاً شیرین کو دہری و رعنائی کے سبق دے دیا کرتا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ شیرین کا جس قدر اثر پرویز کے دل پر ہے ایک کی جگہ چار حصہ زیادہ ہو جائے تاکہ اس ذوق و شوق اور اس بے قراری عشق سے وہ جب اور جس قسم کا فائدہ اٹھانا چاہے اٹھالے۔

## بایکسوان باب

طلح دربار خسروی میں

ہمارا موسم تھا۔ اور جشن نوروز کا زمانہ قریب آگیا تھا۔ باغون اور غزلوں کی سرسبزی درون دیکھنے کے قابل تھی۔ درختوں اور چھوٹے چھوٹے پودوں میں کلیان آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اور صحن گلشن میں نئی نئی جونوں پر آئی ہوئی دوشیزگان جن کا حسن و جمال ہر آنے جانے والے کی دلکشی و دلربائی کر رہا تھا۔ بعض بعض بچوں نے بھوم سرت یا ذوق خود نمائی کی جوش میں مسکرانا بھی شروع کر دیا تھا۔ اُن کے نازک ہونٹھ کھلنے لگے تھے اور حنی طبع واز خود رفتہ طہور کا جنون عشق بڑھتا جاتا تھا۔ جس طرح دل از دست دادہ نوجوان کسی کا فریاد کی گئی میں

جکڑ لگاتے ہیں اسی طرح ان عاشقانِ باغِ قدرت کے غولِ فرشتہ جھولن کی بہار  
 دیکھنے اور انھیں اپنی داستانِ غم سنانے کے لیے جنونِ مین آکے تاوے لگا رہے تھے۔  
 ایسا نازک اور ایسا پر جوش زمانہ تھا جبکہ خسروِ پرویز کی سواری بادِ بہاری سے  
 فرحت بخش جھولن کی طرح خوبصورت و خوش سوا شہر و سنگرد میں داخل ہوئی۔  
 سیرِ مین کے شوقین جب گلگشت کی دھن مین گھر سے نکلے ہیں تو معشوقانِ بزمِ قدرت  
 یعنی پھولوں اور چمن کے نازنیوں کے حسن و جمال کی زیارت سے پہلے انکی روح افزا  
 اور براہِ گنجہ کرنے والی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کر لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح پرویز  
 کے پہونچنے سے پہلے ہی پری جمال ناز آفرین شیرین کی آمد آمد کی خبر و سنگرد کے ہر گھر  
 میں پہونچ چکی تھی۔ شیرین کے ناز آفرینیوں اور پرویز کی بتایوں و ہیرا ریبوں کی بلا  
 فارس میں اس قدر شہرت پھیلی کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اور کس و نا کس اُس ارمنی پری چہرہ  
 کے حسن و جمال کی زیارت کا شائق ہو رہا تھا۔ لیکن مریم کے غم و غصہ کی کوئی انتہاء تھی۔  
 اُسے یقین تھا کہ شیرین اگر چند روز بھی شہرِ یارِ ایران کے پہلو میں رہی تو مین کہیں کی  
 نہ رہوں گی۔ اور فوراً شہرِ یار کی نظروں سے گر جاؤں گی۔ پرویز ابھی کئی منزل  
 باہر تھا کہ مریم نے تمام ارکانِ دولت اور موبدانِ مملکت کو سائے بوا کے اپنی  
 مصیبت اور شہنشاہ کی بیوفائی و بے مہر کی شکایت کی۔ اور یورپین مذاق کی کلی  
 خوبصورت آنکھوں کو بزمِ غم کے نہایت ہی سوز و گداز کے لمحے میں کہا: اگرچہ مین ایک  
 بڑے زبردست شہنشاہ کی بیٹی ہوں۔ مگر اب تمھارے سوا کوئی مونس و غمگسار نہیں رہتی  
 باغیوں نے میرے والد کی جان لی۔ بھائی ایسی شکست کھا چکے کہ اُن کا کچھ زور نہیں  
 چل سکتا۔ ایسی حالت میں سوا تم لوگوں کے مین کس سے اور کس کے سائے  
 فریاد کروں؟

مریم کی یہ پروردِ داستان سن کے تمام امرا سے عجم کے دل بھر اُٹے۔ اور سب نے  
 بالاتفاق کہا: اے بانو سے جہان آرا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کی عزت و حرمت  
 میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔ ولیِ مہم سلطنت شاہزادہ شیردیز کی آپ مان ہیں۔ اور  
 سلطنت میں سوا آپ کے اور کسی کو دخل نہیں ہو سکتا۔ ہم سب ماہ و خورشید اور آتش  
 پاکِ شہرت کو گواہ کر کے وعدہ کرتے ہیں کہ آج تک حضور ہی کا ساتھ دیں گے

اور شہر یار پر ویزے اُسی وقت تک خوش ہیں جب تک آپ اُن سے ناراض نہیں ہوں۔  
مریمؑ تمہارے وعدوں سے میرے دل کی بڑی تسلی ہوئی۔ لیکن پھر میں یاد دلاتی ہوں کہ  
اگر تم میرا ساتھ نہ دے سکو اور شہر یار کو شیرین کے پہلو سے نہ جدا کر سکو تو بہتر ہوگا کہ  
اُن کے آنے سے پیشتر ہی مجھے قسطنطنیہ پہنچا دو۔ جہاں سینٹ ہلنا اور بعض اور  
رومی شاہزاد یوں کی طرح میں دنیا کو ترک کر دوں گی۔ اور بیت المقدس میں جا کے  
باقی زندگی رہبانیت میں بسر کروں گی۔

موبد اعظم۔ (یار سینوں کا سب سے بڑا مقتدا) ”ملکہ۔ آپ اطمینان رکھیں۔ شہر یار  
پر ویز یوں اچانک جو کریں مگر آپ کی دل شکنی نہیں کر سکتے۔ اور نہ یہ کر سکتے ہیں کہ  
آپ کی قدر و منزلت میں کسی قسم کی کمی کریں۔“

مریمؑ۔ (موبد اعظم کا ہاتھ چوم کے) ”بس میری تمام امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں۔  
اور آپ ہی کے اختیار میں ہے کہ چاہے عزت دین اور چاہے ذلیل کریں۔“

یہ کہہ کے اوریون عجز و الحاح اور خوشامد سے مریمؑ نے دستبرد کے تمام دینی مقتداؤں  
اور ملکی سرداروں کو اپنے موافق اور اپنا ہمدرد بنالیا۔ پھر ہمدردان لے گئے۔ اور  
اپنی احسان مندی ظاہر کر کے سب کو رخصت کیا۔ مریمؑ کی اس کارروائی نے مارے

شہر میں ایک عجیب ناراضی پھیلادی۔ اب جو لوگ شیرین کی پیاری دلربا صورت  
دیکھنے کے مشتاق تھے وہ بھی غضب آلود اور نہایت ہی برہم نظر آتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

جب شہر یار عجم دستگرد میں داخل ہوا تو بہت ہی کم لوگ اُس کے استقبال کو سکے۔ اور  
وہ جسے نظر اٹھا کے دیکھتا کشیدہ خاطر اور رُکا ہوا نظر آتا۔ پر ویز اپنے امرا سے دولت کا

یہ برتاؤ دیکھ کے پہلے تو متعجب ہوا۔ پھر خیال کیا کہ غالباً شیرین کے ساتھ لائے گئے وہ جسے  
لوگ ناراض ہیں۔ لیکن ابھی اُس کے دل میں ایک شک سا تھا۔ کہ ایوان شہر یاری

میں پہنچ کے بعض خیر خواہوں کی زبانی اصل ماجرا سنا۔ اور معلوم ہوا کہ بے ساراکیا  
دھرا مریمؑ کا ہے۔

پر ویز عشرت پرستیوں میں چاہے کتنا ہی سہمک ہو مگر مزاج کا برا نہ تھا۔  
یہ کبھی نہیں پسند کرتا تھا کہ کسی کو بے وجہ و بے محل غرر پہنچا دے۔ مریمؑ کے ساتھ

اگرچہ اپنی خوشی کو نکال نہیں کما کھا مگر اسے بالخصوص بنائے کے بعد یہ ہرگز نہیں پسند کرتا

تھا کہ اُس کے دل کو کسی قسم کا آزار پہونچے۔ یا کوئی ایسی کارروائی علیحدگی میں اُس سے  
 اُس کی دشمنی ہو۔ مگر مریم کو شیرین کی رفاقت کے جوش نے ایسا زخو درفتہ کر دیا کہ بغیر اُس کے  
 نیک و بد کا خیال کرے کمال ناعاقبت اندیشی سے خود اپنے نیک دل شوہر اور بہر دو  
 شہربان شہر یارگی آزار رسانی کے درپے ہو گئی۔

پر دینے و سگرو میں داخل ہوتے ہی حکم دیا کہ کل دربار سے۔ یہ حکم دے کے مشکوے  
 شہر یار میں گیا وہاں مریم بھی خاموش اور رکی ہوئی ملی مگر بغیر اُس کے کہ اس  
 گستاخانہ سے تو بھی کچھ لحاظ کرے مریم کی خراج پرہی کی۔ اُسے تسلی دی۔ اور  
 اپنی اتنے دنوں کی غیبت کے متعلق عذر خواہی کرنے لگا۔ مریم بھی تو بیٹھی ہی تھی۔ بڑی  
 شہنشاہ کی زبان سے استات کے الفاظ سن کے اور برہم ہوئی اور رقابت کے جوش میں  
 اور نیز امرا سے فارس کے وعدوں کے گھنٹہ پر ایسی از خود رفتہ ہو رہی تھی کہ پرویز  
 کی طرف غضب آلود چو تنوں سے دیکھ کے کہا "اب میں اس قابل نہیں کہ شہر یار  
 میری خیریت پوچھیں۔"

پر دینے پھر بھی دلہی کی کوشش کی۔ اور ہاتھ پھیلا کے بڑھا کہ مریم کے گلے میں  
 بائیں ڈال دے۔ مگر اُس نے ہاتھ جھٹک کے الگ کر دیا۔ اور بولی۔ "جو ہاتھ شہر یار  
 گلے میں پڑے گا میں میرا ہاتھ اُن کے قابل نہیں۔"  
 یہ جملہ پرویز کی آتش غضب کے بھڑکا دینے کے لیے کافی تھا۔ لیکن اُس نے  
 اب بھی ضبط سے کام لیا۔ اور اُسی طرح محبت و شفقت کے لہجہ میں بولا۔ "مریم! مجھ سے  
 بدگمان نہ ہو۔ شیرین سے مجھ سے سوا اس کے کہ پاس اٹھتی بیٹھتی ہے اور اُس کی  
 باتوں میں ایک قسم کا لطفت آتا ہے اور کوئی تعلق نہیں۔"

مریم۔ (غضناک تہم و ابرو سے) "تعلق نہیں تو وہ ساتھ کیوں آئی ہے؟"  
 پرویز۔ "چند ہی روز میں یقین معلوم ہو جائے گا کہ میرے پاس صرف ایک باندہ  
 دوست کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہے۔ وہ باعفت و پاک دامن ہے۔ اور اُس پر  
 کسی کا کچھ زور ہی نہیں چل سکتا۔"

مریم۔ "ایسی بازاری عورتیں جو شرم و حیا چھوڑ کے غیر مردوں کی صحبت میں رہیں  
 اُن کو باعصمت سمجھا آپ ہی کا کام ہے۔"

یہ جملہ پرویز کو گہمایت ناگوار ہوا۔ شیرین سے اُسے محبت تھی۔ اور یقین تھا کہ ناز و نیاز  
شاہزادی اور مین ہر کیفیت سے باعث و پاک دامن ہے۔ اُس کی نسبت مرثیہ نے جو  
نازاری عورت کا لفظ استعمال کیا تو خسر کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ تاہم مصلحت  
سمجھ کے خاموش ہو رہا۔ مگر اب زیادہ خوشامد بھی اچھی نہ معلوم ہوئی۔ چپکے سے اُنھ کے  
باہر چلا آیا۔

یہ رات اُسے طرح طرح کی فکر دین میں بسر ہوئی۔ شیرین بھی پاس نہ تھی کہ کچھ  
مل دہی کرتی۔ اور اس کی محبت امن باتوں سے کچھ غم غلط ہوتا۔ وہ تو جیسا کہ پہلے ہی  
سے قرار پا چکا تھا شہر و شکر کے باہر ایک پر تکلف ایوان میں ہے جو ایک جان فزا  
باغ کے اندر واقع ہے۔ الغرض شہر یا رجم نے ساری رات ہجوم انکار سے اُلجھ  
اُلجھ کے اور کروٹیں بدل بدل کے کاٹی۔ صبح تڑپ کے ہی سے دربار کا سامان ہونے لگا۔  
امراء و سوار و مقتدایان دین کے لیے حسب عزت و مرتبہ قرینے سے کرسیاں بچھائی  
تخت خسروی اُڑا ست کیا گیا۔ اور نو حین حسب دستور ایوان شہر یاری کے اندر  
باہر حنین باندھ کے کھڑی ہو گئیں۔ یہ سب سامان زراہم ہو گیا مگر امرا سے دولت میں  
سے ایک کی بھی صورت نہیں نظر آئی۔ گویا ایک سر سے سب آٹے کی قسم کھالی۔  
آخر دیر کے بعد جب دربار کا معینہ وقت گزر گیا تو معلوم ہوا کہ مریم کی سازش سے  
اور شیرین کے ساتھ آنے کی وجہ سے کل وزراء و امراء افسانہ ہیں۔ اور دربار میں  
آنے سے انکار کرتے ہیں۔

اس امر نے خسر و پرویز کو اور بھی زیادہ مشوش کر دیا۔ دیر تک اپنے کمرے میں بیٹھا  
بیٹھا سوچتا رہا۔ اور جب کسی طرح دل نہ لگا تو کھوڑے پر سوار ہوا۔ کھوڑی سی  
فوج ساتھ لی۔ اور دوشکر کے باہر اُس باغ میں آیا جس میں شیرین ٹھہری ہوئی  
تھی۔ پیری چہرہ ماہ سیا کی زیارت سے دل کو ایک گونہ مسرت حاصل ہوئی تھی کہ  
ہجوم انکار نے پھر گھیر لیا۔ اور شیرین کی طرف دیکھ کے بولا: "افسوس۔ تمھارے  
بیان آنے کی وجہ سے تمام امرا سے دولت برہم ہیں۔ اور مریم کی سازش نے سارے  
زبانے کو میرے خلاف کر دیا ہے۔"

شیرین۔ (ایک ناز و انداز کے ساتھ) "تو میں چلی جاؤں؟"

یروڈیز۔ (نٹھڑی سانس لے کے) "آہ! بے تاب وصل دارم۔" وقت جدائی  
 شیرین۔ (آبدیدہ ہو کے) "حضور۔ یوڈی اگرچہ مردم کے مقابلہ میں اپنے غم و ناز  
 سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ مگر شہر یار ایران کی نوڈی ہے۔ اور اپنے آقا پر جان  
 فدا کرنے کو ہر وقت تیار۔ نوڈی کو یہ امر ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہ ہو گا کہ کبھی اس کی  
 وجہ سے حضور کو کسی قسم کا نقصان پہنچ جائے۔ میرے یہاں رہنے میں اگر خدا بھی  
 دشواری ہو تو حضور سمجھ واپسی کی اجازت دیں۔ اور میں خوشی سے اپنے وطن میں  
 جا کے صبر و ضبط کے ساتھ فراخ دہجہ کا زمانہ جھیل لوگوں کی جس بات کی مدت سے  
 عادی ہو رہی ہوں۔"

یہ باتیں سن کے خنر و یروڈیز کا دل بھر آیا۔ اس وقت تک تو وہ بڑے استقلال  
 کے ساتھ ضبط کرتا رہا تھا۔ مگر اب دامن صبر چاک ہو گیا۔ اور بچوں کی طرح  
 زار و قطار رونے لگا اس کی یہ حالت دیکھ کے شیرین مین ضبط کی تاب کمان رہ سکتی  
 تھی۔ ایک بے اختیاری کے جوش کے ساتھ اوشاد سے لپٹ گئی۔ اور وہ بھی پھوٹ  
 پھوٹ کے رہنے لگی۔ چند ساعت کے بعد جب دونوں دونوں کی تھوڑی بہت  
 بھڑاس نکل گئی۔ اور رونا مو قو نہ ہوا تو شیرین نے چمکیاں لے لے کے کہا "اب یہی  
 مناسب ہے کہ حضور مجھے رخصت کریں۔"

یروڈیز شیرین۔ مجھے سارا ملک بغاوت پر آمادہ نظر آتا ہے۔ اور اس ذلت کی  
 سلطنت سے تو یہ اچھا ملازم ہوتا ہے کہ تاج خنر دی سر سے اتار کے پھینک دوں  
 اور میں بھی تیرے ساتھ ملک امن میں چل کے امن و امان اور بھگتری و آسائش  
 کی زندگی بسر کروں۔"

شیرین۔ "حضور بادشاہوں کے بیٹے۔ استقلال کی ضرورت ہے۔ ایسی کمزوری کا  
 میں ہرگز مشورہ نہ دوں گی کہ آپ تخت شہنشاہی چھوڑ کے باغیوں اور دشمنوں  
 کو کامیابی کا اور زیادہ موقع دے دیں۔"

یروڈیز۔ "میں آخر تک استقلال دکھانے کو موجود ہوں۔ مگر اس کو کیا کر دں کہ  
 یکڑو تہتا ہوں۔ اور ایک سرے سے تمام مشہور دن اور دیزوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔  
 ایسی بے کسی کی حالت میں کوئی کیا کر سکتا ہے؟"



شیرین: ”ذرا اہل کر کے“ اگر حضور کو کسی عمدہ شیر کی ضرورت ہے تو میں ایک نہایت ہی لائق شخص دے سکتی ہوں۔ کیا عجب کہ اپنے دعوے کے مطابق اس مشکل میں وہ کوئی عمدہ تدبیر پتا لے۔“

بروز: ”کوئی ایسا شخص تیرے پاس ہے؟“  
 شیرین: ”ایک عربی نژاد شخص ہے جو عرب کے مختلف درباروں میں رہ چکا ہے۔“  
 بروز: ”اور وہ یہاں موجود ہے؟ اگر ہو تو ضرور بلاؤ۔“ عرب لوگ گو کہ وحشی ہوتے ہیں مگر ہمیشہ بہادر اور جبروت کے نازک موقعوں پر وفادار اور مستقل مزاج ثابت ہوتے ہیں۔ ہماری اس دولت خازن کو بھی قدیم زمانوں میں ہمیشہ عربی سرداروں اور شیرینوں سے مدد ملی ہے۔ منذر و نعمان جو بہت مدت ہوئی اس سلطنت کے وفادار سردار تھے بڑے ہی حیران دیش و خیر خواہ سمجھے جاتے ہیں۔ شیرین اس شخص کو جلدی اور ضرور بلاؤ۔ شاید اس بارے میں اس سے کچھ دلتے۔“

شیرین: ”ابھی بلاتی ہوں۔ مگر خرابی تو یہ ہے کہ وہ فارسی زبان نہیں جانتا۔ اور اس سے مشورہ لینے میں ایک تیسرے شخص کو بھی رازدار بنانا پڑتا ہے۔ مگر میں نے اٹنا کیا ہے کہ ایک عربی نژاد ہی مترجم بھی فراہم کر لیا ہے۔“  
 بروز: ”بس اب اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور جس شخص پر تجھے اطمینان ہو تجھے بھی ہے۔“

شیرین: ”تو نوٹدی جاتی ہے۔ اور اُسے خود اپنے ساتھ لے کے حاضر ہوگی۔“ یہ کہہ کر شیرین بروز کے پاس سے اٹھ کے اُس کمرے میں گئی جس میں طلح ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک خادمہ بھیج کے مترجم کو بلوایا۔ اور جب وہ آیا تو طلح کو بتایا کہ دارا سے ایران نے یاد کیا ہے۔ اور کس ضرورت سے وہ شہنشاہ کی خدمت میں باریابائی کی عزت پاتا ہے۔ یہ بتانے کے اور سمجھا بھلا کے اُسے اور مترجم کو ساتھ لے ہوئے خسرو پر وزیر کے سامنے آئی۔ بادشاہ کی صورت دیکھتے ہی طلح نے ادب سے سجدہ کیا۔ اپنی عربی زبان میں دعا سے دولت دی۔ اور باریابی پر نہایت ہی فخر و عزت کا اظہار کیا۔ پر وزیر نے اُسے بیٹھنے کی اجازت دی۔ اور کہا ”عرب لوگ ہمیشہ سے اس سلطنت ساسانی کے وفادار دوست ثابت ہوئے ہیں۔ اور اُن کی مدد سے ہر زمانے میں دولت

خسروی کو فائدہ پہونچا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نازک موقع پر آپ کی ہر ایک بات کو ہم قوم رؤسا کی طرح میری مدد کر دے گا۔ یہ کہہ کے پردی نے اپنے اور شیرین کے تعلقات - مریم کے حالات - ورد و شکوہ کے بعد مریم سے ملنے اور دربار میں ناکام ہونے کی سرگزشت - اور رؤسا سے عجم کی عداوت و مخالفت تمام باتیں بیان کیں۔ اور کہا "اب تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"

طلحہ - زمین چم کے اور کسی قدر اطمینان و لا پرواہی کے تیوروں سے، حضور ابراہیم کی عجم کی نسبت ہمیشہ سے مشورہ ہے کہ غیر مستقل اور نہایت ہی تسلون مزاج ہیں۔ وہ جتنی جلدی بے وفائی پر مکر باندھتے ہیں اتنی ہی جلدی موافق بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

پردیوز - مگر جب وہ دربار ہی میں نہیں آتے تو کیونکر موافق بنانے کی کوشش کی جاسکتی ہے؟

طلحہ - بہت آسانی سے۔ حضور اب پھر ایک دربار مرتب فرمائیں۔ اور سب کو آدمی بھیج سکے اور خاص طور پر مدعو کر کے بلائیں۔ اور اشارۃً یہ بھی ظاہر فرمادیں کہ کوئی کارروائی اُن کے خلاف نہ کی جاسکے گی۔ اور جو وہ کہیں گے اُس پر عمل کیا جاسکے گا۔ اس کے بعد ممکن نہیں کہ وہ حاضری سے انکار کریں۔

پردیوز - "زمن کیا کہ وہ آج بھی گئے مگر یہ کیونکر ممکن ہو گا کہ میں شیرین کو علیحدہ کر دوں جو مجھے جان سے زیادہ پیاری ہے اور جس کے بغیر مجھے اپنی زندگی دشوار نظر آتی ہے؟"

طلحہ - اگر وہ دربار میں آگئے اور ضرور اُمین گئے تو حضور جس امر کو چاہیں اُن سے منظور کرایا جاسکتا ہے۔

پردیوز - مجھے تو وہ نہایت ہی سرکشی پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ اور اُن کا موافق بنانا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

طلحہ - حضور اُس موقع پر اس غلام کو بھی باریابی کی اجازت دیں۔ اور غلام اگرچہ غیر مہتمم کے گفتگو نہ کر سکے گا۔ مگر حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ کس آسانی سے اُن سب کی رائے پلٹ دیتا ہو غلام عدو کتا ہی اگر وہ سرکش و بدخواہ بانوسے شہر پار کی

مخالفت پر تیار ہوا ہو تو حضور کے بھی خلاف نہ رہیں گے۔  
 پرویزؑ بس میں اسی قدر چاہتا ہوں۔ اور باوجود ان تمام مخالفتوں کے مریم کو  
 ضرور پہنچانا نہیں چاہتا۔  
 طلحہؑ یہی اصول اس غلام کا بھی ہے کہ اپنی کوشش سے جہاں تک ممکن ہو فائدہ  
 پہنچائے اور ضرر رسائی و انداد ہی سے بچے۔  
 پرویزؑ اگر اس امر میں تمھاری کوشش سے مجھے کامیابی ہوئی تو تم بھر تمھارا ممنون  
 احسان رہوں گا۔ اور تمھیں میری سلطنت سے بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔  
 طلحہؑ حضورؐ غلام کو زیادہ ہوس نہیں۔ اور نہ اس چند روزہ دنیا سے رنی میں  
 زیادہ کامیابی و منفعت دہری کی آرزو ہے۔ حضورؐ کو فائزہ کا میاں دینے سے زیادہ  
 کوئی خوشی اس غلام کے لیے نہیں ہو سکتی۔  
 پرویزؑ اس جہاں پر طلحہ کو حیرت سے دیکھا اور کہا "تو میں کل سے تیرا دربار کا  
 سامان کرتا ہوں۔ تمھیں حاضر رہنا ہو گا۔"  
 طلحہؑ حضورؐ جس وقت یاد کریں گے غلام حاضر ہو گا۔  
 اس کے بعد طلحہؑ نے زمین ادب چومی اور اپنے مترجم کے ساتھ اس محبت سے  
 اٹھ کے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پرویزؑ نے شیریں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تمھاری  
 عنایت سے مجھے یہ نہایت ہی قابل قدر آدمی ملی گیا۔ اور یقین ہے کہ اس کے حسن تدبیر  
 سے مجھے اپنے تمام اعراض میں کامیابی حاصل ہوگی۔ پھر اس نیاقت و دانائی کے  
 ساتھ یہ شخص بالکل بے غرض اور بے نفس معلوم ہوتا ہے۔"  
 شیریںؑ بالکل۔ اور ہر کام کو بڑی ذہانت و ہوشیاری سے انجام دیتا ہے۔  
 پرویزؑ ایسا لائق و مدبر شخص تمھیں وہاں ارمن میں کیونکر مل گیا؟  
 شیریںؑ وہن شکار گاہ میں اور حضورؐ کی رونق افزائی کے بعد اتفاقاً یہ حکیم  
 میرے ہاتھ لگ گیا۔ اور مجھے قرینہ سے معلوم ہو گیا کہ نیاقت کے علاوہ یہ بڑا سیاح  
 اور کامیاب بھی ہے۔ اور پچ تو یوں ہے کہ لٹڈی کا ارادہ حضورؐ کے ہمراہ رکاب بیان  
 آنے کا نہ تھا۔ صرف اسی کے مشورے سے اور اسی کی تدبیروں پر بھروسہ کر کے  
 یہ کنیز چلی آئی۔

پرویز - (خوش ہو کے) "یہ بھی میرے ہی اوپر اُس کا احسان ہے کہ مجھ کو اپنے کسی  
 ترے دی - خیر اب جاتا ہوں - دربار کا سامان کروں - اور ناسپاس و زراعت  
 عجم کے پاس پیام بھیجوں - کل جس وقت میں آدمی بھیجوں اُسے فوراً روانہ  
 کر دینا"

شیرین نے اُسی وقت اس گفتگو کے بعد شیرین سے رخصت ہو کے پرویز  
 اپنے ایلان خسروی میں آیا - اُسی وقت درباری غلام تمام ارکان دولت کے  
 پاس گئے - دیار کا حکم سنایا - اور سب کو خاص شاہی پیام سنایا کہ شہر یار عجم آپ سب  
 امرا و دولت کی راہ دریافت کرنا چاہتے ہیں - اور آبادہ ہیں کہ سب لوگوں کی کس طرح ہو  
 اُسی پر عمل کریں - مغرور امراے عجم کے گردیدہ کرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ملک  
 دہم خسروی اُن سے دو تباہ اور اُن کی راہ پر عمل کرنے کو موجود ہے - سب نے  
 آنے کا وعدہ کیا - اور دوسرے دن کا دربار تمام معزز مشرفا و رؤساء فارس سے  
 بھرا ہوا تھا - دستگردین کوئی ایرانی سردار نہ تھا جو اُس میں موجود نہ ہو - موبدان  
 موبد یعنی مقتداے اعظم دین زرتشتی بادشاہ کے تخت کے برابر بیٹھا - اُس کے بعد  
 غلام ملک و وزراء دولت اپنے اپنے رتبہ کے موافق زر نگار کرسیوں پر متمکن  
 ہوئے - اور بادشاہ کے حسب الطلب طلح بھی آکے تخت کے چھ آدب سے بھر دیا  
 ہو گیا - اور اُس کے برابر وہ شخص تھا جو اُسے ہر بات ترجمہ کر کے بتا دیا کرتا تھا -

جب سب لوگ آگئے تو خسرو بہر ویر تخت سلطنت پر اُس کے جلوہ افروز ہوا سب  
 لوگوں نے دماس دولت دی - زمین بوسی کی - اور ادب سے اپنی اپنی جگہ پر  
 بیٹھ گئے - اب ہر ایک کو خاموش دیکھ کے خسرو پرویز نے سب کی طرف متوجہ ہو کے کہا  
 اے امراے دولت عجم - واسے حامیان تاج خسروی - میرے بہادر و اور میرے ہیلوانو  
 تمہارے طرز عمل سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ تم لوگ مجھ سے ناراض ہو -  
 جس کا مجھے ہوتا حسرت ہے - سن بھی کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہتا جو تمہارے  
 مذاق و اغراض کے خلاف ہو - اس لیے کہ تم ہی لوگ سلطنت کے زیور اور تاج  
 تخت کے محافظ ہو - مگر تمہارا فرض تھا کہ جو چیز یا میرا جو فعل تمہارے خلاف  
 ہوتا اُس سے مجھے آگاہ کرتے - اور موقع دیتے کہ تمہاری راہ کے موافق ہو

بار آجائون۔ بلکہ ان مجبور بیان اور اپنے عزرات تمھارے سامنے پیش کر دوں۔  
لیکن تم نے قبل اس کے کہ مجھے خبردار کرو یہ جو میرا ساتھ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا  
تمھاری شان وفاداری کے بالکل خلاف تھا۔

بادشاہ کی یہ تقریر سن کے موبدان موبد اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ادب سے تحت  
شامی کا پایہ چوم کے بولا "اے شہنشاہ گیتی پناہ یزدان پاک نہاد کبھی تحت و ہم کو  
آپ سے خالی نہ رکھے۔ اور ستارہ اقبال ہمیشہ اوج پر ہو۔ بے شک یہ ہم سب  
لوگوں کی غلطی و گستاخی تھی کہ حاضری دربار سے انحراف کیا۔ اور اپنی شکایتیں  
حضور پر ظاہر نہ کر دیں۔ حضور کی معذرت پر دوسری ورعایا نوازی میں کسی کو شک  
نہیں۔ مگر وہ اتنا امر ہم لوگوں کے خلاف تھا کہ حضور شیریں کو ہراہ لے آئے  
جس سے بانوسی شہر یارسی کی دشمنی ہوئی۔ ہمارا اصلی خیال یہ ہے کہ ایک معمولی  
عورت چاہے کیسی ہی حسین و خوبرو اور صاحب حسن و جمال ہو اس قابل نہیں  
ہو سکتی کہ بانوسے سلطنت کی رقیب بنے اور شہر یاریم کے پہلو میں بیٹھے۔ بادشاہوں  
کے لیے ضرور ہے کہ اپنی پاک و شریف نسل کو خراب نہ کریں۔ اور انھیں عورتوں کو  
اپنا گھٹ اور اپنے دل کا مالک بنائیں جو شہزادیاں ہیں اور خاندانی عزت سے  
سرفراز ہیں۔ اس اصول کے معلوم کرنے کے بعد حضور غور فرما سکتے ہیں کہ  
قیصر روم کی بیٹی کے برابر شیریں کی سی کم مرتبہ عورت نہیں بیٹھ سکتی۔"

اس تقریر کا ترجمہ سننے کے ساتھ ہی طلح نے آگے آگے زمین چومی اور کچھ  
عرض کرنے کی اجازت چاہی۔ پرویز نے فوراً اجازت دی۔ اور اس نے عربی  
زبان میں کہا "اے امراسہ عجم۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسی ادنی بات پر آپ کے  
ایسے لائق و متعل سند مشیران سلطنت خسر و گیتی ستان اور تاجدار نسل پسا سان کے  
مقابلے میں ناراضی ظاہر کریں۔ جو شکایت ہو اور جس امر میں کچھ حذر ہو وہ ادب کے  
ساتھ شہنشاہ کی خدمت میں عرض کیا جا سکتا ہے۔ ہر عرب لوگ گریہ جی و سرکش ہیں  
اور عقلا ایران کے سامنے تہذیب و تمدن کا نام نہیں لے سکتے۔ لیکن بادجو د  
اس کے اپنے کم مرتبہ اور چھوٹے درجے کے سلاطین کے ساتھ ہم بھی ایسی گستاخی ہرگز  
نہیں کر سکتے۔ لیکن اب آپ نے اپنی شکایت بیان کر دی تو میں شہر یار فلک اقدار سے

اجازت لے کے آپ کا شک دور کرنے اور آپ کو اطمینان دلانے کا ایک کوشش کرتا ہوں۔  
ملکہ شیرین کی نسبت آپ کا یہ خیال فرمانا کہ وہ ایک معمولی عورت ہیں سر اسر غلط اور  
بے بنیاد ہے۔ وہ کوئی معمولی عورت نہیں۔ ملک ارمن اور گرجستان کی بلند مرتبہ  
شاہزادی ہیں۔ اور اگر محبت و عشق کے جوش میں مبتلا ہو کے ہمارے شہر یار کی  
لوندی بننے پر آمادہ نہ ہو گئی ہوتیں تو اپنی مان کے مرنے کے بعد سر پر سلطنت چڑھتیں  
اور اس وقت ایک وسیع و خوش سواد ملک کی ملکہ ہوتیں۔ لہذا ایک ایسی عالی  
خاندان اور عالی وقار شاہزادی کو معمولی عورت بتانا آپ کا کتنا بڑا ظلم ہے؟  
موبدان موبد۔ لیکن ہزار کچھ ہو وہ فلک مرتبہ شاہزادی مریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی  
جو دنیا کے ایک بہت بڑے معزز تاجدار کی تخت جگر ہیں۔ اور اس سلطنت کی شاہزادی  
ہیں جس کا احسان خود شہر یار گیتی ستان پر ہے۔

ظلم۔ لیکن قیصر کے احسان کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے شہر یار اُس کی ہر بات پر  
دباؤ ماننے لگیں۔ دولت ساسانی آج تک دنیا کی کسی سلطنت سے دی نہیں۔ آئیے ملکہ  
شیرین و مریم کی شرافت اور ذاتی خوبیوں کا مقابلہ کریں اس کے متعلق میں نہایت  
ادب سے لکھا ہوں کہ ملکہ شیرین اگر شہر یار عجم کا ساتھ نہ دیتیں تو وہ ہم سلطنت کی  
وارث ہوتیں اور شاہزادی مریم کو یہ عزت ہرگز نہ نصیب ہو سکتی۔ آپ ذاتی  
خوبیوں کے اعتبار سے دیکھیے تو بانوس مریم درکنار میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی کوئی عورت  
ملکہ شیرین کی ذاتی خوبیوں اور اُن کی لیاقت و دانائی کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ اور  
اُن کی ان خوبیوں سے شاید آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔

اس کے جواب میں موبدان موبد دینک خاموش رہا اور اُس کے عجز کو دیکھ کے  
پر دیز کے چہرے خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن ابھی کسی اور کی زبان سے کوئی کلمہ  
نہیں نکلا تھا کہ موبدان موبد نے سوچ سمجھ کے پھر سر اٹھایا اور بولا۔ "لیکن چاہے  
جو کچھ ہو ہمارے دل میں جو وقعت و حرمت مریم کی ہے کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اور  
شیرین میں ہمارے نزدیک وہ شرافت ہرگز نہیں ہو سکتی جو اصلی بانوس شہر یار  
میں ہے۔"

ظلم۔ اچھا مانا کہ ملکہ شیرین کم ذات اور ذلیل درجے کی عورت ہیں مگر بادشاہ کی

تو جو ان کو چاہتا ہے عزت دے سکتی ہے یا یہ کہہ کے طلحہ نے خدام اور بارگاہیوں کو ایک سونے کے تخت کو خون سے بھر کے لے آئیں۔ فوراً خون سے ملبس نشست ماسنے لاکے رکھ دیا گیا۔ اور طلحہ نے تمام حاضرین کی طرف دیکھ کر پوچھا "آپ اس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟"

موبدان موبد اور چند وزراء دولت نے ذرا منہ بنا کے اور ناک بھون سکوڑ کے کہا "اُس کے سوا اور کیا کہا جاسے کہ ایک عمدہ ظرف ہے نہ ناپاک چیز رکھ کے بخش کر دیا گیا؟"

طلحہ "بہتر" پھر خدام کی طرف دیکھ کے کہا "اس خون کو لے جا کے پھینک دو اور تخت کو دھو کے اور صاف کر کے لے آؤ" فوراً لوگوں نے خون سے خالی کر کے تخت کو دھو یا مانجا۔ اور پھر دربار کے درمیان میں لاکے رکھا۔

طلحہ اب اس کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟  
موبدان موبد اب یہ ظرف پاک و صاف ہے؟  
طلحہ ہے نہ؟ اب تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں؟  
موبدان موبد کوئی مضائقہ نہیں؟

طلحہ یہی میں بھی سمجھتا تھا۔ تو جس طرح ہم نے اس ناپاک تخت کو ایک معمولی توجہ سے اپنے استعمال کے قابل بنالیا کیا شہریار کے اختیار میں نہیں کر کسی اور شخص کو عزت دے کے اور تہہ بڑھا کے اپنے دربار اور اپنی صحبت کے قابل بنالیں؟ درحقیقت عزت و شرافت وارث و ہم خسرومی کی توجہ و عنایت کا نام ہے۔ اگر بادشاہ اسی امر سے رد کر دیے جائیں تو دنیا کی ترقی ٹرک جاسے اور کبھی کسی کو اپنے ذاتی جہر اور ذاتی لیاقت و دانائی کا صلہ نہ مل سکے۔ اس آپ کے محدود اصول کا لازمی نتیجہ ہے کہ جو شخص جس درجے اور جس رتبے پر ہے ہمیشہ اُس پر قائم رہے۔ نہ سپاہی کو جان بازی کی وادہ مل سکے۔ اور نہ مشیر یا تدبیر کو اپنی حسن لیاقت کا معاوضہ۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ شہریار کو ایک ایسے اصول کا پابند بنانا چاہتے ہیں جس پر عمل کیا گیا تو آئندہ کبھی کسی شخص کو کوئی جدید عزت مل سکے گی۔ نہ کوئی معزز جاگیر و ن اور خطابوں سے بہرہ یاب ہو سکے گا۔ نہ کوئی علم و فضل کی طرف توجہ کرے گا۔ اور نہ سیکھ بولیاقت و جوہر کے مظاہر کرنے

میں کوئی امید ہوگی۔ اس کا سب سے زیادہ مضر اثر تو خود آپؐ کے لوگوں کی ذات کا  
ہونے کا ہے۔

یہ تقریر سن کے تمام امراء عجیبے کچھ گھبراتے گئے۔ اور پریشان ہو ہو کے  
ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اُن کے دہن میں یہ بات جھگنی کہ بادشاہ کے اختیارات  
میں ایسی قید لگانا خود اپنی ترقیوں کو روکنا اور اپنے پاؤں میں کھلاڑی مارنا ہے۔  
روایک نے بڑھ کے تخت کے سامنے سجدہ کیا اور کمالِ ادب سے عرض کیا بیشک  
ہم لوگ غلطی پر تھے۔ اور نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اپنی گستاخی و سرتابی کی  
معافی چاہتے ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ بادشاہ اُن کے جواب میں کچھ کہے موبدان موبد نے پھر ایک  
دفعہ جرات کر کے عرض کیا ”لیکن تجربہ سے ظاہر ہو گیا ہے جو نطفہ کسی کم درجہ کی عورت  
میں منتقل ہوتا ہے اُس سے ہمیشہ سلطنت و رمایا کو ضرر پہنچتا ہے شہر یار نے سنا ہوگا کہ  
معدلت پھر گہان پناہ نوشیروان عادل کا بیٹا نوش زاد باپ کے کیش و آئین کے  
خلاف عیسائی ہو گیا تھا اور اُس نے باپ سے بغاوت کر دی تھی۔“

طلح (سکر ا کے) ”مگر آپ یہ نہیں خیال فرماتے کہ نوش زاد کی بغاوت محض اختلاف  
مذہب کی وجہ سے تھی۔ اور اُس کا اندیشہ اگر ہو سکتا ہے تو شاہزادی مریم کی اولاد سے  
اس لیے کہ وہ سیمہ بین اور مکن ہے کہ اُن کے بطن سے ایسی اولاد ہو جو مان کے کیش و  
آئین کو اختیار کرے۔ شیریں کے بطن سے ایسی اولاد نہیں ہو سکتی جو آبائی کیش و آئین کے  
خلاف ہو۔ اس لیے کہ یہ خود سچی یزدان پرست ہے۔ اہرمن کی معز توں سے بچی  
ہوئی ہے۔ اور نور و نار کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔“

اس کے جواب میں موبدان موبد نے سوا خاموش ہو جانے کے اور کچھ نہ بن پڑا۔  
اور طلح لوگوں کے دل سے بدگمانی دور کرنے کے لیے بولا ”مگر یہ جو کچھ عرض کیا گیا  
صرف آپ کا شبہ مٹانے اور آپ کی غلط فہمیان دور کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ اصل میں  
اسے امراء مجم آپ کو دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ہمارے شہر یار نے  
ملکہ شیریں کو اپنی ملکہ بنالیا۔ شہر یار سے اور اُس پاک و امن شاہزادی سے صرف  
ظاہری تعلقی ہے۔ اور وہ بھی حق پاس اٹھنے بیٹھنے اور ایک دوسرے کی



صبح کے وقت اٹھانے کی حد تک۔ ہمارے بادشاہ کو اُس نازنین سے اتنا ہی اور اُسی قسم کا تعلق ہے جیسا کہ آپ امرائے دولت سے یا کسی بدلہ سچ و با مذاق عشیقین و حبلیس سے ہو سکتا ہے۔ اگر شہریار اس حد سے آگے بڑھنا بھی چاہیں تو شیریں نہیں منظور کرتیں۔ اس لیے کہ شاہزادگی کا غور اُن کے دماغ میں بھرا ہوا ہے۔ اور کسی طرح نہیں گوارا کرتیں کہ کوئی لڑکی و کنیز کی شان سے مشکوے شہریاری میں بسر کریں۔ یہ سُن کے آپ سب اراکین سلطنت کو حیرت ہو جائے گی باوجود اُن تمام تعلقات کے جو ایام ولی عہدی سے اس گھڑی تک چلے آئے ہیں شیریں ملاز آفرین بالکل پاک و صاف اور دوشیزہ و عقیقہ ہیں۔ لہذا ایسی پاک امن ملاز آفرین پر بدگمانی کرنا اور اُس کی وجہ سے خود شہریار گیتیستان کی نسبت بُرے خیالات دل میں لانا بالکل نا انصافی و حماقت ہے۔ نہ یہ امر کبھی شیریں کے خیال میں گزرے کہ وہ بانو سے شہریار بن کے ایوان شاہی میں رہیں گی۔ اور نہ خود شہریار نے کبھی یہ ارادہ کیا کہ ملکہ مریم کے مرتبہ اور اُنکی شان و شوکت میں کسی قسم کا فرق آئے۔ ایسی حالت میں اگر بانو سے شہریار نے بدگمانی کی تو محض بے اصل ہے۔ اور بے بنیاد حسد کا نتیجہ ہے۔

یہ حالات سن کے تمام امرائے دربار کا دل صاف ہو گیا۔ طلح کی تقریر نے گویا سب کو مذمت کے دریا میں غرق کر دیا۔ اور اپنی غلطی اور بیجا سرکشی پر نادم ہوتے ہی سب بڑھ بڑھ کے بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ اور نہایت بخیر و الحاح سے معذرت خواہ ہونے لگے۔

پردہ زنی سب کو پھر کرسیوں پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ اور جب سب اہل دربار قریب سے بیٹھ گئے تو خذہ حبیبی کے ساتھ کہا: اگرچہ تم مجھ سے بدگمان ہو گئے تھے مگر میں تم سے بدگمان نہیں ہوں۔ اور تمہارے مزید اطمینان کے لیے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں مریم کے اعجاز و اکرام میں کبھی کسی قسم کا فرق نہیں آسکتا۔ شاہزادی مریم میری بانو سے غاص۔ دولت ساسان کی ملکہ۔ اور ایوان شہریاری کی مالک ہے۔ اگر اُس کے دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو گیا ہو تو تم کو مومن کو چاہیے کہ اس کے مٹانے کی کوشش کرو۔ اس لیے کہ شیریں

صرف میری انیس و چلیس ہے اور مجھ سے اُس سے ہرگز اُس قسم کے تعلقات نہیں جیسے کہ تم لوگوں میں مشہور ہیں۔ یہ مریم ہی کی خاطر داشت کی غرض سے ہے، میں شیریں کو بیان دے سکر دین بھی لایا تو شہر کے باہری ٹھہرا دیا اور یہ ننگوارا کیا کہ وہ مریم کے قریب اور ایوان خسروی میں فروکش ہو۔ میں خود مریم کے پاس رہتا ہوں اور یہ یقین ہے کہ آخر تک اُسی کے پاس رہوں گا۔ لیکن اس پر بھی مریم کو شکایت ہو تو بن مجبور اور معذور ہوں۔ اب تمام حاضرین دربار نے جوش و خروش کے ساتھ عرض کیا: ”ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ اور امید ہے کہ ملکہ مریم کو بھی کوئی شکایت نہ رہے گی۔“

اس کارروائی کے بعد دربار برخواست ہوا۔ شہریار پر وزیر اٹھ کے محل میں گیا اور امرا سب کو حیرت بھری کہ نیا عربی نژاد شخص کون تھا جس نے یکایک بادشاہ ملک یون رسائی پیدا کر لی۔ اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ دم بھر میں سارے دربار کو بادشاہ کے موافق بنا دیا۔ پرویز کے اٹھتے ہی سب لوگ ادب و تعظیم کے ساتھ اس سے ملے۔ اور مترجم کے ذریعہ سے اُس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ طلح نے اُن سے بہت رُک رُک کے باتیں کیں۔ اور مختصر الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ ”میں ایک حکیم عرب ہوں۔ شکار گاہ میں یا درمی نجت سے اتفاقاً بادشاہ تک رسائی ہو گئی۔ اور خود بادشاہ کے اصرار سے دستہ درمیں آیا ہوں۔“

جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو خسرو پرویز نے طلح کو غلیہ میں طلب کیا۔ نہایت گرم جوشی کے ساتھ اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا ”تجھ سے سے شیر و خیر اندیش جس سلطنت میں ہوں گے اُس سے ہمیشہ ترقی ہوگی۔ کل شام تک میں اور شیریں و دون جیران و پریشان تھے کہ دیکھے امرا سے دولت کی اس ناراضی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر اس دشواری مصیبت کو تم نے اس آسانی و شہادت سے دور کر دیا۔ اور تمھاری جادو بیانی و زبان آوری نے وہ کمال دکھایا کہ اب میں نہایت مطمئن اور اور خوش ہوں۔ اور اپنی سلطنت کو تمھارا زیر بار احسان خیال کرتا ہوں۔“

یہ سنتے ہی طلحہ شہر یارجم کے سامنے مسجد میں گر پڑا۔ پھر سر اٹھا کے بولا۔ "غلام وفاداری و خیر خواہی کو اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے۔ یہ جو کچھ کیا اپنا فرض سمجھ کے کیا اور حضور کو یقین دلانا ہے کہ ہر موقع اور ہر محل پر ایسا ہی دفا کیش و خیر اندیش ثابت ہو گا۔"

پرویزؑ: "اب تم جا کے شیرین کو مزدک کا میا بی سناؤ۔ اس کا دل لگا ہوا ہو گا۔ اور گھبراہٹی ہوگی کہ آج کے دربار کا کیا نتیجہ ہوا۔ اس کا میا بی کی خبر سننے کے لیے وہ بے صبر ہوگی۔ لہذا جاؤ اور جلدی جاؤ۔ سہ پہر کو میں بھی آؤں گا۔ اور اُس وقت اُس کی ملاقات میں ہمیشہ سے زیادہ لطف آئے گا۔"

شاہی دروازے سے طلحہ گھوڑے پر سوار ہو کے اُس باغ میں گیا جس میں شیرین فزکش تھی۔ شیرین تھری کی کھڑکی سے طلحہ کو آنے دیکھ کے بے صبری سے دوڑی کہ اسو انڈیشہ ناک و بار کا حال دریافت کرے اور طلحہ کی زبان سے کامیابی کی خوشی اور تمام سرگشتہ سب کے بہت خوش ہوئی۔ پھر بولی: "اسے حکیم عرب مجھے تجھ پر ناز ہے۔ اور میرا دل تو ابی و تبا ہے کہ تیری مدد سے میں تمام امور میں کامیاب ہوں گی اب مجھے مریم کے شہر سے کوئی اندیشہ نہیں۔"

طلحہؑ: "اب ہمیں نہ این جب تک میں آپ کو بانوسہ شہر یارجم نہ بنا لوں گا۔ حسین نہ کو نہ گا۔" اور آپ ملاحظہ فرمائیں گی کہ ان تمام امور کو کس خوبی سے انجام دیتا ہوں۔ شہرین: "مجھے تم سے ایسی ہی امید ہے۔" یہ باتیں کر کے طلحہ شیرین سے رخصت ہو گئے اپنے کمرے میں گیا۔ اور تنہائی میں پیچھے کے جن کاموں کو انجام دینا چاہتا تھا ان پر غور کرنے لگا۔

## تیسواں باب

طلحہ کی سفارت

اب اس واقعہ کو کچھ مہینہ گزر گئے۔ مریم دلی اندوہ سے گھٹی جاتی ہے۔ اور آتش حسد میں مغمم رہی ہے۔ امر او و زرا کے ملائے کی اُس نے جو کچھ تدبیر کی تھی بے سود ہوئی۔ اور طلحہ کی حکمت عملی نے ساری سازشیں اور پیش بندیاں خاک کی طرح

اگر اودین لیکن ایک برس باسلطوت و جبروت شہنشاہ کی بٹی ہے۔ مزارع کی تیر اور  
 انہما درجے کی خندان اور پھر غضب یہ کہ دماغ میں ولی عہد کی ان اور اصلی بی بی ہونے کا  
 غور ہے یہ کیونکہ ان تھا کہ شہر یار پر دیز سے بہ لطف و اخلاق پیش آتی بہ ہر وقت کھینچی  
 رہتی ہے۔ طبیعت کی برہمی کسی طرح کم ہونے کو نہیں آتی اور ایک گھڑی کے لیے بھی  
 نہیں روا رکھتی کہ خسر و پر دیز اُس کے پاس آ کے بیٹھے۔ باوہ خود تاجدار شہر  
 کے پاس جلی جائے۔ اور غضب یہ کہ برہم مزارع بوی کی اس کشیدگی و بے تعلقی سے  
 پر دیز بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اُس کی جان حجب اضطراب پریشانی میں  
 ہے۔ خاص اور اصلی جیوی سے بگاڑ۔ اور شیریں سے موافقا ہری لطف و صحبت  
 کے کوئی تعلق نہیں۔ شیریں بھی اسی طرح اپنی دھن اور ضد پر قائم ہے۔ یہ حالت  
 پر دیز کو مجبور بنا دیتی ہے۔ بار بار دل میں کہتا ہے۔ "افسوس میں کسی طرح کا نہ رہا  
 نہ ادھر کا ہوا اور نہ ادھر کا" اُس کا عیش منقص تھا۔ اور دولت و جنت حکومت  
 سلطنت سب چیزیں بہ لطف اور بہ مزہ نظر آئیں۔ یوں تو ہزار بار بری ہوش و  
 ماہ طاعت نوامین ہر گھڑی گرو پیشتر حاضر رہتیں۔ جن میں سے ہر ایک کو ارادہ  
 ہستی کہ بادشاہ انہیں نظر غایت سے دیکھے۔ لیکن شیریں کی پیاری صورت اور  
 دلربائی کی باتوں نے سب کے حسن و جمال پر خاک ڈال دی تھی۔

آخر ان پریشانیوں سے تنگ آ کے ایک دن پر دیز نے طلحہ کو خط لکھ دیا۔ دل  
 کی پریشانی بیان کی۔ اور کہا "اب تمہیں کوئی تدبیر بتاؤ گے تو کام چلے گا ورنہ مجھے اندیشہ  
 ہے کہ کہیں مجبور نہ ہو جاؤں"

طلحہ "حضور چند روز اور صبر کریں۔ مجھے امید ہے کہ حضور کی یہ فکریں بہت  
 جلد دور ہو جائیں گی"

پر دیز "آخر کیوں؟ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مصیبتوں سے کبھی نجات  
 نہ ملے گی"

طلحہ (المیان و لاسے کے لہجہ میں) "نہیں ایسا خیال نہ فرمائیے۔ یزدان پاک خدا کو  
 صورت پیدا ہی کرے گا۔ آپ مقدس سر و شون اور نورانی گواکب کے  
 فیصلہ کے منتظر رہیں"

یرویز "میں ایسی تشویش میں مبتلا ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ سلطنت کے کاروبار جوڑے جاتے ہیں۔ مختلف مقامات کے سفیر آئے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض میرے شکار پر جانے کے زمانے سے پیشتر کے چرسے ہوئے ہیں۔ مگر مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں نصیب ہوتا کہ انھیں باریابی کا موقع دونے"

طلح - (زمین ادب چوم کے) "امور مملکت کی جانب حضور کو بے توجہی نہ کرنی چاہیے۔"

یرویز "کیا کروں؟ اس قابل ہی نہیں ہوں کہ کسی اہم معاملہ میں غور کروں۔"

طلح "مگر ان سفیروں کو خرد و جواب مل جانا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ کمان کمان کے سفیر آئے ہوئے ہیں؟"

یرویز "روم اور عرب کے سفیروں کو یہاں پڑے ہوئے دس گیارہ مہینہ گزر گئے؟"

طلح "تو حضور انھیں کل ہی باریابی کا موقع دیں۔"

یرویز "خیر۔ کل انھیں دربار میں بلاؤں گا۔ لیکن میرا مزاج اعتدال پر نہیں۔ تم موجود رہنا۔ اور میری طرف سے تم ہی جواب دے دینا۔"

طلح نے شہر یار ایران کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہی زمین پر گر کے سجدہ کیا۔ اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا: "غلام کی یہ مجال نہیں کہ دربار خسروی میں کھڑا ہو کے روم کی سی زبردست سلطنت کے معزز سفیر کو جواب دے۔ سفیر روم کو خود حضور ہی کی زبان سے جواب ملنا چاہیے۔ باقی رہے ملک عرب کے سفیر ان کے متعلق یہ غلام کمال ادب سے عرض کرتا ہے کہ یہ ادنیٰ و حقیر خیر اندیش دولت ہی فرمان رواں اسے جیرہ کا سفیر ہے۔"

یرویز یہ سنتے ہی تھوہو کے چونک پڑا۔ گہرا کے طلح کی صورت دیکھی اور بولا "نقصین ہوا!"

طلح - (ہاتھ جوڑ کے) "یہی غلام جو حضور کے سامنے ہے۔"

پرویزؑ مگر تم نے پیشتر ہی کیوں نہ عرض کر دیا کہ وہاں کے معاملات کا تصفیہ کیا ہو چکا ہوتا ہے؟

ظلمؑ : ”تاوقتیکہ حضورؐ کی توجہ والی حیرہ کی طرف نہ مائل ہوتی غلام کی مجال تھی کہ کوئی لفظ زبان سے نکالتا ہے؟“

اس ادب کیشی کی ادا نے حضورؐ پر ویز کو ظلم کا اور زیادہ گرویدہ بنا دیا۔ اور انتہا سے زیادہ خوش ہو کے بولا تم نے ایسے نازک موقع پر میری مدد کی ہے کہ تمہیں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا جو منشا ہوا، جو چاہتے ہو وہی جواب سمجھ لو۔ ظلمؑ نے پھر زمین چری۔ اور عرض کیا ”غلام کی اتنی محال نہیں۔“

پرویزؑ : ”تمہارے ملک میں خیریت تو ہے؟ یقین ہے کہ ایسا بن تبصرہ نے اچھی حکومت کی ہوگی؟“

ظلمؑ : ”دکھانے کے لیے حیرت زدہ ہو کے،“ ایسا! حضورؐ وہاں کی حکومت تو تاج خسروی کے جان نثار سذر بن نغان کے ہاتھ میں ہے۔“

پرویزؑ : ”حیرت سے؟“ منذر! میں نے تو ایسا کو وہاں کا بادشاہ مقرر کیا تھا! منذرؑ گس کے حکم سے تخت نشین ہو گیا ہے؟

ظلمؑ : ”سوا حضورؐ کے اور کون ایسا حکم دے سکتا ہے؟ کسی کی مجال ہے کہ بغیر اجازت سے حیرہ کا تاج شاہی سر پر رکھے؟“

پرویزؑ : ”مگر میں نے تو وہاں کی حکومت ایسا کو دی تھی!“

ظلمؑ : ”اور خود سردار بنی طے ایسا ہی نہ جب فتحِ روم کے بعد واپس گئے ہیں بیان کیا کہ حضورؐ نے منذر کو ابائی حکومت کا مالک و مختار قرار دیا۔“

پرویزؑ : ”خود ایسا نے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر وہ حیرہ کی سلطنت کا خواستگار نہ تھا تو مجھ سے درخواست کیوں کی؟“

ظلمؑ : ”واقعی یہ عجیب بات ہے۔ جس وقت ایسا حیرہ میں داخل ہوا ہے غلام دہن میں جو تھا۔ اور منذر کہیں شکار کو باہر گیا ہوا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا کہ تخت نشینی کے متعلق شہنشاہی حکم لایا ہوگا۔ وہ شہر حیرہ میں داخل ہوتے ہی پہلے تو

اپنی فوج کے ساتھ سیدھا قہر امارت میں گیا۔ مگر جب وہاں منذر کو نہ پایا تو

اُس کی بہن ہندو دست درازی کا ارادہ کیا۔ یہ حسن و جمال میں بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ اتفاقاً ہندو اُس کے ہاتھ نہ لگی۔ اس لیے اس کی بڑبستی ہی وہ کسی طرف چلی گئی تھی۔  
 پرویز: "کیوں؟"

ظلم: "حضور ایسا ایک مدت سے ہند کا آرزو مند ہے۔ مگر وہ اُس سے نفرت کرتی ہے اور اس موقع پر ایسا کی نیت تھی کہ مندر کی عدم موجودگی میں اُسے زبردستی محل سے نکال لے جائے۔ جس امر کو ہند پہلے ہی سے سمجھ گئی۔ اور کہیں غائب ہوئی خیر تو ایسا جب اپنی اس آرزو میں ناکام ہوا۔ تو شرمین مشہور کر دیا کہ دارا نے مندر کو حکمران حیرہ تسلیم کر لیا۔ یہ جہرم بھرمین سارے حیرہ میں مشہور ہو گئی۔ پھر نہیں معلوم کیا بات آپس آئی کہ ایسا بغیر اس کے کہ مندر کا انتظار کرے حیرہ کو چھوڑ کے اپنے وطن چلا گیا۔ مندر اُس کے جانے کے بعد واپس آیا۔ اور جب حضور کا حکم سنا تو بے تکلف تخت حیرہ پر بیٹھ گیا۔ اور حضور کا درخت کیا ہوتا جہنم جو نعمان کو عطا ہوا تھا اپنے سر پر رکھ لیا۔"

پرویز: "ایسا کی اس کارروائی میں تو عجب قسم کی مختلف باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی راز نہیں قائم کی جاسکتی۔ شاید اُسے نعمان کے خاندان پر ترس آگیا ہو۔ اور نہ پسند کیا ہو کہ مندر کو اُس کے آبائی حق سے محروم کر دے۔"

ظلم: "جو حضور فرمانین بجا و درست ہے۔ لیکن ایسا کو نعمان کے خاندان سے سخت دشمنی ہے۔ اُس سے ایسی مہربانی کی امید نہیں کی جاسکتی۔"

پرویز: "یہ نہیں ہے تو پھر اور کیا بات ہو سکتی ہے؟"

ظلم: "غلام کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نے نعمان کے خاندان کے ساتھ یہ دوستی نہیں کی بلکہ پوری اور نہایت سخت دشمنی کی ہے۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ مندر حضور شہر یاری کے حکم سے فراہمی سر تابی نہ کرے گا۔ اور اُس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اس غیب شاہزادہ حیرہ کی جان لے۔ پس اُسے ابتدا میں تو سخت نفیسی کا موقع دے دیا۔ اور اب چند روز بعد دربار خسرو میں حاضر ہو کے

عرص کرے گا کہ مندر نے حضور کے حکم سے سرتابی کی۔ جس کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا کہ اس دربار سے اُس کے قتل کا حکم نافذ ہوتا۔

پرویز۔ (سوچ کے) ”کیا عجب کہ ایسا ہی ہو“

طلحہ۔ ”ایاس کی اس کارروائی سے مجھے یقین ہے کہ غقریب وہ حاضر دہ بار ہو کے مندر کی شکایت کرے گا۔ اور اُس وقت حضور کو اُس کی نیت کا حال معلوم ہو جائے گا۔“

پرویز۔ بے شک وہ آئے گا۔ لیکن اگر مندر کی شکایت کی تو مندر کے بدلے خود اپنے قتل کا حکم سنے گا۔ اب اس وقت سے میں مندر کو حکمران حیرہ تسلیم کرتا ہوں۔ اور تمہیں چاہیے کہ اسی وقت یہ پیغام کسی فارسی سردار کے ذریعہ اس حیرہ میں بھیج دو۔“

طلحہ۔ ”مگر غلام کی سفارت کا یہ مقصود نہیں ہے۔ حکومت کی منظوری کا تو مندر کو یقین تھا۔ اور اس کے نزدیک از سر نو حکم حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“

پرویز۔ ”پھر کس لیے بھیجا ہے؟“

طلحہ۔ ”ایک نادر دے بہادر یہ پیشکش کرنے کے لیے۔ تاکہ تاج بخشی کے شکریہ میں اپنی ارادت و اطاعت ظاہر کرے۔“

پرویز۔ (خوش ہو کے) ”اور وہ پیہ کیا ہے؟“

طلحہ۔ ”خداوند ایک لائق و باتدبیر نوجوان۔ حضور کو یاد ہو گا کہ عدی بن زید نام ایک جہان دیدہ و لائق شخص چند روز ہوئے حضور کی صحبت میں تھا۔ اور نہایت معزز عہدے پر مامور تھا۔ وہ تو حیرہ میں جا کے مر گیا۔ اب مندر کو اُس کا ایک نوکی و ہوشیار بیٹا ملا ہے جو ذہن و دکا اور فراست و دانائی میں اپنے باپ ہی کے مثل ہے۔ عربی و فارسی زبانوں میں بہت بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا ہے۔ اور شرافت و وجاہت اور یاقوت و وفاداری کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ شہر بار کے جان نثاروں اور غلاموں میں شامل ہونے کی عزت پائے۔“



پرویزؑ ”وہ کہان ہے ؟ اگر عدی کا بیٹا ہے تو میں ضرور اُسے اپنے پاس رکھوں گا۔ مجھے ایسے ایک لائق شخص کی ضرورت بھی ہے۔ ایران کے رئیس زادے عموماً کاہل و آرام طلب اور سرکش و سبے و فاسق ہوتے ہیں۔“

طلحہؑ ”وہ نوجوان غلام کے ہمراہ ہے۔ اور جس وقت حکم ہوگا حاضر ہو کے آستان ہوسکی کی عزت حاصل کرے گا۔“

پرویزؑ ”اسی وقت بلواؤ۔“

طلحہؑ نے بادشاہ کا اشارہ جاتے ہی آدمی بھیج کے زید بن عدی کو بلوایا۔ جس نے دربار میں اُس کے بادشاہ کے آگے سجدہ کیا۔ اور اوپ سے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔ پرویزؑ نے شنشہ ہی وقار و تکنت سے اُس کی طرف نظر اٹھائی اور غور سے دیکھ کے بولا ”بے شک یہ عدی کا بیٹا ہے۔ اس کو دیکھ کے عدی کی صورت میری آنکھوں کے سامنے بھر گئی۔“ پھر زید کی طرف متوجہ ہو کے پوچھا ”تمہارے والد کی موت کا کیا سبب ہوا ؟ اس کے بارے میں آج تک میرے دل میں طرح طرح کے شبہ ہیں۔“

زیدؑ۔ (اوپ سے زمین چوم کے) ”حضور غلام اُن دونوں حیرت میں نہ تھا۔ اور بالکل نہیں جانتا کہ اُن سے حیرہ ہو پختے ہی کیونکر اُن کا انتقال ہو گیا۔“

پرویزؑ ”تم میرے پاس رہنا چاہتے ہو یا کسی ملک کی حکومت پر جانا پسند کرتے ہو۔“

زیدؑ ”حضور کا جو حکم ہو غلام کو اُس کی بجا آوری میں تامل نہ ہوگا۔“

پرویزؑ ”لیکن خود تھیں ان دونوں باتوں میں سے کیا پسند ہے ؟“

زیدؑ ”اس سے بڑی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ غلام حضور کے قریب رہے ؟ اور ہمیشہ آستان ہوسکی کا موقع پائے ؟“

پرویزؑ ”یہی میں بھی جانتا تھا۔ خیر تو اب اس وقت سے تم اپنے والد کی طرح میری پیشی کے غشی ہو۔ اور تمہارا فرض ہے کہ مستعدی سے ہر وقت میرے سامنے حاضر رہو۔“

یہ خردہ من کے آیدنے زمین پر جھک کے سجدہ کیا۔ اور کہا "غلام ہر وقت حاضر رہے گا۔" پرویز نے فوراً زید کی ماموری کا ایک فرمان دوزرا و عمار کے پاس بھیج دیا۔ پھر زید کی طرف متوجہ ہو کے کہا "جا کے لوگوں کو حکم دو کہ سفر اسے روک کر صبح حاضر دربار کیے جائیں۔" زید سینے پر ادب سے ہاتھ رکھ کے اس حکم کی تعمیل کو کیا۔ اور پرویز نے طلحہ کی عزت دیکھ کے کہا "مجھے یہ نہایت ہی نیک اور شائستہ لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اور یقین ہے کہ میں اس سے خوش رہوں گا۔"

ان تمام انتظامات کے بعد طلحہ نہایت ادب کے ساتھ خسرو پرویز سے رخصت ہوا۔ ایوان شاہی کو چھوڑ کے باہر نکلا۔ اور زید کو الگ لے جا کے چپکے سے کہا "اب ہم اپنے اغراض میں کامیاب ہیں۔"

زید۔ (طلحہ کا ہاتھ چوم کے) "آپ کسی چیز کی کوشش کریں اور ممکن ہے کہ کامیابی نہ ہو؟ جب میں آپ سے علمدہ ہو کے دستگرد میں داخل ہوا ہوں نہایت ہی متروک تھا۔ اور جب یہ سنا کہ شاپہشاہ پرویز شکار کو جاتے ہیں اور چھ مہینہ بعد با ریابی نصیب ہوگی تو بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ یہ بات خیال میں بھی نہ گزری تھی کہ آپ کو اتنے ہی زمانے میں ایسی نمایاں کامیابی حاصل ہو جائے گی کہ شاپہشاہ باطل آپ کے اختیار میں ہوں گے۔ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ ہم لوگوں کے بارے میں اب ہونے سے پیشتر ایساں آگیا تو ہماری تمام کوششیں بیکار ہو جائیں گی۔ اور معاملہ اٹل جائے گا۔" طلحہ۔ (مسکراتے) "میں ایساں کا بھی کافی بند و بست کر چکا ہوں۔ کسی طرح وہ یہاں آ کے پہنچے تو سہی۔"

زید۔ "اُس کے متعلق دربار میں کچھ ذکر آیا تھا؟"

طلحہ۔ "تھیں، پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ بس اُس کے آنے کی دیر ہے۔ خیر اب میں جانا ہوں۔ ملکہ شیرین غصہ ہون گی۔ لیکن خیال رکھو کہ ہم لوگوں کو سو ایک آدھ ضروری بات کر لینے کے زیادہ ملنا جتنا چاہیے۔ ایرانیوں میں سازش کا مادہ بہت ہے۔ وہ جہان تک بے گناہ خرد و ابدان کو ہماری طرف سے ضرور بے گمان کریں گے۔ پرویز بہت سیدھا اور نیک بادشاہ ہے۔ ایسا شخص جتنی آسانی سے مہربان بنایا جاسکتا ہے اتنی ہی جلدی بے گمان بھی

ہو سکتا ہے۔ لہذا ہمیں ہمیشہ اور ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے کہ کسی کو شکایت اور  
الزام دینے کا موقع نہ ملے۔  
زیدؑ آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی۔ یہ سمجھا بجھا کے طمع اپنے فرد گاہ یعنی  
اُس باغ میں داخل ہوا جو فی الحال شیریں ناز آفرین کا پری خانہ بنا ہوا ہے۔

## چوبیسواں باب

زہر خورانی

ہمارے ناظرین کا دل لگا ہوا ہو گا کہ خولہ کمان ہے۔ اور جس زمانے میں کہ  
طلح شیرین و خسرو کا مشیر بادبیر بنا ہوا ہے اور زید بن عدی دارا سے  
ایران کا معتد علیہ ہے اور چیف سکرٹری کی خدمت بجالا رہا ہے۔ خولہ کیا کر رہی  
ہے؟ کمان رہتی ہے؟ اور کس فکر میں ہے؟

طلح جب بادشاہ کے ساتھ دستگرد میں آیا تو خولہ اور زید اُس سے  
بالکل الگ تھک رہے۔ قہر شاہی کے متعلق جس مکان میں ٹھہرے تھے  
تھے وہیں مقیم رہے۔ اور صرف ایک آدھ مرتبہ طلح نے چپکے سے مل کے سمجھا دیا کہ  
انہیں کیا کرنا چاہیے۔ زید تو جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں چند روز بعد بادشاہ کا  
سکرٹری ہو گیا۔ زید کی دربار رسی کے ساتھ ہی خولہ غائب ہو گئی۔  
اور ظاہر میں یہی سنا گیا تھا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کے سرزمین عرب کو  
واپس گئی۔

لیکن چند ہی روز بعد ابوان خسروی کے قریب اُس چھوٹے سے سیچی  
گرج میں جو خاص مریم کے حکم سے اور اُس کے عبادت کرنے کے لیے شہر دستگرد  
میں تعمیر کیا گیا ہے ہم ایک جوان راہبہ اور اُس کی ایک کسین مریدہ و خادکہ کو  
دیکھتے ہیں کہ عجیب بے پروائی و بے نفسی کی شان سے شب و روز گنیے کے  
مجدد میں بڑی رہتی ہیں۔ نہ کسی سے کچھ مانگتی ہیں۔ نہ کبھی کسی سے  
بات کرتی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ راہبہ ارض شام سے اور بڑی  
بڑی مشہور سیکی زیارت گاہوں سے برکت حاصل کر کے اتفاقاً ادھر

آنکلی جو کینے میں جو راہب اور اسقف مریم کی طرف سے مامور ہیں اُس کا بست  
ادب کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو روپہ پیسہ سے اُس کی  
خدمت کریں مگر وہ نہیں قبول کرتی۔ لباس بالکل ذلیل اور پرانا ہے۔  
دونوں دیندار عورتیں صرف چند سوکھے خرم کھاکے پانی پی لیتی ہیں۔ اور کثر  
بھی دیکھا جاتا ہے کہ مسیح مصلوب کی تصویر کے سامنے مڑتے ہیں بیٹھی  
رہتی ہیں۔

مریم نے بھی اُس راہبہ کے زہد و اتقا کی تعریف سنی۔ مشتاق ہوئی۔ اور  
ہر اتوار کو جب عبادت کو آتی تو اُس کی زیارت کو ثواب سمجھ کے گھنٹوں ادب سے  
سامنے بیٹھی رہتی۔ مگر ہزار کوشش کرتی مقدس راہبہ آنکھ اٹھا کے نہ دیکھتی۔  
اس بے پروائی نے مریم کو اور زیادہ معتقد بنا دیا۔ اب اتوار کی جگہ روز آٹھ  
اور زندگی کا بہت زیادہ حصہ اس بے نفس راہبہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بیٹھ میں  
صرف ہونے لگا۔ اس اثنائیں کئی دفعہ راہبہ نے نہایت ہی نفرت و برہمی کی نظر  
سے اُس کی طرف دیکھا اور اُس کی خادمہ نے کہا ”دنا پرست ملکہ۔ ہمارے اوقات  
میں کیون خلل انداز ہوتی ہے؟ جا اور اپنا کام کر۔ مگر اُس لاپرواہی سے بچا۔  
اس کے کہ مریم کا آنکھ ہو اور زیادہ آنے لگی۔ اور جب دیکھنے عاجزی کی  
وضع سے ہاتھ جوڑے ہی نظر آتی۔

آخر ایک دن مریم نے محض اتفاق سے یہ دیکھا کہ کینے میں سو اُس کے  
اور مقدس راہبہ عورتوں کے اور کوئی نہیں ہے۔ میدان خالی پایا۔ اور  
بے اختیار دوڑ کے راہبہ کے قدموں پر گر پڑی۔ پہلے اُس کے قدموں کو  
اپنے آنسوؤں سے دھویا۔ پھر جس طرح مریم گد لینی اور مرتھا اپنے رستم کے  
ایسے نرم اور خوبصورت بالوں کو رگڑ رگڑ کے حضرت مسیح کے پاؤں میں  
عطر لگا یا کرتی تھیں اُسی طرح یہاں ملکہ مریم اپنی سنہری اور نرم و نازک  
زلفوں سے اس راہبہ کے قدم معطر کرنے لگی۔

راہبہ نے غصناک ہو کے پاؤں کھینچ لیے۔ اور کچھ کہا جسے مریم بالکل نہیں  
سمجھ سکی۔ اور حیرت و مرعوبیت سے اُس کا منہ تک نہ ہی تھی کہ خادمہ نے

یونانی زبان میں کہا "ملکہ - ہم لوگوں کو کیوں پریشان کرتی ہے ؟ اگر ہمارا رہنا تجھے  
ناگوار ہے تو ہم آج ہی چلے جاتے ہیں"

مریم - (رورو کے اور آنسو بہاتے) "مان ! تجھے اس مقدس دربار سے  
محروم کر کے نہ نکالے۔ صرف ظاہر میں ایران کی ملکہ ہوں۔ مگر اصل میں میری  
حالت ایک ادنی عورت سے بھی بدتر ہے۔ اس درگاہ میں بڑی بڑی  
آرزوئیں لائی ہوں"

اس کا مطلب خادمہ کی زبان سے سن کے راہبہ نے پھر کچھ الفاظ  
کہے۔ اور اسی مریدہ کے بنانے سے معلوم ہوا کہ پوچھتی ہیں "تھاری کیا  
آرزو ہے؟"

مریم - "تاجدار شوہر کو مجھ سے محبت نہیں۔ اور ایک عربی شخص اُسے میرے  
خلاف بھڑکار رہا ہے۔"

اس کا ترجمہ سن کے راہبہ نے پھر کچھ کہا اور عبادت میں مشغول ہو گئی  
اور خادمہ نے بتایا کہ کتنی ہیں "اچھا جاؤ۔ میرا بچھا چھوڑو۔ تھاری آرزو  
برآئے گی۔"

ایسا حکمی و دعویٰ اور پھر ایسی بے پروائی سے کہیے کہ دوسری طرف متوجہ  
ہو جانا ویکھ کے مریم کچھ گھبراہٹ ہو گئی۔ دل میں متروک تھی کہ اس وعدے پر اپنا  
اطمینان کرے یا نہ کرے۔ مگر اس وقت یہی مناسب معلوم ہوا کہ جبکہ کے راہبہ  
کے قدم چومے اور چپکے سے اٹھ کے چلی آئی۔ اور سیلیون سے گھر میں ادھر  
ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ مگر راہبہ کے وعدے کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ خدا  
خدا کر کے شام ہوئی۔ اور چراغ روشن ہو رہے تھے کہ ایک خادمہ ملنے آئے  
عرض کیا "طلح جو دربار خسروی کا سب سے بڑا مشیر ہے ایک مترجم کے ساتھ دروازے پر  
حاضر ہے۔ اور باریابی کا آرزو مند ہے۔ یہ بات بھی مریم کے خواب و خیال میں  
بھی نہ گزری تھی کہ طلح جو شیرین کا دوست اور اس کے اغراض کے مخالف  
ہے یوں خود بخود اُس کے پاس چلا آئے گا۔ سنتے ہی چونک پڑی۔ اور  
گہرا کے خادمہ سے پوچھا "طلح!"

خادمہ ”جی حضور طلح۔ وہی جرات و شہنشاہ کی صحبت میں رہتا ہے۔“

مریم ”کیون آیا ہے؟“

خادمہ ”لوندھی کو اس کی کیا خبر؟“

مریم۔ (ذرا سوچ کے) ”اچھا جا اور اپنے ساتھ آ“

خادمہ تو باہر گئی۔ اور وہ دن میں گئے لگی ”بچہ میں نہیں آتا کہ یہ کیوں آیا ہے؟ کیا مقدس راہبہ کی زبان میں اتنا اثر ہے کہ اتنی جلدی ایسے دشمن کا دل یلت گیا؟“ ناگمان طلح آیا۔ آتے ہی دوڑ کے مسیحہ ملک کے قدموں پر گر پڑا۔ اور سر سر گڑنے لگا۔ مریم سناٹے میں کھڑی تھی۔ اور طلح کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی کہ ترجمے نے کہا ”ملکہ زمان۔ طلح نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہے کہ اُس کی خطا معاف کی جائے۔ حضور اُس کی طرف سے

اپنا دل صاف کر لیں۔ اور اُسے اپنا وفادار غلام سمجھیں۔“

مریم۔ (تعجب سے) ”میں تو تمہیں شیریں کا دوست سمجھتی تھی۔“

طلح۔ ”غلام کو اگرچہ شیریں کی سرکار سے تعلق رہا ہے۔ مگر اس کا ہمیشہ سے معترف ہے کہ حضور ہی بالوں سے شہریار۔ تاج و تخت کی شریک۔ اور ولی عہد دولت ساسانی کی والدہ ہیں۔ حضور کے حقوق کے مقابل میں شیریں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اب یہ گفتگو اُسی ہمراہی شخص کی منہ سے ہو رہی ہے۔“

مریم طلح کے ان جملوں کو فریب اور جھوٹ سمجھتی۔ مگر راہبہ کا کتنا یاد آیا۔ اور دل میں گئے لگی ”بے شک یہ سچا ہے“ پھر پوچھا ”اور تم یہاں میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

طلح۔ ”اپنا تصور معاف کرانے۔ اور اپنی طرف سے حضور کا دل صاف کرنے کو۔“

مریم کی حیرت اب اور بڑھ گئی۔ بولی ”اور آج تک کبھی اور کیوں نہ آئے؟“

طلح - (عاجزی سے اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرا کے،) "اس کا سبب حضورؐ نہ پوچھیں۔"

مریم - "نہیں ضرور بیان کرو۔ بغیر اس کے تمھاری طرف سے میرے دل کے شیعہ نہیں مٹ سکتے۔"

طلح - "حضورؐ یہ غلام اپنی سرکشی و سرتابی کی سزا پا چکا ہے۔ اور گزشتہ افعال کو یاد کر کے اپنے اوپر لعنت ملاست کر رہا ہے۔"

مریم - (متحیر صورت بنا کے،) "مگر آخر بیان تو کرو کہ کیا ہوا؟"

طلح - "غلام آج دوپہر کو ذرا سو گیا تھا۔ ناگهان کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی صورت اور مقدس و متبرک چہرہ سامنے ہے۔ اس چہرے کے گرد نور کا ایک حلقہ ہے۔ اور سر پر خوبصورت حوریں اپنے پردوں سے سایہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ بزرگ صورت دیکھتے ہی میں دھڑاکہ قدم پر دم لون۔ مگر ارادہ ہی کیا تھا کہ یکایک آسمان سے آگ کی ایک سرخ اور جلتی ہوئی سلاخ اترتی اور مجھے مار کے ہٹا دیا۔ اس سلاخ کے صرف چھو جانے سے معلوم ہوا کہ جیسے تمام ہڈے میں آگ لگ گئی۔ میں گرمی کی شدت سے تڑپ گیا۔ اور ان بزرگ کے سامنے زمین پر لوٹ لوٹ کے ہزار الحاح و زاری کی مگر آنکھوں نے توجہ نہ کی۔ اور میری بیہوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آخر میرے رونے پینے پر آنکھوں نے کہا، "اسے شخص تو کافرو گنہگار ہے۔ اور اس شخص کا بدخواہ ہے جو نہایت ہی پاک دامن و پاک دل ہے۔ جا اب یہ گرمی کا عذاب تجھ پر مسلط رہے گا۔ اور جب تک تو ملکہ مریم کے پاس جا کے الحاح و زاری سے اپنی خطانہ معاف کر اسے گا۔ اور وہ نہ معاف کر دے گی۔ تجھے اس عذاب سے نجات نہیں مل سکتی؟"

میں نے گہرا کے پوچھا "اور آپ کون بزرگ ہیں؟" جواب ملا کہ سفیث بطرس یہ جواب دیتے ہی وہ بزرگ آسمان پر چلے گئے۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔

اُسی وقت غلام نے دل میں دین سبھی اختیار کر لیا۔ مگر بعض مجبوریاں ایسی ہیں کہ اس تبدیل مذہب کو ابھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور حضورؐ کی خدمت میں

حاضر ہوا ہون کہ میری خطا معاف فرمائیں۔ اور ایک بچے کی طرح آپ کے سامنے میں  
اقرار گئی کہ حاضر ہوں۔

مریم: پہلے یہ تو معلوم ہو کہ تم نے میسر کیا کتنا کیا ہے؟  
طلحہ: غلام حضور کے اغراض کے خلاف تھا۔ شیرین جو آپ کی دشمن ہیں ان کا طرفدار  
تھا۔ اور شہریار تم کو حضور کے خلاف غلام بھر کاٹا رہتا تھا۔ اب اس سے بڑا کیا  
گناہ ہو سکتا ہے؟

مریم: تو بادشاہ کا میری نسبت اب کیا ارادہ ہے؟  
طلحہ: وہ تو چاہتے ہیں کہ شیرین کو اپنی ملکہ بنالین مگر دشمنین کو جب تک حضور موجود  
ہیں نہیں منظور۔

مریم: میں تمھاری خطا معاف کر دوں گی مگر اس شرط سے کہ جس طرح تم نے شہریار کو میر  
خلافت کیا ہے۔ اب میرے دوست بن کے انھیں میرے موافق اور شیرین کا  
دشمن بناؤ۔ خطا تو معاف ہی کر دوں گی۔ لیکن اگر تم شیرین کے دنیا سے  
فکار دینے کی کوشش کرو۔ اور میں ہمیشہ کے لیے اُس سے نجات پا جاؤں تو  
میرے بہت ہی راضی بلکہ تمھاری احسان مند ہو جاؤں گی۔

طلحہ: غلام اس خدمت کو فوراً بجالاے گا۔ اب شہریار سے اخلاق کے ساتھ  
لٹا کر شروع کریں۔ چند ہی روز میں انھیں اپنا مطیع و جان نثار پائیں گی۔  
اور شیرین کے بونام کرنے کی تو ایک نہایت ہی عمدہ تدبیر نکل آئی ہے۔  
مریم: (خوش ہو کر) وہ کیا ہے؟

طلحہ: فریاد نام ایک کوہنہ کی صورت کا عاشق ہو گیا ہے۔ اور علانیہ  
عاشق کا دم بھرتا پھرتا ہے۔ بس عرفانی ضرورت ہے۔ بادشاہ کو اس کی  
خبر کر دی جائے۔ اور ثابت کر دیا جائے کہ شیرین سے اُس سے تعلق ہے۔

مریم: بہت ہی اچھی تدبیر ہے۔ ایسی کہ پٹ ہی نہ پڑے۔ تو پھر تمھیں بادشاہ کو  
اس کی خبر کرنا۔

طلحہ: ضرور۔ اب مطمئن رہیں۔ لیکن اس بات کا اطمینان دلا دین کہ میری  
خطا آپ نے معاف کر دی۔



مریمؑ بان میں نے تمھارا سب قصور معاف کیا۔ اور آئندہ سے تمھیں اپنا دوست سمجھو گی۔  
 طلحہؑ دیکھیے۔ حضورؐ کی زبان سے معافی کا لفظ نکلتے ہی مجھے تسکین سی ہو گئی۔  
 یہ کہہ کے مریمؑ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کے وفاداری کا  
 بہت بڑا وعدہ کیا۔ اور رخصت ہو کے چلا گیا۔

طلحہؑ کے جاتے ہی مریمؑ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور جو جو حیرت بڑھتی  
 جاتی تھی۔ اُس راہبہ سے عقیدت بھی زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر جہین نہ آیا۔  
 اور اُسی وقت اٹھ کے اُس مقدس راہبہ کے پاس دوڑی گئی۔  
 اور قدموں پر گر کے شکر گزاری کا اقرار کیا۔ راہبہ بہت دیر تک ایک وحشت کے ساتھ  
 اُس کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر اپنی مریدہ کے ذریعہ سے کہا "بس جا۔ غرض تو حاصل  
 ہو گئی۔ پھر اب کیوں آئی ہے؟"

مریمؑ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی اس مریدہ کی طرح میں بھی ہمیشہ آپ کی خدمت میں  
 رہوں۔ اور نوٹھی ہو جاؤں۔

یہ سن کے راہبہ باطل اپنی عادت کے خلاف فرامسکرائی اور اپنے پاس سے تھوڑی  
 روٹی نکال کے اُس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ اور کہا "سے اسے کھائے۔ پھر ہمیشہ کے لیے  
 مقدس دیون کی برکت تیرے ساتھ رہے گی۔ اور کچھ پھر کبھی میرے پاس آنے کی ضرورت  
 نہ ہوگی۔ یہ وہ پاک اور بابرکت روٹی ہے جو تین برس ہوے خاص کنیسہ شمع پر عشاء  
 ربانی میں چڑھائی گئی تھی۔ میں اس مقام پر جہاں مسیح کی روح تین دن تک  
 آرام کرتی رہی تھی۔"

مریمؑ نے وہ روٹی راہبہ کے سامنے ہی نہایت ادب اور خوش عقیدگی کے  
 ساتھ کھائی۔ اور رخصت ہو کے اپنے محل کو گئی۔ ابھی زیادہ دور نہ گئی ہوگی کہ  
 راہبہ نے مہن کے اپنی خادمہ کی طرف دیکھا اور عربی زبان میں کہا "رفاؤہ!  
 ہماری غرض تو حاصل ہو گئی۔ مریمؑ ہمیشہ کے لیے گئی۔ اور اب پھر بھی نہ آئے گی۔  
 خوبصورت شیریں کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اور طلحہؑ کو فخر و ناز ہو گا کہ خولہؑ نے اُس کا  
 بڑا کام کر دیا؟ اور کس لیاقت سے؟ بس اسب ہمیں بھانگنا چاہیے؟

مریدہ - بے شک - بیوی اب یہاں ایک گھڑی کو ٹھہرنا بھی اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ اسی وقت دونوں عورتوں نے اپنی کلیاں اٹھالیں۔ اور گنبد سے نکل کر شہر کی گلیوں میں غائب ہو گئیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سارے شہر میں ایک کھرام بجا ہوا تھا۔ شاہی محل میں ماتم بپا تھا۔ اور ہر شخص کی زبان پر تھا کہ ملکہ مریم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ "لوگ گلی کو پون میں ملکہ کی موت پر انہیں کرتے پھرتے تھے۔ اور جو سنتا تھا اس راہبہ کو گالیوں دیتا تھا جس نے اتنا بڑا ظلم کیا۔ فوجی عمدہ دار۔ اور شاہی غلام اُس کی جستجو میں ہر طرف گشت لگا رہے تھے۔ مگر کسی کو پتہ نہ لگا کہ کہاں گئی۔ اور کیا ہو گئی۔"

## پچیسواں باب

شہرین و فرہاد

مریم کی موت نے ایک زمانے کو حیرت میں ڈال دیا۔ بے شک یہ بات سب کے دل میں کھٹکتی تھی کہ شیرین کے سوا اور کسی کو اُس کی جان لینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر کوئی ایسا سلسلہ نہیں قائم کیا جاسکتا تھا کہ شیرین کو کسی قسم کا الزام دیا جاسے۔ خود شیرین حیرت میں تھی کہ یہ کون راہبہ تھی اور اُس نے ملکہ ایران کی جان لینے میں کیا فائدہ سمجھا۔ اور واقعی طلحہ نے استفادہ چھپائے حوالہ کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ سوا اُن دونوں میان بیویوں کے اور کسی کو اطلاع نہ تھی۔ خود انکار تین مندرجہ میں عدی بھی بالکل ناواقف تھا لیکن اصلی سازش سے ہزار ناواقف ہوں شیرین اور خسرو پر ویز دل ہی دل میں اُس راہبہ کے ممنون ضرور تھے جس سے اسے ان کے درمیان میں کوئی جھگڑا نہیں باقی رکھا تھا۔

مریم کے آغوش لحد میں سپرد کیے جانے کے چند ہی روز بعد شیرین نے تاج سر پر رکھا۔ اور خسرو پر ویز کی نازنین و ناز آفرین ملکہ بن گئی۔ لیکن اب ایک نیا جھگڑا پیش تھا۔ فرہاد کا نام ایک بچے عشق اور بیباک ذوق و شوق کے ساتھ ہر جھوٹے بڑے کی زبان پر تھا۔ اور اُس کی شہرت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ پر ویز اُسے علانیہ قتل کراتے بھی دیتا تھا۔ مگر فرہاد کے

عشق نے اُسے شیرین پر کسی قسم کی بدگمانی کا موقع نہیں دیا۔ شیرین کی طرف سے اُسے پورا اطمینان تھا۔ اس لیے کہ اُس کی دنا داری و عصمت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ ہر وقت اُس پر جان نثار کرنے کو تیار رہتی۔ اور خلوت و جلوت ہر حالت میں تاجدار ایران پر اس قدر حادی تھی کہ جدھر دیکھتا شیرین ہی نظر آتی۔

چند روز بعد خسرو پرویز شیرین - طلح - زید بن عدی - اور تمام ارکانِ دولت کو لے کے اپنے قدیم دارالسلطنت مدائن میں آیا۔ اور پایہ تختِ عجم میں ہر جگہ خوشی کے جلے ہوئے۔ طلح اب اتنے دنوں میں فارسی زبانِ ضرورت کے موافق بولنے لگا تھا۔ مترجم کی بہت کم ضرورت لاحق ہوئی۔ اور اکثر بے تکلفی کی صحبتوں میں بغیر کسی کی مدد کے خود سی اپنا مافی الضمیر بادشاہِ ظاہر کر دیا کرتا۔ خسرو پرویز کو اب کسی بات کی فکر نہ تھی۔ شیرین کی درباریانہ حرکتوں کو دیکھتا اور اس قدر محو ہو جاتا کہ اُن سے لطف اٹھانا بھی بھول جاتا۔ ایک دن طلح ایوانِ شہریاری میں بادشاہ کے سامنے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اور پرویز کے پہلو میں شیرین بیٹھی ہوئی شراب کے جام دے رہی تھی۔ خسرو عجم اپنی عادت کے مطابق اُس کے کرشون اور ناز و انداز کی ادائوں کو محویت سے دیکھ رہا تھا کہ شیرین اجازت لے کے کسی کام کو چلی گئی۔ اور خسرو ایک عجیب بے خوری کے ساتھ اُس جانب دیکھتا رہ گیا جدھر شیرین گئی تھی۔

چند لمحوں کے بعد جب ذرا ہوش آیا تو طلح کی طرف دیکھ کے بولا "اس میں وہ ظالم ادائیں ہیں کہ وصال میں بھی دل کی بیانی و بقراری نہیں جاتی۔"

طلح - (ادب سے ہاتھ جوڑ کے) "بے شک - آخر شہنشاہ کجگاہ کی مشق کو ساری دنیا بھر کے مشرقاؤں سے زیادہ حسین و ناز آفرین ہونا ہی چاہیے۔"

اس کے جواب میں پرویز تھوڑی دیر تک ایک سوچ میں رہا۔ پھر سر

اٹھاکے بولا: ”مگر طلحہ دنیا میں کسی کو پورا اور سچا اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا۔“

طلحہ - (سانے زمین چوم کے،) ”کیون؟ اب ان کامیابیوں اور حقیقی آزادیوں کے بعد شہر یار گیتیستان کو کیا فکر ہو سکتی ہے؟ خداوند اُسے بیان فرمائیں۔ اور یہ غلام اُس کے دُور کرنے میں اپنی جان بڑا دے گا۔“

خسرو - یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ بزوان پاک نہاد کو منظور ہی نہیں کہ انسان باطل بے فکر ہو جائے؟

طلحہ - مگر کچھ ہو۔ حضور اُس ترد کو بیان تو فرمائیں ہماری جانیں اسی لیے ہیں کہ شاہی فکروں پر قربان ہوں۔“

خسرو - (ایک ٹھنڈی سانس لے کے،) ”شیرین ناز، آخرین جس سے ملنے کی آرزو نے زندگی بے مزہ کر رکھی تھی میرے مشکوک سلطنت کو رونق دے رہی ہے۔ اُس کے وصل سے شادی کام ہوں۔ مگر اب یہ اندیشہ ہے کہ ایک رقیب پیدا ہو جاوے ایک ذلیل وادنی شخص ہو کے میرے مقابلہ میں شیرین کا آرزو مند ہے۔ اگرچہ مجھے شیرین سے کوئی شکایت نہیں۔ وہ میری ہے۔ بھرپور جان خدا کرنے کو تیار ہے۔ اور باوجود معشوقانہ ناز و انداز کے میرے ہر حکم کو سر اٹکھوں سے بجالاتی ہے۔ اس کے ساتھ پاک دامن ہے اور باعفت۔ اس کو کیا کروں کہ جب فرہاد کا خیال آجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی تیر کیلچے میں اتر گیا۔ اور واقعات ایسے ہیں کہ میں فرہاد کی جان لینے کا بھی ارادہ نہیں کر سکتا۔“

طلحہ - ”خداوند یہ کوئی ترد کی بات نہیں۔ فرہاد کو بلائیے۔ اور امتحان کے سامنے ملکہ شیرین کی زبان سے کسی ایسے کام کی فرمائش گرا دیجیے جس کا سر انجام دنیا انسانی طاقت سے زیادہ ہو۔“

خسرو - (سوچ کے،) ”ایسا کون سا کام ہو سکتا ہے؟“

طلحہ - ”حضور بہت کام ہیں۔ فرہاد کو کوہنی کا دعویٰ ہے۔ ملکہ پری جال

اُس سے فرمائش کریں کہ اپنے عشق کے ثبوت میں مدائن سے قہر بے ستون تک ایک نہر کھود کے تیار کر دو جس کے ذریعہ سے ملکہ کے لیے وہاں دودھ پہنچایا جاسکے۔ یہ ایسا کام ہے کہ اُس کو لیے فرہاد کے ایسے چار فرہادوں کی بھی زندگی کافی نہ ہو سکے گی۔

خسرو - اسکا کہ "تدبیر تو اچھی بتائی ہے۔ واقعی تم بڑے ذہین آدمی ہو۔ میں اسی وقت اس کا بند و بست کروں گا۔"

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ شیرین آئی۔ اور ایک ناز و ادا کے ساتھ پرویز کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ پرویز نے مسکرا کے اُس کی طرف دیکھا اور کہا - "شیرین! میں فرہاد کے معاملے میں نہایت ہی متروک تھا۔ مگر اس وقت میرے لائق رفیق طلح نے ایسی تدبیر بتائی کہ سارا تردد دور ہو گیا۔"

شیرین - (متبن صورت سے) "وہ تدبیر کیا ہے؟"

خسرو - "یہ کہ تم فرہاد کو اپنے سامنے بلا کے اُس کے عشق کا امتحان لو۔"

شیرین - (فکرمندی کے ساتھ) "کیونکر؟"

خسرو - "اس طرح کہ اگر تمہارا سچا عاشق ہے تو یہاں سے ایوان بے ستون تک دودھ کی ایک نہر جاری کر دے۔"

شیرین نے یہ سن کے کسی قدر غور کیا۔ پھر سر اٹھا کے بولی "لو نڈھی کو شہر یار کے حکم میں کوئی عذر اور تامل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اُس عزیز پر ظلم ہو گا۔"

پرویز - "آہ! اور تمہیں اُس ظلم کی پروا نہیں جو اُس کے ہاتھوں مجھ پر ہو رہا ہے؟"

شیرین - "خسرو کا فرمانا بجا ہے مجھے اُس کا امتحان لینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اسی وقت شاہی حکم سے فرہاد پرویز کے دربار میں لا یا گیا۔ شیرین ایک نقاب ڈال کے سامنے آئی۔ اور دو چار معمولی باتیں کر کے اُس سے کہا "اگر تمہیں میرا سچا عاشق ہے اور مجھے دل و جان سے چاہتے ہو تو ایک ایسی نہر کھود کے تیار کر دو جس کے ذریعہ سے مدائن سے ایوان بے ستون تک میرے پاس

دو دم پہنچ جایا کرے : فرہاد نے یہ فرمائش سن کے پہلے ایک آہ سرد بھری پھر بولا "میں یہ امتحان دینے کو تیار ہوں۔ مگر اتنی تمنا ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ جمال جان آرا کی زیارت کروں : شیرین نے نقاب اٹھانے کے فرہاد پر اپنے حسن کی بجلی گرائی۔ اور وہ بیتاب ہو کے عجب بے اختیاری و جوش و خروش کے ساتھ شاہی محل سے جنگل کی طرف بھاگا۔ اور جاتے ہی پہاڑوں پر تیشہ زنی کرنے لگا۔

اس کارروائی نے خسر و پرویز کو بہت کچھ اطمینان دلادیا تھا۔ جوش مسرت میں دو چار جام شراب پیے۔ اور شیرین اُسے اٹھا کے اُس کے قصہ رنگارمین لے گئی۔

اس خاص دربار کے برخواست ہونے کے بعد طلحہ اٹھ کے اپنے مکان میں آیا۔ جان زید بن عدی اُس کے انتظار میں بیٹھا خولہ سے باتیں کر رہا تھا۔ دونوں ہم خیال دوست بہت بے تکلفی سے ملے۔ اور طلحہ نے دربار کی سرگزشت اور شیرین و فرہاد کی حسرت ناک داستان بیان کی۔ جسے سن کے زید نے کہا "آپ کی ذہانت اور خداوند فطرت میں کسے شک ہو سکتا ہے؟ اب دنیا آپ کے ایسے صاحب تدبیر سے خالی۔"

طلحہ - (بات کاٹ گئے) "خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔ اب ہمیں خدا اپنے انراض و مقاصد کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جن کاموں کے لیے ہم آئے تھے اُن میں سے کتنے کام ہو چکے اور کتنے باقی ہیں؟"

زید - "ابھی اصلی کام تو باقی ہی ہے۔"

طلحہ - "دہ کیا ہے؟"

زید - "مذرت سے انتقام لینا۔ مجھے اپنے والد کے خون کا انتقام لینا ضروری ہے۔ اور اس کا آپ وعدہ کر چکے ہیں۔"

طلحہ - "بے شک اگر یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اب تم باو شاہ کے مصاحب اور معتمد علیہ ہو جس وقت چاہو مذرت کو قتل کرا سکتے ہو۔ مگر میں اس کام

ایک جدت کے پہلو اور نئے انداز سے انجام دینا چاہتا ہوں۔  
 زیدؑ یہ تو آپ کی طبیعت کا خاصہ ہے۔  
 طلحہؑ دیکھیے میں نے کس خوبصورتی سے شیریں کو ایوان خسروؑ میں بآسانی  
 پہونچا دیا ہے۔  
 زیدؑ نہایت عمدگی سے۔ مگر اس میں آپ کو مریم کے ناگمان مرجانے سے  
 مدد مل گئی۔  
 طلحہؑ خوب! اور یہ نہیں جانتے کہ وہ مرکیون لگی ہے۔  
 زیدؑ سننا ہوں کسی راہبہ نے جو شام سے آئی تھی اُسے زہر دے دیا اور  
 بھانگ لگی۔  
 طلحہؑ اور اُس راہبہ کو پہچانتے ہو؟  
 زیدؑ میں کیا جانوں؟ کبھی دیکھا ہو تو پہچانوں؟  
 طلحہؑ مگر دیکھا ہوتا تب بھی نہ پہچان سکتے؟  
 زیدؑ آخروہ تھی کون؟ شاید آپ اُسے جانتے ہیں؟  
 طلحہؑ میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو۔ یہی ہماری خولہ تھی جسے خود  
 میں نے سمجھا بھانگے بھیجا تھا۔  
 یہ سنتے ہی زید ایک سناٹے میں آگیا۔ اور اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی  
 یہ حواسی کے ساتھ زبان سے نکلا ”خولہ!“ اور خولہ کی صورت دیکھنے لگا  
 خولہ نے مسکراتے کہا ”ہاں ہاں میں ہی تھی۔ مگر دیکھو کسی کے سامنے  
 ذکر نہ کرنا۔“  
 زیدؑ مگر تم اکثر باہر جایا کرتی ہو۔ اس سے احتیاط کرنا چاہیے شاید کوئی  
 پہچان لے۔  
 طلحہؑ یہ ایسا بھیس بدل کے لگی تھیں کہ کسی نے لاکھ دیکھا ہوتا انھیں  
 پہچان سکتا۔  
 زیدؑ اور وہ تمھاری مریدہ کون تھی؟  
 طلحہؑ اُسے بھی تم جانتے ہو وہ حیرہ کی عربی و فارسی دان خوبصورت لونڈی

رفادہ تھی اسی غرض کے لیے تو وہ مول لی گئی تھی!“  
 زیدؑ: ہاں۔ ہاں۔ بڑی خوش رو عورت تھی۔ میں چاہتا تھا کہ آپ سے مانگ لوں۔ پھر اُس کے بعد وہ کیا ہوئی؟ کیا بھاگ گئی؟“  
 طلحہؑ: ہمارا از معلوم کر کے بھاگ سکتی تھی! یہ کام لینے کے بعد ہم نے اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ ممکن تھا کہ کبھی اُس کی زبان سے نکل جاتا۔ اور ہم سب آفت میں پھنسنے۔ ایسے شخص کو تو ایک گھڑی کے لیے بھی زندہ نہ چھوڑنا چاہیے۔“  
 زیدؑ: مگر افسوس بڑا ظلم کیا!“

طلحہؑ: ظلم! اسے ظلم کہتے ہو! بعض معاملات میں جب تک انسان دل مضبوط نہ کرے کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی۔ ہمارے اغراض کے لیے اُس کا مرنا ضروری تھا۔ اور قتل کہنے ہی کے لیے ہم نے اُسے مول لیا تھا۔“  
 زیدؑ: خیر تو اب مجھے کب انتقام لینے کا موقع ملے گا؟“

طلحہؑ: بہت جلد۔ ذرا شیرین اور خسرو پر وزیر کو ملے تھوڑا زمانہ گزر جائے۔ وہ اور اتنا ہو جائے کہ خسرو کا جوش عشق ذرا دھیمّا پڑے۔ اگرچہ آج ہی مجھے نظر آگیا کہ اب اُس کے ذوق و شوق میں کمی پیدا ہو چلی ہے۔ بس تھوڑے ہی دنوں اور انتظار کرنا ہو گا۔“

زیدؑ: مگر بادشاہ کا جوش فرو ہونے کو اس سے کیا تعلق؟“  
 طلحہؑ: تم نہیں جانتے۔ جو تدبیر میں نے سوچی ہے اگرچہ تمہارے ہی ہاتھ سے کرنی چاہے گی۔ مگر میں ابھی اُسے نہیں بتاؤں گا۔ جب وقت آجائے گا اُسی وقت تم کو معلوم ہوگی! معلوم ہونا کیسا میں ابھی طرح سکھا پڑھا دوں گا۔ اس لیے کہ اُس کی تعمیل تمہارے ہی ذریعہ سے ہوگی۔“

زیدؑ: (دسکرا کے) ”لیکن اگر بتا دیجیے گا تو میں کسی سے بیان نہ کروں گا۔“  
 طلحہؑ: ”چاہے بیان کر دیا نہ کرو۔ لیکن کسی کا ردوائی کو قبل از وقت بتا دینا میرے اصول کے خلاف ہے۔“

زیدؑ: خیر نہ سی۔ آپ کی مصلحتوں میں میں دخل نہیں دے سکتا۔ ایساں کا کچھ پتا چلا؟ خدا جانے اس وقت تک کیوں نہیں آیا؟“



طلحہ : "شاہد کہ ہند کی محبت کے جوش میں وہ حیرہ کے تاج و تخت پر سوار ہو کر اسی کنیت سے من گیا جہاں شاہزادی ہند راہب بن کے بیٹھی ہے۔ اُس کی خوشامد میں اپنی قوم بلکہ ساری دنیا کو چھوڑ کے راہب بنا ہے۔ اور دین مسیحی اختیار کر لیا۔"

زید : "لیکن ہند اُس کو پسند نہیں کر سکتی۔"

طلحہ : "تم دیکھو تو سہی کہ ان معاملات کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ میں نے وہ تدبیریں سوچیں ہیں کہ سارے عرب کا طبقہ اُلٹ دوں گا۔ اور ایک ساتھ ہی ان ان سب کو اپنی سرکشیاں اور شہوت پرستیوں کا بدلہ مل جائے گا۔"

خولہ : "بہل تمہاری مدد کرے گا۔ اور کہیں جلدی ایسا ہو کہ میں خوش ہوں اس لیے کہ مجھے بھی کئی شخصوں سے انتقام لینا ہے۔"

زید : "(تعجب سے) کیوں بڑی تھیں کس سے انتقام لینا ہے؟"

خولہ : "ابھی نام نہ بتاؤں گی۔"

طلحہ : "مگر تھیں تو صرف ایک شخص سے انتقام لینا تھا۔ کئی کیسے؟"

خولہ : "بس دو شخصوں سے ایک تو۔"

طلحہ : "(بات کاٹ کے) "ہاں ہاں ایک تو وہ جسے جانتا ہوں اور دوسرا؟"

خولہ : "دوسری ظالم مر جائے نہیں ہے؟"

طلحہ : "(نہایت جوش سے) "بے شک! بے شک! مجھے اور تھیں دونوں کو اُس کم بخت سے انتقام لینا ہے۔ اور نہایت سخت انتقام۔"

یہ کہتے وقت طلحہ میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ چہرے پر مجنوناہ غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہوئے۔ اور زید اُسے حیرت و خوف کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر طلحہ نے اپنا غصہ فرو کرنے کے لیے خولہ کو کھینچنے کے لیے میں بٹھالیا۔ اُس کے منہ کو کئی دفعہ چوما۔ خوار آلود آنکھوں کے کئی پوسے لیے اور بولا "پیاری خولہ! تو ہر امر میں میری مونس و نگہسار رہی ہے۔ اور بڑے بڑے نازک اور مشکل موقعوں پر قوتِ رفاقت کی ہے۔ ہم اور تو دراصل ایک ہیں اور ہمارے تیرے دشمن بھی ایک ہی ہیں۔ جن سے تجھے انتقام لینا ہے"

انہیں سے مجھے بھی انتقام لینا ہے۔ مگر ابھی یہ راز کھل نہیں سکتا۔ یہ اُسی وقت کھلے گا جب انتقام کی تلوار میان سے نکلے گی۔ اور جزیرہ نما عرب میں ہر جگہ آتش حرب کے شعلہ بلند ہو رہے ہوں گے۔“

ان دونوں میان ہیوں کی یہ حالت دیکھ کر زید بن عدی دل میں کسی قدر خوف زدہ سا ہو گیا۔ مگر کچھ بوجھنا خلاف مصلحت خیال کر کے اُن سے رخصت ہوا۔ اور ایوان خسروی گئے اُس کمرے کی راہ لی جہاں اپنے خدما ت منتظر سرانجام دینے کے لیے حاضر رہا کرتا تھا۔

## پچھیسوان باب

خسرو پرویز عوب کے حسن و جمال کا دیوانہ ہے۔

اب خسرو شیرین کے باہمی تعلقات نہایت ہی لطف پر ہیں۔ نہ کسی بات کا غم ہے۔ اور نہ کسی چیز کا کھٹک۔ سب روز دور شہر اب چلتا رہتا ہے۔ اور جب دیکھے ناز آفرینی و نازبرداری کی صحبت گرم ہے۔ لیکن فطرت انسانی اور خصوصاً اُن لوگوں کی طبیعت کا جو ایک ہی قسم کی لذت میں محو ہو جاتے ہیں یہ لازمی تقاضا ہے کہ چند روز بعد اُس آرزو مند و مقصد دری سے بھی عاجز آجاتے ہیں جو بڑی امیدوں اور تمناؤں کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اور کسی ہی لطف و مسرت کی بات ہو جہاں معمولی ہو گئی اُس سے جی اُگتا جاتا ہے۔ یہی حال اب خسرو پرویز کا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں شیرین کی ناز آفرینیان کسی قدر پھیلکی معلوم ہونے لگیں۔ اس بے لطفی کو فرہاد کے جوش جنون نے اور بڑھایا۔ فرہاد کی طرف سے اگرچہ طلح نے حکمت علی سے اُس کو اطمینان دلایا ہے۔ اور اب اُسے یقین ہے کہ فرہاد کو اپنے غیر معمولی کام اور غیر ممکن سوال سے پورا کرنے سے کبھی اتنی فرصت ہی نہ ملے گی کہ شیرین کی طرف توجہ کرے۔ لیکن اس کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی کہ اب خسرو پرویز کی نظر میں شیرین ناز آفرین بن وہ و لہزیبان ہی نہیں باقی رہیں جو ریم کی زندگی میں تیار و بقرار رہے ہوئے تھیں۔ طبیعت کی اس بے مزی کو ایک عرصہ تک وہ دل ہی دل میں دبا رہا۔ مگر آخر ضبط

نہ ہو سکا۔ اور ایک دن تنہائی میں طلح اور عدی بن زید کے سامنے کہہ بیٹھا کہ انسان دنیا میں ہر چیز مل سکتی ہے مگر ایسی معشوقہ نہیں ملتی جو سیرت و صورت میں کوئی عیب نہ رکھتی ہو؟ ہر امر میں کمال کے درجہ کو پہونچی ہوئی ہو اور جس سے دل کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچے۔

طلح - (زمین ادب چوم کے) "کیا ملکہ شیرین میں ایسا کمال نہیں ہے؟"  
سر ویز - (ایک آہ سرد کھینچ کے) "اگر اسی میں ایسا کمال ہوتا اور اُس کی خرابی و رعنائی میں کوئی عیب نہ ہوتا تو میرا دل اس وقت پڑمردہ و افسردہ نہ ہوتا۔"

طلح - خداوند! غلام کو معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کا اصلی کمال کیا ہے۔ تاکہ اُس کے معلوم ہونے کے بعد یہ غلام ساری دنیا میں پھر کے اور جہان اور جس طرح ممکن ہو ایک با کمال معشوقہ حضور کے لیے ڈھونڈ لائے۔

عدی - (جسے طلح اس کے متعلق پہلے ہی پڑھا چکا تھا) "حسن و جمال کی تعریف تو تاحہ اران آل ساسان کے خزانے میں مدون سے لکھی رکھی ہے۔ اس کو نکال کے دیکھا جائے تو جہان پناہ پر آشکارا ہو جائے گا کہ حسن کیا چیز ہے۔ اور وہ کیسی ناز میں ہے جو اصلی اور واقعی معشوقہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔"  
سر ویز - (احیرت سے) "مجھے نہیں معلوم تھا۔ کیا کوئی ایسی مستند تحریر ہمارے خزانے میں ہے؟"

عدی - (ہاتھ جوڑ کے) "خداوند۔ اُس روز غلام خزانہ شاہی کے قدیم ہمد ناموں اور تحریروں کو دیکھ رہا تھا کہ قدیم الایام کا ایک نہایت ہی بڑا کلفت نوشتہ ملا جو سفید حریر پر سنہرے حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اور ایک سونے کے صندوق میں بند کر کے بڑی احتیاط سے رکھا گیا ہے۔ غلام نے اُس کو کھول کے پڑھا تو معلوم ہوا کہ قدیم عقلا سے علم نے حسن و جمال کے اصلی و حقیقی اوصاف ایک جگہ منضبط کر دیے ہیں۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ جس معشوقہ میں ان اوصاف میں سے ایک بھی نہ ہو اُس کا حسن ناقص ہے۔"

خسر ویز - (خوش ہو کے) "نہایت ہی عمدہ چیز ملی۔ مجھے اس کی خبر

نہ تھی کہ ہمارے آباد اجداد اس حسن و عشق کے متعلق بھی ہمارے بے ایک ہدایت نامہ چھوڑ گئے ہوں۔ عدی ابھی اُس تحریر کو لا کے حاضر کرو اور مجھے سناؤ دیکھوں مہر مذاق بزرگوں کے مذاق سے کہاں تک ملتا ہے؟

طلحہ: "بے شک حضور اُس تحریر کو دربار میں پڑھا جانا چاہیے۔ تاکہ غلام بھی عقل کے تجربوں سے فائدہ حاصل کر سکے؟"

عدی گیا۔ اور دم بھر میں اُس طلائی صندوقہ کو لا کے کھولا۔ اور یہ اوصاف جو فارسی زبان میں تھے پڑھ کے سنا سنا شروع کیے۔

"معشوقہ وہ ہے جس کے حرکات و سکنات میں اعتدال ہو رنگت نکھری ہو۔

درہا ہے وندران سفید اور برف کے سے ہوں۔ پلین اور بھوین کھنی ہوں۔ ابرو

لبے اور کھپے ہوئے ہوں۔ جس طرح آنکھوں کی سیاہی خوب گرمی اور دلفریب

ہو اُسی طرح اُن کی سفیدی بھی خوب براق اور روشن ہو۔ آنکھیں بڑی بڑی

اور کشادہ ہوں۔ ناک اوپر سے خم دار ہو۔ اور تھنے تنگ ہوں۔ ان اوصاف کے

ساتھ ناک کو خوب بلند ہونا چاہیے۔ رخسارے کھنچے ہوں۔ اور قد ایسا ہو کہ

جی چاہے دوڑ کے گلے سے لگا لیجیے۔ بال لبے لبے اور تھنے ہوں کان کے نیچے کا حصہ

جان گوشوارے ہلکتے ہیں وسیع ہو۔ گردن لمبی اور صراحی دار ہو۔ سینہ چوڑا ہو۔

چھاتیان مدور ہوں۔ شانے بھرے بھرے ہوں۔ بڑے ہوں۔ اور نرم ہوں۔

ہوں۔ کلایان سانچے میں دھلی ہوئی معلوم ہوں۔ ہاتھ نازک ہوں۔ اور

انگلیاں گول اور بھری ہوئی ہوں۔ پیٹ کی بیٹن نہایت ہی نازک

ہوں۔ کرتلی اور باریک ہو۔ پیرو خوب بھرا اور ابھرا ہو۔ سرین بڑے

اور نمایان ہوں۔ رانیں مناسبت کے ساتھ تلی ہوں۔ گھٹے بڑے ہوں اور

پنڈلیاں موٹی اور خوب گول ہوں۔ گٹے اور پاؤں نازک نازک ہوں۔

اور ایسے ہوں کہ گھٹکھڑن کو خوب بھر لیں۔ چال مستانہ ہو اور چھوٹے چھوٹے

قدم ڈالتی ہو۔ بیٹھا ہوا اُسے زیادہ پسند ہو۔ پنڈے کو دیکھیے تو جلد نازک

اور اعضا بھرے بھرے نظر آئیں۔ خاوند کی آواز پر کان لگاے رہتی ہو۔

پاک مرثت پاک نہاد۔ نیک خلعت۔ اور صاحب نسب ہو۔ اپنے نسب پر

خبر کرے مگر شوہر پر اپنی فضیلت نہ جتاے۔ اور فضیلت بھی جتاے تو صرف اپنی  
 نہ کہ اپنے کنبے بھری۔ ادب میں لوگ اُسے مستند مانے ہوں۔ اُس کی رائے  
 عقلمندان کی رائے کے موافق ہو اور اُس کے افعال غریب ہو بیہیون کے سے  
 ہوں۔ دستکار ہو۔ زبان دراز نہ ہو۔ آواز دلکش ہو۔ اپنے گھر کو آراستہ رکھے  
 اور دشمنوں کو برا سمجھے۔ اگر اُس کی طرف توجہ کرے تو شوق سے متوجہ ہو۔ اور اگر  
 اُسے روکو تو فوراً رُک جائے۔ آنکھیں خوب کھلی ہوئی ہوں۔ گال گلاب  
 گے سے سرخ ہوں۔ ہونٹ نہایت ہی نزاکت سے حرکت کرتے ہوں۔  
 اور شوہر کی صورت دیکھتے ہی بہت گرم جوشی سے استقبال کو دوڑے۔  
 نسائی خوبیوں کی یہ تفصیل سن کے خسرو پر دینے ایک آہ سرد بھری۔ اور  
 کہا "افسوس ایسی دلربا نازنین اور ایسی دلدار ناز آفرین دنیا کے پردے پر  
 نہیں۔ بھلا تجھے کمان نصیب ہو سکے گی؟"

اس موقع پر عدی بن زید نے طلح کی طرف دیکھ کے دبی زبان میں کہا۔  
 "ہے توسی۔ مگر تل نہیں سکتی"

پرویز۔ (چونک کے) "کیا ہے اور نہیں مل سکتی؟"  
 طلح۔ (عدی کی طرف نفرت و ملامت سے دیکھ کے) "تجھیں شہر پار گیتی ستان  
 کے سینے ایسا ذکر نہ کرنا چاہیے تھا۔" پھر خسرو پرویز کے سامنے سجدے میں  
 گر پڑا۔ اور بولا "خداوند! یہ سچ کہتے ہیں۔ مگر ایسی چیز کا تذکرہ بھی نہ کرنا  
 چاہیے تھا جس کا حاصل کرنا غیر ممکن ہو۔"

اس جملہ نے خسرو پرویز کے دل میں شوق کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ اور  
 کسی قدر برہمی کے ساتھ بولا "غیر ممکن! میرے لیے کوئی چیز غیر ممکن ہے؟ ایسی

عہ بر حسن کی تعریف اور حسینوں کے اوصاف واقعی ایرانیوں کے خزانے میں  
 موجود تھے۔ جن کا مفصل حال ابن اثیر میں دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ہم پورا  
 پورا ترجمہ نہیں کر سکے۔ اس لیے کہ بے لطف ہو جاتا۔ مگر اُس سے اخذ کر کے  
 اور اپنے الفاظ و خیالات کا جامہ پنھا کے اُن اوصاف کو ناظرین کے سامنے  
 پیش کر دیا۔

مازنین جہان اور جس سرزمین پر ہوگی میرے بہادر سرداران فوج اپنی تلواروں کے زور سے لائیں گے۔ اور اگر وہ نلا سکے تو میں اپنی سلطنت دے کے اور اپنا تاج تخت بیچ کے لون گا۔ تم بیان تو کرو کہ کمان اور کس سرزمین میں ہے؟

طلحہ (عدی سے) "تم نے ایک بڑا فساد پیدا کر دیا۔ افسوس اس ایک جملہ کے نتیجہ میں بڑی خون ریزی ہوئی۔ اور ہمارے شہریار کو بیتابی و ہتھکڑی کی بہت زیادہ تکلیف اٹھانا پڑے گی۔"

پرویز (عدی سے) "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جلدی بیان کرو۔ اس لیے کہ اب نجر میں ضبط کی تاب نہیں ہے۔"

عدی "ایسی عورتیں شاہان بنی کندہ کے گھرانے میں اکثر ہوتی رہی ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ نعان بن منذر کی بیٹی حبیبہ ایک ایسی ہی بی بی تھی اور آفت روزگار شہزادی ہے کہ کسی ملک میں اور کسی شاہی خاندان میں کوئی لڑکی اس کے مثل نہیں۔ یہ اوصاف معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو سامنے بٹھا کے لیٹے گئے ہیں۔ اور گویا ہو ہو اسی کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ حسن کا یہ خاکہ خاص نعان اول کا قائم کیا ہوا ہے جو قدیم الایام میں اس سلطنت کا مشہور بادشاہ تھا۔ اور اس نے بالکل اپنے گھرانے کی پریمی جمال لڑکیوں کا حلیہ لکھ کے رکھ دیا ہے۔"

پرویز "میں نہیں سمجھتا تھا کہ عرب کی عورتوں میں ایسا حسن و جمال ہے۔ تو اب حبیبہ کے بغیر میرے دل کو تسکین نہیں ہو سکتی اور اس کا ملا کر کیا شکل ہے؟" "منیزہ کی اتنی مجال نہ تھی کہ بین بانگوں اور وہ اپنی بہن کے دیش سے انکار کرے۔"

طلحہ "خداوند ہی شکل ہے۔ عرب لوگ ہزار میل و وحشی ہوں مگر اپنے نسبوں پر بڑا فخر و ناز رکھتے ہیں۔ اور اس کے ہر گز روادار نہیں کہ اپنی بیٹی یا اپنے گھرانے کی کوئی لڑکی کسی قوم والے کو دے دیں۔ اس باب میں ان کا جابلانہ غور اس درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ مر جانا گوارا ہے اور یہ نہیں گوارا کہ لڑکی کسی اور کے پہلو میں جا کے بیٹھے۔ اس خیال کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے شرفاء عرب بیٹوں کو پیدا ہونے ہی زندہ دفن کر دیتے ہیں۔"

پرویز - (دبر ہی کے ساتھ) "نہیں۔ منذر کی اتنی مجال نہیں کہ میرے حکم سے ذرا بھی سرتابی کرے۔ عدی تم خود میری طرف سے پیام لے کے جاؤ۔ اور ڈر ادا صمکا کے یا نہیں خوشی جس طرح بھیجے اُس کی بہن حلیمہ کو سوار کرا لاؤ۔"

عدی - غلام کو جانے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن ایک مغز ایرانی سردار بھی غلام کے ہمراہ کیا جائے۔ اگر یہ جان نثار اکیلا گیا تو خوف ہے کہ یہ کلہ سنتے ہی وہ بچے قتل نہ کر ڈالے۔"

پرویز - "این! اُس سے اتنی سرکشی کا احتمال ہے!"

طلحہ - (اُبدیدہ ہو کے) "افسوس۔ غلام کو خود اپنے آقا اور پُرانے محسن کے خلاف عرض کرنا پڑتا ہے۔ مگر خداوند۔ یہ ایسی بات ہے کہ سنتے ہی غضب میں وہ جونہ کرے تعجب ہے۔"

پرویز - "بہتر۔ تو عدی تم سپہ سالار ماہویہ کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ اور حکم دے دو کہ ایک ہزار بزد آؤ ما سوار ہمراہ لے لے۔ اور بس۔ اب میں حبیبہ کے عشق میں بیاب ہوں۔ اور جب تک اُسے نہ لے آؤ تم سے ایک بات بھی نہیں کر سکتا۔"

اتنا کہا اور اُٹھ کے محل میں چلا گیا۔

پرویز کے جاتے ہی طلحہ اور عدی دونوں نے ہنس کے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور کہا "پوری کامیابی ہوئی۔"

عدی - پرویز کے دل میں ایسی چٹکاری نہیں ڈالی گئی ہے کہ بغیر ہمارے اغوا حاصل کرائے سمجھ جائے۔"

طلحہ - کبھی نہیں۔ میں نے تو تم سے کہہ دیا تھا کہ اس تدبیر سے ہم ایک اشارے میں اپنے تمام دشمنوں کو خاک میں ملا دیں گے۔"

عدی - مجھے تو اپنے والد کے خون کا پورا انتقام ملا چاہتا ہے۔ اور اب منذر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

طلحہ - منذر ہی نہیں وہ تمام لوگ خاک پر لوٹے ہوں گے جن کے خون کے ہم پیاسے ہیں۔"

عدی - "اب میں جاتا ہوں ماہویہ کو تیاری کا حکم دے دوں۔ اور آج ہی شام کو"

بیان سے روانہ ہو جاؤں گا؟“  
**طلح** ”میرے چلنے کی تو ضرورت نہیں ہے؟“  
**عدی** ”چلنا کیسا بلکہ آپ کے بیان رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ کوئی دشمن شہریار کا  
 خیال نہ بدلنے پائے۔“

اس گفتگو کے بعد طلح نے اپنے گھر میں آ کے ساری سرگزشت خود سے بیان کی  
 جو سنتے ہی مارے خوشی کے اچھل پڑی۔ اور عدی نے جا کے مابوہ کو تیاری  
 اور روانگی کا حکم سنایا۔ مابوہ نے اُسی وقت ایک ہزار بہادر غبی نوجوان  
 جن میں زیادہ تر بخارا و ہرات کے ترک اور افغانستان و بلوچستان کے  
 جاٹ تھے اپنی ہمراہی کے لیے منتخب کر لیے۔ اور شام ہوتے ہی عدی اور مابوہ  
 نے اپنے ہمراہی سواروں کے ساتھ ارض حیرہ کی طرف کوچ کر دیا۔

چند روز کی باویہ پیمائی کے بعد یہ لشکر بنی کندہ کی سرحد میں داخل ہوا۔  
 اور اُس کے دوسرے تیسرے دن خاص شہر حیرہ میں تھا۔ مندر نے بڑے جوش  
 و خروش کے ساتھ استقبال کیا۔ اور سب لوگوں کو اپنا مہمان بنا کے عدی اور مابوہ کو  
 خاص اپنے قہر میں لے گیا۔ عدی نے موقع پا کے اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں  
 کر چکنے کے بعد شہر یار عجم کا پیام سنایا۔ جس کے سنتے ہی مندر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔  
 اور نہایت برہمی کے ساتھ بولام آج تک کوئی عرب پتہ لڑکی تاجداران  
 ایران کو نہیں دی گئی۔ عرب اپنے نسب میں داغ نہیں لگا سکتے۔ اور نہ اتنے  
 ذلیل ہیں کہ اپنی شریف بیٹیوں کو شاہان عجم کی شہوت پرستی پر قربان کر دیں؟ کیا  
 پرویز کو اپنی ذلیل خواہشوں کے لیے ایران میں لڑکیاں نہیں ملتیں جو میان  
 پیغام بھیجا ہے؟“

**عدی** ”میں نے شہنشاہ کا حکم سنا دیا۔ اب آپ سے جو جواب ملے گا جا کے  
 عرض کر دوں گا۔“

مندر نے آخر عجم کی کالی آنکھوں اور سانپے چہرہ سے ایرانیوں کو کیا  
 دیکھی ہو سکتی ہے؟ میں نہیں کہہ سکتا یہ کالی بکریاں اُسے کیا پسند ہیں؟  
**عدی** ”یہ میں نہیں جانتا۔ ہاں یا نہیں کچھ جواب دیجیے۔“



منذر یہ اس کا جواب تم خود جانتے ہو کہ "نہیں" کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمہارے قدیم تعلقات اور تمہاری محبت و عنایت سے مجھے امید ہے کہ بادشاہ کو جہاں تک بچے کا اسٹنگی و شائستگی سے بچھا دوں گے۔ تم جانتے ہو کہ یہ عزت و حرمت کا معاملہ ہے۔ جس سے انکار کرنے پر مین مجبور ہوں۔ اس موقع پر وہاں تھا کہ بادشاہ کی صحبت میں ہونا غنیمت ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس خیال کو تم اُن کے دل سے نکال دو گے۔

عدیؑ: یہ شک۔ مین نے پہلے بھی اس کی کوشش کی تھی۔ اور اب بھی جا کے یہی کوشش کروں گا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ شہنشاہ پر کسی کا زور نہیں چل سکتا۔ اُنھوں نے نہانا تو مین کیا کروا دیا۔

منذرؑ: "نہیں" یا "نہیں" کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سبھی حرمت ہے کہ پرویز کے دل میں یہ خیال کس نے پیدا کیا ہے آج تک آل ساسان کے کسی تاجدار نے اپنی شہوت پرستی کے اغراض کے لیے عرب کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔

عدیؑ: سچے اس کا بھی حال تو نہیں معلوم۔ لیکن قیاس سے کہتا ہوں کہ برم کے زہر دیے جانے کے بعد اب شیریں کا مرتبہ جو بہت بڑھ گیا ہے تو کسی مرم کی سہلی نے فقط اس غرض سے کہ شیریں کو بھی شہریار کی نظر سے گرائے یہ فقرہ گرم کیا ہے اور شاہزادی حبیبہ کی کچھ ایسی تعریف کر دی ہے کہ شہنشاہ اتنا سے زیادہ بیاب و بیقرار ہو رہے ہیں۔

منذرؑ: "اول تو حبیبہ میرے پاس ہی نہیں ہے۔ سننا ہوں ایک عذری توجہ کے ساتھ بنی شیبان میں جا کے فروکش ہوئی ہے۔ اور اگر ہوتی بھی یا مین اُس کو اپنے قابو میں بھی لاسکتا تو یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بنی کندہ کی شاہزادیان سری کے ایوان میں بھی جائیں۔"

ماہویہ سپہ سالار جو عدی کے ساتھ آیا تھا عربی زبان سے ناواقف تھا۔ منذر کے دربار سے باہر آئے اُس نے پوچھا کہ "منذر نے کیا جواب دیا؟" عدی اپنی طرف سے بڑھا بڑھا کے ایسے سخت کلمات بتائے کہ ماہویہ نہایت ہی

برجم ہوا۔ اور اُس کے دل میں جم گئی کہ منذر نے شہر بارہ پر دین کی درخواست ہی  
نا منظور نہیں کی بلکہ اپنی قوم کے مقابلہ میں قوم عجم کی بھی تو ہیں کی۔ طیس میں اُس کے  
اور سخت برہمی کے ساتھ بولا: "یہ جاہل و وحشی زمانے مجھ اہم سے شرفاً اور ہمتیہ  
لوگوں کو اپنے مقابل میں ذلیل خیال کرتے ہیں بہ بہتر دیکھا جائے گا۔"

الغرض دوسرے ہی دن عدی اور ماہویہ عراق کو واپس روانہ ہوئے۔ اور  
خسر و پرویز کے دربار میں پہنچ گئے اُسے ایسا جواب سنایا اور اس قدر اُبھارا  
اُس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بولا "شاید یہ لوگ شاپور و والاسانت کو بھول گئے  
اور ماہویہ تم اسی وقت لڑائی کا سامان کرو اور اسنے بڑے عظیم الشان لشکر کو ساتھ  
لے جاؤ کہ عرب کے ہر حصہ میں خون کی ندیاں بہ جائیں۔"

طلح جو ابھی تک دربار میں خاموش کھڑا تھا۔ ادب سے زمین ہدم کے بولا۔  
"تو حضور مناسب یہ ہو گا کہ پہلے منذر کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا جائے۔ اور  
جب وہ اس سے انکار کرے تو فوج کشی کا سامان ہو۔ اس لیے کہ ابھی عربوں پر  
حملہ کرنے کے لیے زمانہ بھی مناسب نہیں ہے۔ ان دنوں وہ تمام اطراف و جواب  
میں منتشر ہون گئے اور پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستان کے سفید سفید آدوں میں  
میں گھس گئے اُن کو ڈھونڈنا نہایت دشوار ہے۔ وہاں کی جلتی دودی بھول میں یہ  
نازک مزاج عجمی سپاہی پائیں اور گرمی کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اگر شہر بارہ چاہتے ہیں کہ قوم  
عرب کو ذک دین اور سارے عربوں کو تباہ کریں تو اس کے لیے چند روز بعد وہ موقع نہایت  
مناسب ہو گا جب آپ ذی قار کے سنارے تمام قبائل عرب جمع ہوں گے۔ اور اُس  
بڑے بھاری میلے کا زمانہ آئے گا جو ہر سال وہاں ہوا کرتا ہے۔"

خسر و پرویز۔ (غور کر کے) "یہ شک میں مناسب ہے۔ اور تمھاری رائے  
ہمیشہ صائب ہوا کرتی ہے۔" پھر اُس نے عدی بن زید کی طرف توجہ کی۔ اور کہا۔  
"تم آج ہی ایک سفیر کی معرفت منذر کے نام ایک فرمان روانہ کرو کہ فوراً آپ  
یہاں حاضر کرے۔ ورنہ شاہنشاہی غضب اسے خاک میں ملا دے گا۔"

دربار پر خواست ہوا۔ اُسی دن یہ دوسری سفارت ارض حیرہ کو روانہ کر دی  
اور طلح نے اُسے خولہ کو مبارکباد دی کہ ہماری آرزو میں پوری ہوئے کا وقت

آگیا۔ جس پر دونوں میان بوی خوشی کے جوش میں دیر تک باہم  
لیٹے رہے۔

## ستائیسواں باب

منذر کی قسمت کا آخری فیصلہ

اب دربار خسروی کو چھوڑ کے ہم پھر اُسی سادی اور یگستانی سرزمین عرب  
کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس کی طرف رخ کرتے ہی سب کے پہلے ہمیں ارض حیرہ  
ملتی ہے جہاں منذر بن نعمان سلطنت ساسانی کا سطح و مقام ہے۔ اور اسے ملک  
بین ہزار باسطوت و جبروت خیالی کیا جاتا ہوتا جداران عجم کے مقابلے میں اب  
والی ملک یا امیر قوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

منذر نے عدی بن زید کی سفارت جوش میں اُسکے واپس تو پھیر دی تھی مگر  
اُس کی واپسی کے بعد نہایت ہی حیران تھا کہ خسرو عجم کی برہمی کا کیا علاج ہو گا؟ وہ غیب  
جانتا تھا کہ خسرو پر ویز کا ایک معمولی اشارہ اُسے تاج و تخت سے محروم کر سکتا  
ہے۔ لیکن یہ بات ایسی تھی کہ اُس کا سا کوئی مفکران عرب درکنار ایک معمولی  
درجہ کا شریف عربی نژاد بھی وہی جواب دیتا جو اُس نے دیا۔ وہ اپنے باپ کی طرح  
سرکش ظالم۔ اور متکبر و مغرور نہ تھا۔ مگر اُن کا بھی نہ تھا کہ اُس کی شرافت پر  
حملہ کیا جاتا اور وہ سکوت و خاموشی کے ساتھ گوارا کر لیتا۔ بہت دنوں تک متروک  
رہنے کے بعد ایک دن اُس نے دل میں کہا ”جبکہ اپنی عزت و آبرو خود ہی  
کھو چکی ہے۔ پھر اُس کے لیے میں اپنے تاج و تخت کو کیوں نقصان پہنچاؤں؟  
کیا ممکن نہیں ہے کہ اُسے اطراف عرب میں جہاں ملے گرفتار کر کے شہر بارجم کے پاس  
بیچ دوں؟ مگر نہیں۔ اول تو اُس کا ہاتھ آنا دشوار ہے۔ اور بالفرض وہ ملے تو بھی  
آگنی تو کیا؟ آل کندہ کا خاندان کبھی یہ بے شرمی نہ گوارا کرے گا کہ اُس کی ایک شہزادی  
دار اسے عجم کی حرم بنے۔ ہرگز نہیں۔ جہنم پاک وہین ہے۔ راہبہ بن کے خاندان میں  
بیٹھ رہی ہے۔ اُس نے اپنا مذہب دے دیا۔ مگر عزت نہیں دی۔ جبکہ نہ اگر چہ  
خاندانی اصول چھوڑ کے ایک معمولی شخص کا ساتھ دیا۔ مگر پھر بھی وہ شخص عرب ہے۔

اور شریف و بہادر ہے۔ یہ آزاد شیریں زادیان پرویز کی لونڈیاں نہیں بن سکتیں  
میں جاسے مار ڈالا جاؤں۔ تیاج و سخت سے محروم ہو کے رگیزا عرب میں دشت  
نوردی کرتا پھروں یہ سب بایں گوارا کروں گا۔ مگر اپنی زندگی میں یہ نہیں کر  
سکتا کہ میری بیٹیوں کو شہر یا رائل سامان کی شہوت پرستی کا نشانہ بنیں  
یہ فیصلہ کیے آئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ ایران کا دوسرا ایلچی آپہنچا  
اور یہ حکم لایا کہ آستے بہتہ جلد دربار خسروی میں حاضر ہونا چاہیے۔ اس فرمان  
شاہی کے پاس سے بعد وہ پھر دین دن تک متروک رہا۔ مگر انجام کے ہر پہلو کا  
خیال کر کے یہی راستہ قائم کی کہ اس خاندانی ذلت کو میں کسی حال میں نہیں کوٹ  
کر سکتا۔ آخر اس نے دربار ایران میں اس مضمون کی ایک عرضداشت لکھ بھیجی کہ  
”بہت جلد آستان دوسری عزت حاصل کروں گا“ اور ایلچی کو اس عرضداشت  
کے ساتھ واپس بھیج کے دل میں کہا ”اب میرا حیرہ میں رہنا اندیشہ سے خالی نہیں  
چند ہی روز میں ایرانی فوجیں اس کے شہر حیرہ کو پامال کر دیں گی۔ پھر اس وقت میری  
بے آبروی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھ رہے گا۔ یہ خیال آتا تھا کہ اس نے اپنے حرم  
کی تمام عورتوں۔ بال بچوں۔ اور شاہی خاندان کی کل عورتوں کو لے کے جنوب  
کی راہ لی۔ اور صحرا سے عرب کے بیچ دریچ ٹیلون میں غائب ہو گیا۔ اس سفر میں  
اس نے مال و دولت کے ساتھ اپنے خاندان کی تمام بیش قیمت زرین اور اسلحہ  
بھی لے لیے تھے۔ اور حیرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں باقی چھوڑی تھی جس سے حیرہ دست  
ایران کو حملہ آوری اور تاخت و تاراج کا کچھ پھل مل سکے۔

مذکر ایک بڑے خاندانی قافلہ کے ساتھ حیرہ سے نکلا تو پہاڑوں کی ٹھوک میں  
کھاتا اور بابائوں کی خاک اُڑاتا ہوا عرب کی پہاڑیوں سلی و اجاکے دریاں  
میں پونچا جہاں قریم الایام میں بہت سے قبائل نے پناہ لی تھی۔ اور جہاں  
فی الحال بنی سٹے آباد تھے۔ جن میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ اور اسی خیال سے اس نے  
قبیلہ اور حاکم طائی کے عزیز و اردن سے اسے ہمدردی و اعانت کی بہت کچھ امید تھی۔ اسی  
وجہ سے بنی سٹے میں جاتے ہی اس نے ان لوگوں سے اپنی سرگزشت بیان کی۔ اور  
قومی غیرت و حمیت یاد دلانے اور عربی خرافات کا جوش ابھار کے سب کو اپنی مدد پر آمادہ

کرنا چاہا۔ مگر کچھ تو ایاس کی خفیہ سازشوں سے اور کچھ اس سبب کہ عرب میں تاجدارانِ عجم کی سطوت و جبروت کی ہیبت بھیجی ہوئی تھی کسی نے حامی نہ بھری۔ اور جس کے منہ اپنا درد دل بیان کیا یہی جواب پایا کہ ہم ساسانی سلطنت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہاں سے مایوس ہو کے اپنے عزیز و اقارب کے قافلہ کو لیے ہوسے منذر آگے بڑھا اور یورپ کے بطرس راہب کی طرح جس لئے حروبِ صلیبہ کا جوش پیدا کیا تھا تمام قبائل عرب میں چکر لگانے لگا۔ ہر قبیلہ اور ہر گروہ میں جاتا۔ اپنی مصیبت کی داستان سناتا۔ کسریٰ پر دیز کے ظلم بیان کرتا۔ اپنی بے حرمتی و رسوائی کو ساری قوم عرب کی بے حرمتی و رسوائی ثابت کرتا۔ مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ سلطنتِ فارس کے مقابلہ میں بددینے کا وعدہ کرے۔ سب یہی کہتے کہ ہم کو تاجدارانِ نسلِ ساسان سے کوئی نسبت نہیں۔ اور ہم اتنا حوصلہ نہیں کر سکتے کہ ایرانیوں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی جرأت کریں۔

ان دنوں عرب میں ایرانیوں کی زیادہ دھماک اس لیے بھیجی ہوئی تھی کہ یعنی شاہزادہ سیف بن یزن کی عاجزانہ درخواست پر ایرانی فوجوں نے ابرہہ اور حبشیوں کے لشکر کو شکست دے کے سارے عین پر قبضہ کر لیا تھا۔ عین کے تمام شہر تباہ و ویران کر دیے تھے۔ اور ایرانیوں نے انیشی زیادتیوں کی جتنیں کہ عین کا کوئی شریف خاندان اور کوئی معزز گھرانہ ابے آبروی سے نہیں بچ سکا تھا۔ وہاں کے یہ حالات سن کے تمام قبائل عرب کا بپ اٹھے تھے۔ اور سب کے دل میں جمی ہوئی تھی کہ ایرانیوں سے لڑنے کا وہی نتیجہ ہو گا جو عین میں ظاہر ہوا۔ علاوہ پرین قدیم الایام سے آج تک کبھی قوم عرب نے ایرانیوں کے مقابلہ میں کامیابی نہیں حاصل کی تھی۔

مگر باوجود ان تمام ناکامیوں اور ہر قبیلہ اور ہر قبیلہ سے جواب صاف ملنے کے منذر ہمت نہ ہارتا تھا۔ وہ اسی طرح اپنے بال بچوں کو ساتھ لیے ہو۔ صحرا کے عرب میں چکر لگا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مایوس ہوتے ہوئے اور عرب کی غیر معمولی بے ہمتی سے بدول ہوتے ہوئے بنی شیبان میں پہنچا جو آبِ ذمی قار کے کنارے اترے ہوئے تھے۔ انھیں بنی شیبان میں ان دنوں

عمر زہیر اپنی نازنین و وفا کیش معشوقاؤں حلیہ اور حبیبہ کے ساتھ موجود تھے یہ خیال کر کے کہ عمرو زہیر لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانا نہ دینا چاہتا تھا۔ اور ایک رات کو سب سے چھپ کے خاص سردار قبلہ بنی شیبان کو مانی بنی شیبہ کے پاس گیا۔ اور اپنا نام اور پتہ بتایا۔ مانی کو یہ دیکھ کے کہ حیرہ کا باشندہ اس بیسی و عاجزی سے دشت و در کی خاک اڑاتا ہوا میرے پاس آیا ہے نہایت عبرت ہوئی۔ اٹھ کے بنگلہ گھر ہوا۔ اُس کی دل وہی کی اور کہا ”آپ کے جو اغراض ہوں بیان کیجیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بنی شیبان اور اُن کے تمام حلیف و طرفدار قبائل پر سب آخر تک آپ کا ساتھ دین گے۔“ اس خلاف امید جواب سے منذر کو گونہ مسکین ہوئی۔ اپنے اہل و عیال اور تمام متعلقین کو مانی کے خیمہ کے گرد اکٹرا دیا۔ پھر اداں سے آخر تک ساری سرگزشت بیان کی۔ اور کہا کہ ”خبر دو ویرا مہ و درہمی کے درپے ہے۔ اور شہوت پرستی میں اس قدر حدت گزر گیا کہ آل کندہ کی لوہیاں طلب ہوئی ہیں۔“

مانی - (اجوش و خروش سے) ”قسم ہے غزنے کی جو آل شیبان کا معبود ہے۔ اور ذات انوشا کی جس کی ٹہنیوں میں بہادران عرب کے اسلحہ لٹکا کر تیری اُس کی یہ شرمناک غرض ہرگز نہیں پوری ہو سکتی۔ عرب کو عجیبی سے جہان تک دہنا تھا وہ بچکا۔ اب عرب اپنی عزت کو بچاے گا۔ اور اگر یوں عزت نہیں بچ سکتی تو بنی الا حمزہ کے مقابلہ میں تلوار اٹھائے گا۔ مگر منذر۔ یہ اتفاق کا کام ہے۔ اور ضرورت ہے کہ اس وقت قبائل عرب میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔“

منذر - ”بے شک خود میری یہی درخواست ہے کہ اس موقع پر ہم سب کو اتفاق سے

عہ غزی بنی شیبان کا بت تھا۔ جس کے منذر کو عرب لوگ کعبہ کے بعد دوسرے درجہ پر مانتے تھے۔ جس طرح قریش کے مجاور تھے اُسی طرح بنی شیبان غزی کے مجاور اور یو جاری تھے۔ عہ ذات الوط ایک درخت تھا جس کو دوتا کی رقت دی گئی تھی۔ ہر سال اُس کے نیچے ایک میلہ ہوتا۔ اسلحہ اسکی ٹہنیوں میں لٹکاے جاتے۔ اور قربانیاں ہوتیں۔

سے عرب لوگ جس طرح دومیوں کو بنی الا حمزہ کہتے تھے اُسی طرح ابراہیم کو بنی الا حمزہ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

رہنا چاہیے۔

ہانی: "تو میں سفارش کرتا ہوں کہ تم اپنی بہن حبیبہ کا قصور معاف کر دو۔ اگرچہ اُس نے شاہی خاندان کو چھوڑ کے ایک معمولی درجہ کے شریفین عرب کو اپنا شوہر بنالیا۔ مگر دراصل ایسے شخص کو یہ عزت دی جو سچ پوچھیے تو نامی گرامی شاہزادوں سے بھی زیادہ وقعت کا مستحق ہے۔"

منذر: "کیوں؟"

ہانی: "حارث اعرج کو تھارے والد کے مقابلہ میں جو فتح یوم حلیمہ کے معرکے میں حاصل ہوئی صرف اسی زہیر اور اُس کے دوست عمرو کی قوت بازو کی بدولت تھی۔ یہ لوگ نہایت بہادر۔ بہت بڑے فیاض۔ اور اعلیٰ درجہ کے فہم و بلیغ ہیں۔ اور انھیں خوبوں کا سبب ہے کہ عمرو غسان کی شاہزادی حلیمہ کے جان و مال کا مالک ہو گیا اور زہیر جرہ کی شاہزادی حبیبہ کی جان و مال کا۔ لہذا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اور اب تمھیں اس میں کوئی مداخلت نہ کرنی چاہیے۔ اس طریقے سے تمھیں دو ایسے اکر العزم سپاہی مل جائیں گے جو اکیلے سیاہ بچ کو شکست دے سکتے ہیں۔ منذر: "آپ کے کہنے سے میں درگزر کرے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ ہی خیال فرمائیے کہ حبیبہ کی اس حرکت سے ہماری خاندانی عزت میں کیسا داغ لگ گیا؟"

ہانی: "بے شک ایسا ہی خیال کیا جاسکتا تھا۔ مگر زہیر سے اسید ہے کہ اُس داغ کو چمک کے آپ کا کوکب اقبال بنا دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ حبیبہ کو اپنے سامنے بلوائے آپ گلے سے لگائیے اور اُس کی خطا معاف کر دیجیے۔"

منذر: "مجھے اس میں بھی عذر نہیں۔ لیکن میں شاید چند ہی روز کا مکان ہوں۔ اس لیے کہ دربار پر ویز میں بلایا گیا ہوں۔ اور لکھ چکا ہوں کہ غفریب حاضر ہوں گا۔ اب اس کے بعد نہ جانا اپنی غیرت اور حمیت عرب کی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔ قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے تمام بال بچوں اور ان اسلحہ اور زہروں کو آپ کی حمایت میں چھوڑ کے وہاں جلا جاؤں اور قسمت نے جو کچھ میرے لیے مقرر کر رکھا ہے اُسے خوشی اور صبر و شکر سے قبول کر دوں۔"

ہانی اگر تم وعدہ کر چکے ہو تو میں یقین نہیں روک سکتا۔ واقعی یہ امر عرب کی صفت و راستبازی کے خلاف ہے۔ مگر جانے سے پیشتر حبیبہ کی خطاطاٹ کر دو۔  
منذر نے میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ مجھے اس میں عذر نہیں۔

ہانی نے فوراً حبیبہ اور زہیر کو بلوایا۔ جن کے آتے ہی بہن بھائی بہت جوش و خروش سے ملے۔ اور دیر تک لپٹ لپٹ کے آنسو بہاتے رہے۔ پھر منذر بڑھ کے زہیر سے بغلیں ہوا۔ اور اپنی بہن کی طرف دیکھ کے بولا: اگرچہ تو نے خانہ زانی خوت کو خاک میں ملا دیا تھا مگر وقت ایسا ہے۔ ایسی فصلتیں درمیش ہیں۔ اور سردار بنی شیبان کی سفارش کا اتنا اثر ہے کہ میں بہت خوشی کے ساتھ تیری خطاطاٹ کرنا ہوں۔ اور آنسو بہا کے کتا ہوں کہ اپنے بھائی کا آخری دیر اردیکھ لے اس لیے کہ پھر کبھی نہ دیکھ سکے گی۔

حبیبہ۔ (چونک گئی) "کیون بھائی؟"

منذر نے۔ "تو تو یہاں صحرا سے عرب کے دامن میں چھپی ہوئی امن و امان سے بسر کر رہی ہے۔ مجھے کیا خبر کہ بد نصیبی سے تیرے بھائی کے ساتھ وہاں زمانے نے کیا دشمنی کی ہے۔ خسرو پر دیر تیرے حسن کا دیوانہ ہے۔ ساسانی حرم سرا کے لیے تو طلب کی جاتی ہے اور تیری وجہ سے مجھے حاضر دربار ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں حاضری کا وعدہ کر چکا ہوں۔ اور مجبور ہوں کہ جاؤں۔ جہاں جاتے ہی جان سے مارا جاؤں گا۔  
حبیبہ۔ "تو بھائی آپ نہ جائیے۔ یہاں صحرا سے عرب میں شہر یا ریران آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

منذر نے۔ "یہ امن و امان اور یہ آسائش تجھے اور تیرے شوہر کو مبارک رہے۔ منذر اپنی بات کا دھنی ہے۔ وہ جانے کا وعدہ کر چکا ہے تو ضرور جائے گا۔"

حبیبہ۔ (آدیرہ ہو گئی) "تو چلیے میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

منذر۔ (طیش سے) "اگر تو وہاں جانے کا قصد کرے تو اپنے بھائی کی تموار کا پہلا نشانہ تو ہی ہوگی۔" یہ کہہ کے منذر نے ہانی ابن مسعود کی طرف دیکھا اور کہا: بس اب اس دلخراش منظر کو میری نظر کے سامنے سے ہٹائیے۔ اس سے زیادہ کی تاب نہیں ہے۔ ان بال بچوں عزیز و اقارب اور اپنی تمام چیزوں کو جن میں چار سو بے مثل نذر ہیں



بھی مین۔ آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور امید ہے کہ آپ پوری امانت داری کریں گے۔  
 ویسی ہی امانت داری جس کی شجاعان عرب سے امید کی جاسکتی ہے۔ کل صبح مین آپ  
 سے رخصت ہو کے مدائن کی راہ لوں گا۔ اور وہاں جو معاملات پیش آئیں گے ان کی  
 کسی نہ کسی طرح آپ کو خبر ہو ہی جائے گی۔

حبیبہ۔ (روتے روتے) مگر خسرو مجھ کو میرا نام کس نے بتا دیا؟ آہ! یہ کسی بڑے فتنہ پرداز کا کام  
 نہ ہوتا۔ اب آپ تو دماغے عہد کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہاں آپ پر ظلم کیا گیا تو یقین  
 جانتے کہ آپ کا خون بے انتقام نہ رہے گا۔ میری اور میرے دوست عمرو کی تلواریں  
 جب تک انتقام نہ لے لیں گی میان مین نہ جائیں گی۔

اب حبیبہ نے شہزادی حلیہ اور عمرو کو بھی اپنے بھائی سے ملایا۔ اور سب نے اس کو  
 یقین دلایا کہ آپ کی امانت پوری حفاظت سے رہے گی۔ اور جب تک بنی شیبان اور ہم  
 لوگ موجود ہیں ممکن نہیں کہ اس امانت مین کسی قسم کی دستبرد ہو سکے۔

رات ایک عجیب جوش و خروش اور اضطراب مین گزری۔ صبح ہوتے ہی مندرسے  
 چند خاص ملازمین کو ساتھ لے کے سفر کی تیاریاں کر دیں۔ ہانی بن مسعود کو بچہ اس کا اتار  
 یا دو لایا۔ سب سے رخصت ہوا۔ اور اونٹ پر بیٹھ کے شمال کی طرف چل کھڑا ہوا۔

قطع مراحل کر کے پہلے اپنے دار السلطنت حیرہ مین پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ اس  
 پچھلے سفر کے بعد نہ کوئی ایرانی لشکر آیا اور نہ کوئی ایرانی ایچی۔ لہذا ایک ہفتہ قیام  
 کر کے اپنے وعدے کے مطابق سرزمین عراق کی طرف روانہ ہوا۔ اور چند روز مین خاص  
 شہ مدائن کے قریب تھا۔ سا باط کے پہلے سے گزر رہا تھا کہ زید بن عدی سے ملاقات ہوئی  
 جو نہایت شان و شوکت سے ایک سرنگ گھوڑے پر سوار سامنے سے نمودار ہوا۔ زید بن  
 عدی نعمان کی صورت دیکھ کے سسکرایا۔ اس ہنسی کو دیکھنا تھا کہ منہ چین چین ہو کے ہوتا  
 "زید۔ یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔"

زید۔ (اور زیادہ سسکا کے) "دربار مین پہنچنے کے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس نے  
 کیا کچھ۔ اور کس کا ہے۔"

مندرجہ "لیکن اگر قسمت نے میری مدد کی تو یاد رکھو کہ تمہارے ساتھ بھی وہی ہو گا  
 جو تمہارے باوا کے ساتھ ہوا تھا۔"

زید۔ (منسوخ ہے) "مگر جب بھاری شمت مدد کیسے نہ۔ خدا کی قسم میں نے ایسا جاہل نہیں  
بچھایا ہے جس میں پھنس کے کوئی نکل سکے؟

اس جواب پر منذر کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اپنے دل کی طوفان خطاب کر کے کہا  
"تو کلکے یا کلکے! خیر اب تو یہ غلطی ہو گئی۔ اور اب اس کا علاج ممکن ہی نہیں ہے۔  
لیکن ہاں میرے بعد بنی شیبان اور عروڑ ہر میرا انتقام لیں گے۔ کاش کوئی انھیں بتا دیتا  
یہ سارا فساد اس بے وفا اور احسان فراموش شخص کا ہے۔ مگر یہ باتیں چھپنے والی نہیں  
ہیں۔ کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو خبر ہو ہی جائے گی۔ اور میں اپنی قبر میں خوش ہوں گا۔  
میرے بعد میرے خون کا انتقام لے لیا گیا۔ دل سے یہ باتیں کرتا جاتا تھا۔ اور جان  
بو جھ کے نہایت بہادری و دلیری کے ساتھ موت کے منہ میں چلا جاتا تھا۔ آخر جاتے  
جاتے مدائن میں داخل ہو کے خاص قہر شاہی کے دروازے پر پہنچا۔ اور پر ویز کو  
خبر ہوتے ہی حراست میں کر لیا گیا۔

دوسرے دن پر ویز نے نہایت ہی تزک و احتشام سے اپنا دربار آراستہ کیا۔ جس کی  
رونق و عظمت کے افسانے ساری دنیا میں کہانیوں کی طرح بیان کیے جاتے تھے۔ اور  
اُس کے قصر و ایوان کی شان و شوکت اب بھی ایک داستان ہی سمجھی جائے گی۔  
سب سے زیادہ بارونق ایوان سفید تھا جس کی آراستگی میں دوات عجم نے اپنی  
پوری دولت و جنت صرف کر دی تھی۔ اور عجیب و غریب شان و شوکت کا سامان  
دکھایا تھا۔ اس لیے کہ یہی ہیں دارشان نسل ساسان کا تاج و تخت رکھا ہوا تھا۔  
ایوان کے سامنے کو سون کا میدان چھوٹا ہوا تھا۔ جس میں دربار کے موقع پر خاص  
شاہی فوج اور شاہی خدام صفین باندھ کے اور ادب و ترتیب سے کھڑے  
ہوتے۔ جانے والے کو سب کے پہلے آٹھ ہزار چھوٹے قد کے اونٹوں کی قطار  
ملتی۔ پھر اُن کے بعد بارہ ہزار بڑے بغدادی اونٹ صفین باندھے اور گردن  
اٹکھائے نظر آتے تھے۔ یہ دونوں قسم کے اونٹ اس غرض کے لیے تھے کہ بادشاہ  
جب طیفیوں یا دستگرد کا سفر کرتا تو بار بار اسی کا کام دیتے۔ اور خاص شاہی سامان کو لاد کے لجا  
تے۔ یہ عرب کی ایک جاہلیت کی شے ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ "اپنے گئے کو کھلا کھلا کے موٹا کرنا کچھ کھائے؟  
اُس محل پر استعمال کرتے ہیں جب کوئی اپنے ہی ہاتھ کا پالا ہوا سیوا کرتے۔

ان کے بعد ساتھ ہزار خاص شاہی امپبل کے گھوڑے اور چھ نظر آئے جن میں سب آگے دو مشہور و معروف گھوڑے شہدینا و ربرید سونے کے مرصع ساز و براق سے آراستہ کر کے کھڑے کیے جاتے۔ شہدیز اور ربرید کے مقابل میں بجا جاتا تھا کہ ساری دنیا اور تمام سلطنتیں کوئی گھوڑا نہیں پیش کر سکتیں۔ گھوڑوں کے بعد نو سو ساٹھ کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں ملحق جو طلالی اور مغربی جھولوں کے بچے عجیب و غریب و نمکنت سے جھومار کرتے تھے۔

ان کے بعد وہ خاص چھ ہزار سوار رہتے جو سرخ اور بنفشہ در دیاں پہنے ہوئے قصر شاہی کے گرد ہر وقت چکر لگاتے رہتے۔ گویا پھر ادینا ان کا فرض تھا۔

اس تمام شاہی سیانہ سے گزرنے کے بعد خاص ایوان کا چھانک ملتا جس کے اندر بہت سے خواجہ سرا اور بارہ ہزار خدام ہر وقت شاہی خدمات بجالانے کو تیار رہتے انھیں بارہ ہزار مین وہ تین ہزار ماہ پیکر اور لالہ غدار نوڈیاں تھیں جو محل کے پاس مرصع تاج سروں پر رکھے اور گلدستے ہاتھوں میں لیے عجیب آن بان سے کھڑی رہتیں۔ اور عیش و عشرت کی صحبتوں میں شہنشاہ کے گرد و پیش رہتیں۔

ایوان کے اندر قد رکتے ہی وہ بڑا ہال ملتا جو بادآور کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے در و دیوار کی آرائشگی میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ اور سب سے زیادہ

آرائش یہ تھی کہ اس میں وہ تمام جھنڈے اور اسلحہ وغیرہ قریب سے رکھے ہوئے تھے جو مختلف تاجداروں اور سلطنتوں سے ایرانی فوجوں نے چھینے تھے۔ قیصر روم خاقان

چین۔ راجہ دہر فرمان روا کے سندھ۔ اور بہرام جوہن کی زرہین نمایان کر کے دکھائی گئی تھیں۔ انھیں کے سلسلہ میں نعمان اول اور کیکاؤس کے بیٹے سیاوش

کی زرہین زیادہ معزز حیثیت سے رکھی ہوئی تھیں۔ اور اسی جگہ وہ مال و اسباب بکھا ہوا تھا جسے آخری معرکوں میں ایرانیوں نے زرمیوں کو شکست دے کے لوٹا تھا۔

اب اس کے بعد وہ سب سے بڑا ہال اور دیوان خانہ تھا جس میں خاص شاہی تخت تھا۔ اس دیوان خانے کی عظمت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سونے چاندی

کے چالیس ہزار ستون مختلف قطاروں میں سلسلہ وار بچھلے ہوئے تھے کہ ان کی چھت نلک افلاک کی

نمونہ بنی ہوئی تھی۔ جس میں ہزار ہا سونے چاندی کے کمرے علم ہیات و نجوم کے حساب سیاروں اور کواکب کی طرح آویزاں کیے گئے تھے۔ اور اس کماں صنایع کے ساتھ کہ

آسانی پیاروں کی طرح ہر وقت حرکت کرتے رہتے۔ اور شاہی دربار کی چھت ہمیشہ مبارک و کس ساعیتون اور صبح اوقات کو بتا دیا کرتی۔

بڑے بڑے قیمتی جواہرات اُس مقام پر رکھے اور ستونوں اور درودیوار میں نصب کیے گئے تھے جہاں تخت شاہی تھا۔ یہ رصع و زر نگار تخت ایک بہت بڑے اور عجیب و غریب فرش کے درمیان میں رکھا ہوا تھا جس فرش کو اس وقت تک موخرین حیرت و استعجاب سے بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک چوکور فرش تھا جو ساٹھ گز کے لمبائی میں تھا۔ اُس کی زمین سنہری تھی۔ اور اس میں نہایت ہی جا بک دستی کے ساتھ جواہرات ٹانگ کے روشن نمرین اور چین بنائے گئے تھے۔ جن میں چھوٹے چھوٹے سونے چاندی کے پودے قائم تھے۔ جن کے پتے سونے کے تھے۔ اور پھول پھل جواہرات کے جا بجا ان پودوں کی نمونوں پر رصع چڑیاں ایسی ایسی وضع میں بھالی گئی تھیں کہ معلوم ہوتا مینی پھولوں کے حسن و جمال سے لطف اٹھا رہی ہیں۔ الغرض اس اور ایسے فرش کے درمیان میں ایک لمبے چوترے پر تخت شاہنشہی قائم تھا جس کے دونوں جانب دوستوں تھے۔ ان ستونوں کی آراستگی میں سب سے زیادہ اہتمام کیا گیا تھا۔ نیچے سے اوپر تک سونے کی زمین پر نہایت ہی دلچسپ اور نظر فریب نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اور از سر تا پا جواہرات سے جھلک رہے تھے۔ ان رصع ستونوں کے تاجدار بیرون پر ایک سونے کی زنجیر تھی۔ اور اس زنجیر میں نہایت ہی بھاری اور رصع تاج شاہی آویزاں تھا۔ جو تخت کے درمیان میں اس طرح اور ایسے موقع سے قائم رہتا کہ شاہنشاہ پرویز جب تخت پر بیٹھا تو بغیر اس کے کہ بادشاہ کو کسی قسم کا بار محسوس ہو معلوم ہوتا کہ شہنشاہ کے سر پر رکھا ہوا خاص تخت شاہی کے قریب ہی چار رصع و زر نگار کرسیاں سب سیڑھی اور چوڑی

عمدہ داروں یعنی موبد اعظم۔ وزیر اعظم۔ وزیر جنگ۔ اور وزیر خزانہ کے لیے تھیں۔ اور ان کے گرد سونے کی کرسیوں کی کئی قطاریں تھیں جن پر انی عزت و حیثیت کے مطابق اور اس قدر جلوہ افروز ہوتے۔ فرش کے اندر روشن اور نروں کے کنارے نہایت ہی خوبصورت اور آفت روزگار لڑکیاں جام شراب و رنگدہن پہن کر کھڑکیں لیے کھڑی رہتیں۔ اور احکام شاہی کے تحت کے چھ دوسب سے زیادہ حسین و نازنین خدیوین کھڑی ہوتیں۔ جن میں سے ایک دربار کے وقت گھس رانی کرتی اور دوسری سونے کے جام میں خیر بھر کے شراب ارغوانی دیتی

الغرض یہ دربار اور ایسا نزک و احتشام اور دجوم و حجام کا مقام ہے جہاں مندر بن زہمان اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بٹایا گیا ہے۔ وہ دل میں غافل ہے۔ قلم قدیم پر ہتھکڑیوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ فوجوں میں گزرتا ہے تو اس پر قہری نگاہیں پڑتی ہیں۔ ہاتھکڑیوں اور گھوڑوں کے درمیان میں ہوتا ہے تو شاہی سائیں اس پر دانت کھٹکتی ہیں ان سب سے گزر کے جب قصر شہ یاری کے چھانک میں داخل ہوا اور ان تین ہزار دربار اور پری جمال خواہوں میں گزرنے لگا جو سہروں پر بانگین سے تاج رکھے اور گلدستہ ہاتھوں میں لیے کھڑی تھیں تو ان سب نے اس کی صورت دیکھی ایک تفتہ لگا یا اور پوچھنے لگیں "کیون جی! ہم اچھے ہیں یا تمہارے ملک کی کالی بکریاں؟" اس جملہ نے مندر کا دل خون کرویا۔ سب پر ایک حسرت کی نظر ڈالی۔ اور آنکھیں جھپکی کر لیں۔

اب وہ باو اور دی آرائش کو دیکھ رہا تھا۔ اور دل میں کانپ رہا تھا کہ ایک ایسی سطوت و حشمت کے آگے غریب قباہل عرب کیا سہرا اٹھا سکیں گے۔ مگر زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ آخر بڑے ہال میں سخت شاہی کے سامنے پہنچا۔ اور اندر قدم رکھا تھا کہ کئی شاہی خادموں نے اسے زبردستی پیر کے سجدے میں جھکا دیا۔ اور وہ برہنہ پا ہاتھ باندھے۔ نہایت عاجزی و ذلت کے ساتھ سخت کے سامنے اور رصع و زر نگار فرشتے باہر کھڑا کر دیا گیا۔ وہ سر جھکے کھڑا تھا کہ شاہی نقیب نے چنڈ کے اور دانت کے پوچھا "وہ سیاہ بکریاں لائے جن کو پیش کرتے تھیں شرم آتی ہے؟" مندر نے ادب سے زمین چوم کے "خداوند! وہ تو اسی طرح آزادی کے ساتھ عرب کے جنگل میں چر رہی ہیں"

اس جواب پر پر وزیر اس قدر برہم ہوا کہ قریب تھا اس کے قتل کا حکم دے دے۔ مگر ضبط کیا۔ اور عتاب کرنے کا ایک نیا پہلو نکالا۔ اس لیے کہ اہل صبار کے سامنے وہ یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مندر صرف اس بات کا مجرم ہے کہ اپنی بہنوں اور بیویوں کو نہیں پیش کرتا۔ پوچھا گیا "اور وہ تمہاری زہین کیا ہوئی جو اس دربار سے تمہارے باپ کو عطا ہوئی تھیں؟"

مندر نے "وہ بھی وہیں ہیں جہاں بکریاں ہیں"

خسرو پرویز - (نہایت ہی جلال کے ساتھ) "خوب! بہتر! جاؤ تم اس وقت تک قید رکھے جاؤ گے جب تک وہ بکریان اور زرہین لاکے نہ حاضر کر دو۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو کسی کو بھیج کے وہ دونوں چہرہ زن منگواد۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔" اس کے جواب میں منذر خاموش رہا۔ فوراً چند سپاہیوں نے بڑھ کے منگین کس لین۔ پھر باہر لاکے گئے اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ اور وہ ایک نہایت ہی تنگ و تاریک قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ جہاں کسی کی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ منذر اس قید خانے میں ایک مدت تک موت کی آرزو کرتا رہا۔ اور ایسا دل کا مضبوط اور بات کا وضعی تھا کہ سب طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ ہر قسم کے ظلم و جور برداشت کیے۔ مگر یہ نہیں ہو کر اپنی بیویوں اور بچوں کے دینے یا وہ زرہین دار اسے ایران کی خدمت میں لاکے حاضر کر دینے کا ارادہ کرتا آخر جب خسرو پرویز نے دیکھا کہ منذر کسی طرح شاہی آرزو پوری کرنے پر نہیں آمادہ ہوتا تو ایک دن غلبت میں اسے بلوایا اور ہر طرح کا لالچ دلایا۔ مگر اس نے نہ مانا تھا۔ زمانا۔ آخر پرویز نے غصہ کے جوش سے بیتاب ہو کے کہا "اے کیا نہرادی جاے کہ میرے دل کو اطمینان ہو؟ اور وہ آگ بجھے جو اس کی سرکشی سویرے سینے میں بھڑک رہی ہے۔" عدی پاس کھڑا تھا ہاتھ جوڑے ادب سے بولا "یہ شخص اس بات کا مستوجب ہے کہ سزا ہاتی کے سامنے ڈال دیا جائے تاکہ وہ اسے پہلے ٹانگ پکڑ کے چہرہ ڈالے پھر پاؤں سے روند۔" پرویز "بے شک ایسا شخص جو آپ کو تا جبار آل ساسان سے زیادہ شریف سمجھتا ہو اس کی یہی سزا ہے۔ اور یہی سزا اس کے جفاکش ہم وطنوں کو سبق دے سکتی ہے۔" پرویز کی زبان سے نکلنے کی دیر تھی۔ ایک گھڑی نہیں گزری تھی کہ ہاتھی سپاہی لاکے کھڑا کر دیا گیا۔ اور عدی نے نہایت دلی جوش و سرور کے ساتھ دیکھا کہ انہی کو سزا میں کامیاب ہوا۔ اس کے باپ زید بن عدی کا قاتل سخت بے رحمی و ظلم کے ساتھ سزا ہاتھی کے پاؤں میں باندھ دیا گیا۔ اور ہاتھی نے دم بھر میں اسے چیر بھاڑ کے روند ڈالا۔

## اکھا میسوان باب

شہد عشق

اب خسرو پرویز عریہ شاہزادی کے خیالی پلیر کی یاد میں بیتاب و مبعرا ہے۔ شیریں

اُس کے مزاج اُس کے اخلاق اور اُس کے عادات میں ایک قسم کا تغیر پاتی ہے مگر سمجھ نہیں سکتی کہ یہ کیوں ہے۔ اور بادشاہ شب و روز کس فکر اور کس اندیشے میں رہا کرتا ہے۔ کئی مرتبہ طلح سے اس کا سبب دریافت کیا۔ جسے اپنا سچا رفیق اور حقیقی خیر اندیش خیال کرتی تھی۔ اس راز کو طلح کیا بتاتا؟ سارا فساد خود اُسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اور یہ آگ اُسی کی لگائی ہوئی تھی جس میں فی الحال پرویر کے دل و جگر جھن جھن کے کباب ہو رہے جاتے ہیں۔ آخر اپنے قدیم تعلقات کے دعوں پر ایک دن شیرین نے طلح سے خوفناک کر کے کہا: ”اے حکیم خوب استہیاء پر ویز کی حالت کو دیکھ لے کچھ مجھے جنون ہو جاتا ہے۔ مجھ سے کیا خطا ہوئی جو اُن کی محبت میں فرق پاتی ہوں؟ کیا اُن کو دل دینے اور اُن کی محبت میں اپنے گھر بار کو بھول جانے کا یہی پھل ہے کہ اُنھیں میری طرف معمولی توجہ بھی نہ پاتی رہے؟“

طلح۔ (نہایت متانت سے) ”ملکہ۔ غلام پیشتر بھی عرض کر چکا اور پھر عرض کرتا ہے کہ غلام پر اس وقت تک شہریار کا راز نہیں کھلا ہے۔ ایک ذرا بھی معلوم ہوتا تو اتنی مجال نہ تھی کہ غلام حضور سے بیان نہ کر دیتا۔“

شیرین۔ ”لیکن بھین خدانے اتنی عقل دی ہے کہ کسی تدبیر سے دریافت کر سکتے ہو۔“  
طلح۔ ”اگر آپ کا یہ منشاء ہے تو غلام حاضر ہے۔ کل کسی وقت جبکہ میں بھی سوچ رہا ہوں حضور شہریار سے محبت کے لیے میں اس کا سبب دریافت کر میں آپ کے چہرے پر ہی میں ایسی باتیں کر دوں گا کہ شہریار اپنے دل کا حال ظاہر کر دیں گے۔“

شیرین۔ ”اچھا میں کل ضرور پوچھوں گی۔ مگر دیکھو تم بے دریافت کیسے نہ رہنا۔“  
یہ تجویز قرار پا گئی۔ اور طلح شیرین سے رخصت ہو کے خوار کے پاس گیا۔ وہ اُسکی صورت دیکھ کے مسکراتی ہوئی پاس آئی۔ اور بولی ”اب تو ہماری تدبیر بن چرین۔ اور یقین ہے کہ بہت جلد ہم اپنے سب دشمنوں کو خاک پر لوٹے اور خون میں بچھڑ پڑائے ہوئے دیکھیں گے۔“

طلح۔ بہت جلد۔ بادشاہ حبیبہ کے عشق میں بیتاب ہے۔ اور جو جو انتقام کی گھڑی قریب آتی جاتی ہے میرے دل کا جوش زیادہ ہوتا جاتا ہے۔“

خولہ۔ اور میں بھی جب اُس آنے والی خوشی کی گھڑی کا خیال کرتی ہوں تو

دل مارست خوشی کے اچھلنے لگتا ہے۔" طلحہ کا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کے دیکھو کس قدر اچھل رہا ہے؟  
 طلحہ۔ (مسکرا کے) "کتنی ہے کہ تم ڈرتی ہو اور خوف سے دل دھڑکنے لگا ہو؟"

خوسہ۔ "نہیں میں ڈرتی نہیں۔ میری تمنا ہے کہ جس میدان میں ہماری تدبیروں سے آگ کے شعلے بلند ہوں گے اسے کھرہ سی ہو کے اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اور کوئی ایسا موقع ملے کہ اس خوبصورت اور نکار و بیوفائیودید کا سینہ اپنے ہاتھوں سے چاک کر ڈالوں؟"

طلحہ۔ "خولہ۔ تیری یہ آرزو پوری ہوگی۔ اور تجھے اس کا موقع ملے گا۔"  
 خوسہ۔ "تو میں اب آج سے ایک اچھی سی تیز چھری بھی اپنے پاس رکھ کر دن گئی۔"  
 طلحہ یہ ضرور۔ مگر ابھی تم سے ایک اور کام لینا ہے۔ دیکھو اُس منہ کیسیا استقلال رکھتی ہو۔ اور تم سے کیسی بہادری ظاہر ہوتی ہے۔ اگر اس امر میں تم نے اپنے دل کی مضبوطی نہ دکھائی تو میں سمجھ لوں گا کہ تم اس چھو کرمی مرجانہ کا بھی کچھ گاڑ نہ سکو گی؟

خولہ۔ (جوش کے ساتھ) "ایسا نہ کہو۔ مرجانہ کے قتل کے شوق میں جیسا سخت امتحان جابو لو۔ میں ہر طرح اپنے دل کی مضبوطی کا ثبوت دینے کو تیار ہوں۔"  
 طلحہ۔ "نہیں کہنے کی ضرورت نہیں۔ پرسون خود ہی کھل جائے گا کہ تم کیسی مضبوط اور بہادر ہو؟"

خوسہ۔ "تو وہ کون سی بات ہے جس میں میرا امتحان لیا جائے گا؟"  
 طلحہ۔ "مکہ شیرین بار بار پوچھتی ہیں کہ بادشاہ کا مزاج و اخلاق کیوں بدل گیا؟ کل وہ یہی سوال میرے سامنے پرویز سے کرین گی۔ آج رات کو میں سمجھاؤں گا کہ وہ شیرین کے سوال کا کیا جواب دیں۔ پھر صبح کو شہر یار عجم جو کہیں گے اُس کی تکمیل تمھاری جو بہادری اور تمھارے ہی دل کی مضبوطی پر منحصر ہے۔"

خولہ۔ "آخر وہ کیا کہیں گے؟"  
 طلحہ۔ (منہی سے) "مجھے کیا معلوم؟"  
 خوسہ۔ "نہیں بتاؤ گے اور تمھیں نہیں معلوم؟" اس کے بعد وہ ذرا آگے بڑھ آئی۔ اور ٹھنک کے بولی "اے بتا دو؟"

طلحہ نے اُسے کینچ کے گود میں بٹھالیا۔ لب بلب کے بوسے لیے۔ اپنی ہم مذاق فتنہ پسند جو رکھ کو اختلاط و محبت کے اشتغال میں بولایا اور پھر ادھر ادھر کی باتیں نکال دیں۔



رات کو علاج بہت دیر تک خسرو پر وزیر کی خدمت میں باریا جا رہا۔ اور ایسی تہائی کی ملاقات تھی کہ اُس کے سوا کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

دوسرے دن صبح کو کچھ دن چڑھے ملکہ شیرین نجب ناز آفرینی کی شانیں سے آپ کو بتا چکا کہ۔ اور اپنے حسن و جمال کے ہاتھ میں دلفریب زیور اور ہانکین کے جان ستانی اسلحہ دے کے خسرو پر وزیر کے پاس آئی۔ زمین چوم کے اُس کے قریب بیٹھی۔ اور دلربائی و برہمی کے کشتہ دکھانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک معمولی طریقے سے طلح بھی آ گیا۔

اور ادب سے سامنے سجدہ کر کے ایک طرف ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا۔ پر وزیر نے ایک حرکت کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ دوبارہ زمین چوم کے ایک طلائی کرسی پر

جو قریب ہی تھی بیٹھ گیا۔ شیرین نے محبت و ناز آفرینی کی ادائوں کے ساتھ ہر ارکاش کی کی کہ شہر یار بزم کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ تب مجبوراً حکم دیا کہ سرستاس کی

مشہور مغنیہ شکر حاضر ہو کے اپنے دلکش فنون سے بادشاہ کو مخاطب کرے شکر آئی۔ ایک سرود گو دین کے بیٹھی۔ اور گانا شروع کیا۔ مگر پر وزیر کو بہ ظاہر اُس میں ایک کچھ

بلکہ ہرگز کے ساتھ اشارہ کیا کہ اس وقت گانا موقوف کیا جاوے۔ اور شکر اچھی طرح دھوئے بھی نہیں پانی تھی کہ بادشاہ کی طبیعت کو بے لطف دیکھ کے اُنٹھ کے چلی گئی۔ اب شیرین میں

ضبط کی تاب نہ تھی۔ اپنے ہوش رُبا حسن و جمال اور اپنی دستان ادائوں کی ایسی توہین اور ایسی بے وقعتی اُس نے اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ایک آہ سرد کھینچنے کے

آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور بادشاہ کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ یہ حالت دیکھ کے پر وزیر نے مسکرا کے اُس پر ایک نظر شوق ڈالی۔ اور پوچھا کیوں

کس بات کا ملال ہے؟

اتنی توجہ بھی شیرین کو غنیمت معلوم ہوئی۔ دل بھرا ہوا ہی تھا۔ یہ پوچھ دینے سے گویا شیشہ دل میں ٹھیس لگ گئی۔ بے اختیاری اور بے مہربانی کے ساتھ ایک چپ تار کے

آٹھی اور بادشاہ کے پاؤں کے پاس گر کے رونے اور تڑپنے لگی۔ پر وزیر نے ہائین! ہائین! یہ کیا ہوا؟

شیرین۔ (ردنا روک کے) اب ضبط کی تاب نہیں ہے؟  
پر وزیر۔ آخر کس بات کا ضبط؟ کیا کسی نے کچھ کہا؟

شیرین: شاعر اقبال کی بدولت کس کی مجال ہے کہ مجھ کچھ کہ سکے ہا لیکن ارشاد ہو کہ مجھ سے کیا قصور ہوا؟

پرویز: (حیرت سے) "قصور! کون کتنا ہے کہ تجھ سے قصور ہوا؟" شیرین: "بچہ حضور نے مجھے اپنے دل سے کیوں بھلا دیا؟ اگر کوئی خطا ہوئی ہو تو مجھے سزا دی جائے۔ مگر یہ بدمعاش یہ بے اعتنائی و بے رخی لوندی سے نہیں دیکھی جاسکتی۔" پرویز: "تو میں نے کیا ہے؟ اعتنائی کی جو تیرے دل کو صدمہ پہنچا ہے؟" یہ کہہ کے خسرو پرویز نے شیرین کو گھٹنے کے گورین چٹھایا۔ اور دلہا ہی کے لہجے میں کہا: "بھئی تجھ سے ایسی ہی محبت ہو جیسی کہ تھی" یہ کہہ کے نازک ہونٹوں کے بوستے لینے لگا۔

شیرین: "بچہ حضور کو کس بات کی فکر ہے کہ اکثر خاموش رہتے ہیں؟ اور اپنی اس کینز کو ان کے اظہار کے بغیر نہیں دیکھتے؟"

اس کے جواب میں پرویز نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور کہا "شیرین! افسوس! کوئی چیز! میرا دل چاک چاک ہے۔ اور سوزش دردنی روز بروز بڑھتی ہے۔"

شیرین: (نہایت ہی تھک چکے) "آخر شہریار کو کس بات کا صدمہ ہے؟ اور کیوں یہ حالت ہو رہی ہے؟"

اس موقع پر طلح بھی ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ اور زمین چوم کے عرض کیا "واقعی حضور کو بتانا چاہیے کہ کس چیز کا ملال ہے۔ یہ وفا کیش غلام اسی لیے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جان نثاری کریں۔ اور شہریار کے آئینہ دل کا رنگ مٹانے کی کوشش میں اپنی زندگی صرف کر دیں۔"

پرویز: "میرا یہ غم دور ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس میں ظلم نہیں پسند کرتا۔" طلح: "حضور! ارشاد تو فرمائیں۔ ممکن ہے کہ ظلم نہ ہو اور وہ خلش دور ہو جائے؟" پرویز: "افسوس! یہی تو نہیں ممکن ہے۔"

شیرین: (پردیڑے سینے سے لپٹ کے) "مجھ پر ظلم ہو مجھے گوارا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ حضور کے دل پر صدمہ کا بار رہے۔"

پرویز: "تجھ پر ظلم! ممکن ہے کہ تجھ پر ظلم ہو اور مجھے ایک گھڑی کے لیے چین

آئے ہرگز نہیں؟

شیرین: "بچہ کون سی بات ہے؟"

پرویز: "(طلح کی طرف متوجہ ہو کر)" اے عاقل عرب۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ اس خورشید نازنین کی زلف گر گہر میں میرا دل پھنسا ہوا ہے۔ اس کی یہ نرم نرم پلکیں میرے دل میں مچھی ہوئی ہیں۔ کسی طرح نہیں دیکھ سکتا کہ میرے سوا اس کے حسن و جمال کا کوئی اور بھی آرزو مند ہو۔ آہ فریاد نے میرا سارا اعیش غصہ کر دیا! اور میری زندگی بے مزہ ہو گئی!"

شیرین: "(ہاتھ جوڑ کے)" پھر اس میں میری کیا خطا! آہ! آپ کی خوشی کے لیے اس بد نصیب کو جو مراد می جاے میں خوشی سے قبول کرتی ہوں؟

پرویز: "شیرین تیری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فریاد پر ظلم ہونے کے خیال سے تیرا دل جھجکتا ہے۔ آہ! اس نے آپ کو کھینچ کھینچ کے تیرے دل میں جگہ پیدا کر لی ہے۔ مگر تو مجبور ہے۔ اور میں اس کی شکایت نہیں کرتا تھا۔"

اب شیرین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ کچھ دیر بے قراری سے روتی رہی۔ پھر سر اٹھا کر کہا "نہیں۔ آپ کی لونڈی کے دل میں آپ کے سوا کسی کی جگہ نہیں۔ اسے حضور جو مراد میں خوشی سے منظور کرتی ہوں؟" اس موقع پر طلح نے کہا "حضور اس فکر کو اپنے دل سے نکال ڈالیں۔ غلام وعدہ کرتا ہے کہ یہ دشواری بہت جلد ختم ہو جائے گی؟"

پرویز: "کیونکہ کیا تم آتے جا کے مار ڈالو گے؟"

طلح: "یہ بھی نہیں؟"

پرویز: "تو شاید کسی اور کو بھیجو گے کہ اس کا کام تمام کر دے؟"

طلح: "یہ بھی نہیں؟"

پرویز: "آہ! اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں۔ لہذا اس کی بین اجازت نہیں دے سکتا۔ بلکہ جو اس پر حملہ کرے اسے موت کی مراد دے گا؟"

طلح: "غلام پھر عرض کرتا ہے کہ حضور اس تردد کو دل سے نکال ڈالیں؟"

سکران: "اتوں سے پرویز کے دل کو بہ ظاہر کسی قسم کی تسلیں نہیں ہوئی۔ اور ہمسایا

معلوم ہوا کہ جیسے اُس کا دل بھی بھرا یا۔ اور بے صبر دبلے قرار ہو گئے وہ بغیر اس کے کہ طلحہ اور شیرین کو رخصت کرے یا کچھ کے لئے اٹھ کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد شیرین نے طلحہ سے کہا ”یزدان پاک نہا کیا واسطہ کوئی تمہیں تھکین بتاؤ کہ مجھے اس مصیبت سے نجات ملے“

طلحہ ”ملکہ۔ میں آپ کا پڑا ناخداوم ہوں۔ اور سب سے پہلا فرض اس خادم کا یہ ہے کہ آپ کے دل کو رنج و اہم کی کثافت سے صاف کرے۔ شہر یار کے سامنے ہی غلام عرض کر چکا کہ اس کا مین کافی انتظام کر دوں گا۔ اور یہ مشکل بڑی آسانی سے دور ہو جائے گی“

شیرین ”مگر دیکھو اُس غریب کو مار نہ ڈالنا“  
طلحہ ”یہ بھی مین نے ظاہر کر دیا کہ نہ خود قتل کروں گا اور نہ کسی کو اُس کے قتل پر مامور کروں گا“

شیرین ”پھر کیا کر دے گا“  
طلحہ ”یہ نہ پوچھیے۔ غلام اپنے رازوں کو جب تک وقت نہ آئے نہیں ظاہر کرتا ہے۔ لیکن یہ اطمینان رکھیے کہ وہ میرے یا میرے کسی بھیجے ہوئے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا جائے گا۔ اور غلام آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا“  
شیرین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ہوشیار دوست کی ان مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور طلحہ اُس سے رخصت ہو کے گھر میں آیا۔ اور اپنی کیا وجہوں سے دیر تک باتیں کر کے ادھر ادھر سیر کو چلا گیا۔

اس واقعہ کے دوسرے دن سہ پہر کو وہ بے ستون پر فرما دکھڑا زور و شور اور جوش و خروش سے تیشہ زنی کر رہا تھا۔ پہاڑ کو کاٹتا جاتا تھا۔ اور شیرین کی پیاری صورت یاد کر کے اپنے دل میں حوصلہ و ہمت پیدا کرتا جاتا تھا۔ ناگہان سامنے سے ایک جوان حسین عورت نظر آئی جس نے کپڑے بچھاڑ ڈالے تھے۔ اور سر پیٹ رہی تھی۔ فرماؤ اُس کے قریب گیا۔ اور ہمدردی کے لہجے میں پوچھا ”کیا ہوا جو یوں پھوٹ پھوٹ کے رو رہی ہو۔ کیا میری طرح تم بھی اسی کے فراق میں مبتلا ہو؟“

عورت: "آہ تو عاشقی کا دم بھرتا ہے! مگر نہیں تو بھرتا ہے۔ اور صرف دکھانے کے لیے عاشق بنائے۔"

فرہاد: "مخیر ہو کے" کیوں؟

عورت: "تجھے خبر نہیں؟ اور تیری عشق پر قیامت بھٹ پڑی!"

فرہاد: (ایک آہ فلک دوڑا کھینچ کے) "ہاں کیا ہوا؟"

عورت: "انوس اُس نے دنیا خالی کی اور دھن کو آباؤ کیا۔ دوائی بے چراغ ہو گیا۔ اور ہر دین محل کی دیواروں سے سرنگار ہے۔ یہ سب کچھ ہو گیا اور تجھے خبر نہیں!"

فرہاد: (مجھنا نہ جوش بیجوری سے) "آہ ایہ کیا کتا ہے! (وہ چارے) نازنین دنیا سے چل بسی! اور تو زندہ کھڑا ہے! انہیں تو اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ آئیشہ! اب اس بجھی سے اس شکستہ دل کو اپنے جوشِ محبت کی دوا مل سکتی ہے! تو ہی کچھ دوا ہے! ہو چکا ہے کہ وہ نازنین گئی!" یہ کہہ کے اس نے اس سے ایک تیشہ اپنے سر پر مارا اور سر چھٹ گیا۔ تو اس کے گرا۔ اور دم بھر میں تڑپا کہ جان و سہاگہ۔

اب اُس عورت کا رونا پشیمانہ موقوف ہو گیا۔ اُس نے جھپک کر اچھی طرح دیکھ لیا کہ فرہاد کی لاش بالکل ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر نبض دیکھی۔ اور اپنے دل کی طرف خطاب کر کے بولی "نہیں نبض بھی نہیں چلتی ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ یکایک جس پر ایک مسرت نمایاں ہوئی۔ مسکراتی ہوئی پلٹی۔ اور چپکے سے کہا "اب طلح کو آزار کرنا بڑے کام ہے! میں نے کیسا اچھا امتحان دیا ہے اور کس خوبی سے اس فتنے کو ختم کر دیا ہے! یہ کہہ کے کوہستان سے باہر نکلی۔ ایک اونٹ پر سوار ہو کے شہر مدائن کی طرف چلی۔ جہاں پہنچتے ہی طلح کے سینے سے پلٹی ہوئی تھی۔ اور وہ دونوں جوشِ مسرت کے ساتھ ایک دوسرے کے بوسے لے رہے تھے۔

## انتہوان باب

لڑائی کی تیاریاں

فرہاد کی زندگی کا چراغ گل ہونے کے دوسرے دن عید نوروز کا جشن تھا۔ خبر پر ویز اپنے تختِ رصع پر جلوہ افروز تھا۔ شیریں پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ طلح

زید بن عدی۔ ماجرہ۔ اور تمام اراکین دولت۔ اُسے دربار۔ اور سپہ سالاران فوج  
پر تلخ نظر کیا۔ اپنے سامنے دست بستہ کھڑے ہوئے تھے۔ نذرین گزر چکی تھیں۔ اُس موقع  
فرش پر جو اہرات کے بارگ کا سامان پیش نظر کر رہا تھا جابجا حسین و خوبرو لڑکیاں  
نایاب رہی تھیں۔ اور شریکے گلون کی تانیں سارے قصر سفید میں گونجتی تھیں کہ ناگمان  
ایک شاہی ہرکار نے سامنے آکر زمین چومی اور ادب سے عرض کیا کہ گویا اقبال ہیشہ  
عورت پر رہے۔ اور حاسد و بدخواہ دولت ذلیل و خوار ہوں۔ ابھی ابھی خبر آئی  
ہے کہ فرما دیجو کہ یہ ستون پر نہ رکھو نے میں مشغول تھا مگر کیا۔

یہ خبر سننے پر سب لوگ چونک پڑے۔ شیرین کی آنکھوں پر کچھ حسرت سی برس گئی۔  
اور اپنے دلی جذبات کے چھپانے کے لیے فوراً سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے اضطرابی  
سامنے کے بعد پر دینے اُس ہرکار سے کی طرف دیکھ کے تعجب کے لہجے میں کہا "مر گیا  
کیونکر مر گیا؟"

ہرکارہ "دیکھنے والے کا بیان ہے کہ وہی تیشہ جس سے چٹانوں کو کاٹا کرتا تھا خود  
اپنے سر پر مار کے آپ ہی اپنی زندگی ختم کر دی۔"  
پرویز "یعنی اُس نے خود کشی کر لی؟"  
ہرکارہ "خداوند۔ ایسا ہی سنا گیا ہے۔"

حکیم (سامنے زمین ادب چوم کے) "مضور حکم دین کہ اس خبر کی اچھی طرح تحقیقات  
کی سگجاسے۔ سچ میں نہیں آتا کہ اُس نے کیوں خود کشی کر لی۔"

ہرکارہ "ایک لکڑی والا جو اُس وقت وہاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا  
بیان کرتا ہے کہ کسی عورت نے اُس کے قریب جا کے رونا شروع کیا۔ فرما دے رونا کا  
سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ ملکہ شیرین سے دنیا خالی ہو گئی۔ بس یہ جملہ سنئے ہی اُس نے  
کلھار مئی اپنے سر پر مار لی۔ اور تراب کے مر گیا۔"

یہ سن کے شیرین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور پرویز نے کہا "افسوس  
اُسے بہت بڑا دھوکا دیا گیا! پھر ہرکارے کی طرف دیکھ کے بولا "بھانڈو دریافت  
کر وہ کون عورت تھی جس نے اُس کے ساتھ ایسی ذلیل دشمنی کی؟ اگر مل گئی تو  
نور دہار کی قسم سخت سزا پائے گی۔"

ہرکارہ یہ حکم پاتے ہی اُٹے پاؤں واپس گیا۔ خمر و فراہ کی اس حسرت ناک موت پر  
افسوس کرنے لگا۔ اور تمام اہل دربار متحیر تھے کہ یہ کون عورت تھی اور فراہ کی جان لینے  
سے اُسے کیا فائدہ ہوا۔ سب لوگ انھیں خیالوں میں تھے کہ طلح نے اس مجتھ کے بدلنے کی  
کوشش کی۔ اور بڑھکے اوپ سے عرض کیا: اب اقبال شہر یار سی کا ستارہ عروج پر  
ہے۔ ایک طرف تو دنیا اُس خود فراموش رقیب سے خالی ہوئی۔ دوسری طرف وہ  
موسم آگیا جسکے قابلِ عرب اب ذی قار کے کنارے جمع ہو کر تے ہیں۔ ذی قار کے مرنے  
پیلے کو صرف ایک مہینہ باقی ہے۔ غبارِ شاہی فوراً روانہ ہوں تاکہ عین وقت اور  
ٹھیک موقع پہنچ جائیں۔ اب اگر ذرا بھی دیر ہوئی تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔  
پرویز نے سن کے بہت خوشی ہوا۔ اور اپنے سپہ سالار مابہویہ کی طرف دیکھ کے  
بولے: ”اسی وقت روانگی کا سامان کر۔“ اور دیکھو اسی مہفتہ میں ہماری فوج ظفر مروت  
روانہ ہو جائے۔ وحشی غولان میں سرکشی کا مادہ بڑھ گیا ہے۔ منذر نے بغاوت کی  
اور اپنی مزا کو پیونجا۔ مگر قبائل عرب بدستور سرتابی و غدر پر آمادہ ہیں۔ اور اُن کے  
اس جاہلانہ غرور سے تاجِ ساسانی اور قومِ یح کی شکی ہو رہی ہے۔“  
مابہویہ (زمینِ چمپے) خداوند اسی مہفتہ میں شاہنشاہی علم اقبال جنوب کی طرف  
روانہ ہو جائے گا۔ اور چند ہی روز میں سردارانِ قبائل عرب زنجیروں میں بندھے  
ہوئے تختِ ساسانی کے سامنے پڑے ہوں گے۔“  
پرویز نے خیال رکھ کر تھوڑے بہراہ زیادہ جماعت تاتاری ترکوں اور سیستانی  
و تکرانی جاٹوں کی ہو۔ اس لیے کہ یہی لوگ اپنی وحشت و شجاعت سے عربی صحرا  
نہ۔ دونوں اور ان جھاکش بادیہ گردوں کا خوب مقابلہ کر سکتے ہیں۔“  
مابہویہ: ”بے شک انھیں لوگوں کے ہاتھ سے عربوں کا غور خود پرستی ٹوٹے گا۔  
بعض اطاعت کبش قبائل عرب کو بھی حکم دیا جائے کہ ایرانی نشان کے نیچے جوہر  
شجاعت دکھائیں۔ بنی طے دولت کے جان نثار ہیں۔ اُن کا سردار قبیلہ تاج  
خیرہ کا مدیون سے آرزو مند ہے۔ اگر حضور کا ذہن بھی اشارہ ہوا تو ایسی پوری  
بہادر قوم کو ساتھ لے کے عربوں کی سرکوبی پر آمادہ ہو جائے گا۔“  
پرویز: ”مناسب ہے۔ اُس سے بڑی مدد ملے گی۔ اور اُس کے بلانے کی۔“

کوشش کی جائے۔ اگرچہ وہ اس دربار کا مجرم ہے مگر عین ضرورت ہے کہ دیگر قبائل عرب کو سزا دینے کے لیے اُس کے اور اُس کی قوم کے اسلحہ سے مدد لینے۔  
 طلحہ - (تخت کے سامنے مسجد کر کے) "بے شک حضور اُس سے مدد لینے۔ اور اُس سے اگر کوئی باز پرس کرنی ہے تو عربوں کو سزا دینے کے بعد کی جاسکتی ہے۔"  
 پیر ویز - عربوں میں سب سے زیادہ سرکش بنی شیبان ہیں۔ انھیں لوگوں نے سزا دینے کے خاندان والوں کو اُس وقت کے خلاف پناہ دی ہے۔ اور انھیں کے پاس وہ زرہیں بھی ہیں جو آل نعمان کو اس دربار سے عطا ہوئی تھیں۔ سب بڑا باغی بنی شیبان کا سوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اُسے منذر کی گرفتاری کے بعد لکھا گیا تھا کہ اُس کے خاندان کی عورتوں اور ہماری زرہوں کو بچھ دے۔ مگر اُس نے نہایت شرارت سرکشی کے ساتھ جواب دیا کہ اہل عرب امانت کی حفاظت میں اپنی جان مال کی پروا نہیں کرتے۔ یعنی وہ ہم سے مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ واقعی اُسے بنی طے ہی خوب سزا دے سکیں گے۔ جو باریہ گردی اور ریگستان میں پھرنے کے خوب عادی ہیں۔  
 ماہویم - غلام کا بھی یہی خیال ہے۔

پیر ویز - تو کسی کو آج ہی قبضہ کے پاس روانہ کرو۔ اور ایک فرمان بھیج کہ اپنی قوم کو ساتھ لے کے روانہ ہو جائے اور ہماری ایرانی فوج سے میدان ذی قار میں آئے۔ جسکے صلے میں اُسے بنی کنزہ کا ملک اور حیرہ کا تاج و تخت ہمیشہ کے لیے دے دیا گیا۔  
 اسی وقت ایک ایرانی سوار ایک ہزار سواروں کے ساتھ شاہی فرمان لے کے بنی طے کی سرزمین کی طرف روانہ ہوا۔ اور دربار کے برخاست ہوئے تھے۔ ملک عرب پر فوج کشی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دربار سے باہر نکل کے زید بن عدی نے طلحہ سے کہا "اور سب بائیں تو ہمارے حسب مراد ہوئیں۔ مگر قبضہ طائی پرچ گیا۔ جس کی بیخ کنی کی آپ پوری تدبیر کر چکے تھے۔"

طلحہ - (اہلندان کے لہجے میں) "جس کو میں خاک میں ملا نہا ہوں وہ بچ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن اس وقت مخالفت کرنا خلاق مصلحت تھا میں تو شہر باریک راستے اتفاق کر لیا۔ لڑائی کے بعد دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ اور اُسے کیونکر سزا ملتی ہے۔ مگر تمہیں تو اس سے کسی بات کا انتقام نہیں لینا ہے پھر تمہیں اس کی کیا فکر ہے؟"



زیدؑ ایک خیال مدت سے میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ ہند بنت نغان کی وہ غریب صورت نے میری خوشیاں خاک میں ملا دی ہیں۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔ جبکہ اُس کی سراپا ناز تصویر کو خیال کے سامنے لا کے دل ہی دل میں پریش کیا کرتا ہوں۔ آرزو تھی کہ منذر کو خاک میں ملا کے ہند کو اپنے قبضہ میں لاؤں گا۔ مگر افسوس قبضہ میرا قریب ہے۔ اور کامیاب نظر آتا ہے۔

طلحہ (ہنس کے) "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں نے کیسے موم کے دل پائے ہیں۔ گدرا میں پھل جاتے ہیں، میرے دل پر نہ کسی کی چشمِ فغان کا اثر ہوتا ہے اور نہ کسی کی نگاہِ ناز کا حسن و جمال سے میں بس اسی طرح غافلہ اٹھاتا ہوں جس طرح کوئی ایک خوبصورت پھول کو سونگھ کے پھینک دے۔ لیکن خیر۔ تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے رقیب سے دنیا کو خالی کرنا میرے ذمے ہے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ ہند تم کو نہیں مل سکتی۔ وہ ایک راہبہ بن گئی۔ اور اُس جگہ ہے جہاں تک کسی کی کمند نہیں پہنچ سکتی۔ تاہم اس کے لیے بھی میں کوشش کروں گا۔ مگر ضرورت ہے کہ اب اس فوج کے ساتھ ہم سب بھی سرزمینِ عرب کو روانہ ہوں۔ تاکہ وہاں بھی تمہاری معشوقہ سے ملاؤں۔ اور میں اُن لوگوں کو قتل ہوتے اپنی آنکھ سے دیکھوں جن سے مجھے انتقام لینا ہے۔"

زیدؑ ضرور۔ میں شہرِ یارب پر وڑے آج ہی اجازت حاصل کر لوں گا۔  
طلحہؑ یہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ کہ میرا جانا کبھی ضروری ہے۔ میرے بغیر اس مہم میں بہت مشکل سے کامیابی ہوگی۔

یہ مشورہ دے کے طلحہ اپنے گھر میں آیا۔ اور آتے ہی خولہ سے کہا "پیارے نازنین۔ میں تیرا شکر گزار ہوں۔ تجھے سچی بیوی سمجھ ایک سلطنت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ تیری ہوشیاری اور تیری ادائوں سے مجھے ہر مہم اور ہر معاملے میں مدد ملتی ہے۔" خولہؑ ایک نازکے ساتھ مسکرا کے "سچ تو یہ ہے کہ میں نے صرف تمہارے کہنے سے فریاد کی جان لی۔ ورنہ مجھے اُس کے جوشِ بخودی اور اُس کے سچے عشق پر بڑا ترس آتا تھا۔"

طلحہؑ ہوشیار اور عقلمند آدمی کو کبھی کسی پر ترس نہ آنا چاہیے۔ مگر خولہؑ فریاد کا

تمام کرتے تھے لوگوں نے دیکھ لیا۔  
 خولہ - (حیرت سے) "دیکھ لیا! انہیں یہ غیر ممکن ہے۔ اُس وقت تمام کو ہستان  
 میں ہر طرف سناٹا تھا۔ اور کسی طرف کوئی شخص نہیں نظر آتا تھا۔"  
 طلحہ "تو نے نہ دیکھا ہو گا۔ مگر ایک جنگلی لکڑ ہارا لکڑیاں کاٹ رہا تھا جس نے شاہی  
 ہرکاروں سے بیان کر دیا تھا کہ کسی عورت نے رورو کے فرہاد کو شیریں کے مرجانے  
 کی خبر دی۔ اور فرہاد نے جوش میں آ کے کھٹاڑی اپنے سر پر مار لی۔"  
 خولہ - (چونک کے) "تو بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے فرہاد کی جان لی؟"  
 اور مارے خوف کے کانپنے لگی۔

طلحہ - (ہنسکے اور خولہ کو گلے سے لگا کے) "ڈرنیں! جب تک طلحہ زندہ موجود ہے  
 تجھے کوئی صدمہ نہیں پہونچا سکتا۔ لوگ زندگی بھر دھوڑتے ہیں گے اور  
 نہ پائیں گے کہ وہ عورت جس نے فرہاد کی جان لی کون تھی؟"

اس کے بعد طلحہ دیر تک اپنی ناز آفرین اور کیا دوفتنہ جو جو رو کے بو سے  
 لیتا اور اُسے تسلی دیتا رہا۔ اور جب ہر قسم کا خوف و ہراس اُس کے دل سے  
 نکل گیا تو بولا "خولہ اب وقت آ گیا کہ ہم اپنا انتقام لینے کے لیے ملک عرب کی راہ لیں۔"  
 خولہ (ٹھنک کے) "تو کب؟" تو کب؟ میں تو اس کے انتظار میں روزوں گنا کرتی ہوں۔"  
 طلحہ "اسی ہفتہ میں۔ شہر یار پر ورنے آج لشکر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔"  
 خولہ "اور تم نے بھی اجازت لے لی؟"

طلحہ "میں نے زید سے کہہ دیا ہے۔ وہ اپنے اور میرے دونوں کے لیے آج  
 اجازت لے لے گا۔"

یہ سنتے ہی خولہ جوش مسرت کے ساتھ طلحہ کے سینے سے لپٹ گئی۔ اور  
 بولی "اب میں یہاں رہتے رہتے آگتا گئی تھی۔ اور اُن سفید سفید بالوں کے ٹپوں  
 خاموش اور سنسان بیا بانوں۔ برہنہ پہاڑوں اور کھجور کے فرحت بخش  
 چھنڈوں کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔"

طلحہ "مگر خولہ۔ تجھے ایک اور ضروری مہم سر کرنا ہے۔"  
 خولہ "وہ کیا؟"

طلح نے جن لوگوں سے انتقام لینا ہے ان سے تو ہم بدلہ لے ہی لیں گے۔ مگر ہمیں اس زید سے بھی دنیا کو خالی کرانا ہے جو ہمارے رازوں سے واقف ہو گیا ہے۔ ان رازوں کے جاننے کی وجہ سے اُس کے اختیار میں ہے کہ جس وقت چاہے ہمیں سخت مصیبتوں میں مبتلا کر دے۔

یہ سُن کے خولہ نے نہایت ہی حیرت کی۔ لگا ہون سے اپنے بے رحم و ہنس پینہ شہر کی صورت دیکھی۔ اور چند لمحوں تک ستائے میں رہ کے کہ "اے اُس کے احسانوں کو بھول جاؤ گے، اُس و شہر ہے اب و گیارہ کو یاد کرو۔ چنانچہ وہ لوگ آتش لہی کی تکلیف سے زمین پر پڑے ایران رکڑ رہے تھے۔ اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ زبان سے العطش پکاریں۔ اور یہ زید ایک فرشتہ بن گئے آیا تھا۔ اور ہماری جان بچائی تھی؟

طلح نے اُس کے اس احسان کا ہم نے کتنا بڑا معاوضہ کر دیا کہ اُسے شہنشاہ ایران کے دربار میں پہنچا دیا۔ اور اس کی یہ زندگی بھر کی آرزو پوری کر دی کہ مندر قتل ہوا اور اسے اپنے باپ کا بدلہ مل گیا۔ بس یہی چیزیں اُس کے احسان کا کافی بدلہ ہیں۔ جن کے بعد ہمیں اپنی منسلحت دیکھنی چاہیے۔ اور اپنے مصلح کے مقابلے میں نہ ہمیں کسی کے احسان کا خیال کرنا چاہیے اور نہ رحم دلی کی کمزوریوں میں پڑ کے آپ کو بوہنا ثابت کرنا چاہیے۔ زید ہمارا دوست اور یگانہ و بے تہہ رہو مگر ہمارے اطمینان کے لیے اُس کا قتل ہو نا ضروری ہے؟

خولہ "پھر آخر اُس کے قتل کرنے کی کیا تدبیر سوچی ہے؟"

طلح "اب یہ میدان جنگ میں پہنچ کے دیکھا جائے گا۔ اب تم سفر کا سامان کر اور جب عربوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوگی۔ ایرانیوں کے ہاتھ سے عربوں کا غرہ خود سری ٹوٹے گا۔ اور رگیز از غرب میں ہر طرف تلوار چلنا شروع ہوگی۔ اُس وقت ہمیں کافی موقع ہوگا کہ اپنے تمام دشمنوں سے دنیا کو خالی کرالیں۔ یہ ہفتہ مدائن میں نہایت گر محوشی کے ساتھ بسر ہوا۔ شب و روز یہ حالت تھی کہ لوگ اپنے اسلحہ درست کر رہے تھے۔ جا بجا سیاہی سپہ گری کی مشق کرتے نظر آتے۔ اور جلدھر دیکھے یہی سلمان دکھائی دیتا کہ لوگ قتل و خون اور

خونریزی و جان ستانی کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ آخر خسرو پر وزیر نے طلحہ اور زید کو بھیجی روانگی کی اجازت دے دی۔ اور شیرین نے نہایت ہی احسان مند ہی دھڑکتے گئے ساتھ طلحہ کو رخصت کیا جسے وہ اپنے خیال میں اپنا سب سے بڑا محسن اور اپنی تمام امیدوں کو بر لائے والا تصور کرتی ہے۔

آخر روانگی کی معینہ تاریخ آگئی۔ اور ایک لاکھ ایرانی سپاہ عجمی سپہ سالار مابویہ کی ماتحتی میں دارا سے عجم کو اپنی زرق برق و دریاں۔ اپنے ابد اسلحہ۔ اور اپنی شان و شوکت دکھا کے جنوب و مغرب کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ لشکر ایک سیلاب کی طرح جس علاقے اور جس گھاؤں سے گزرتا ہے تباہ و برباد کر دیتا۔ آمد آمد کی خبر مشہور ہوتے ہی رعایا گھردن کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگ جاتی۔ اس لیے کہ مشہور تھا جس سرزمین پر عجمی فوج کا گزرتا ہے وہاں تاخت و تاراج، قتل و غارت۔ بے حرمتی و رسوائی بے عزتی و بے عصمتی۔ غرض دنیا کی کوئی آفت بد نہیں اٹھ رہی۔ اول تو عموماً عجمی سردار بے پروا اور شہوت پرست تھے۔ مگر لیفٹنٹ معمول سے زیادہ تباہ و برباد کن تھا۔ اس لیے کہ دس ہزار مجرم قیدیوں سے نکال کے ساتھ کر دیے گئے تھے کہ عربوں کے مقابلے میں جو ہر شے اُفت و دکھا کے معانی اور شاہی مہربانی کی سند حاصل کریں۔ یہ لوگ سوا لکھ مارے اور شرفا کی عزت و آبرو خاک میں ملائے کے کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ پندرہ دن میں یہ بہتا ہوا دریا بہت سے شہروں اور گھاؤں کو تباہ و ویران کر کے ارض حیرہ میں داخل ہوا۔ جہاں ان دنوں پہلے ہی سے بے امنی اور بد انتظامی ہو رہی تھی۔ کیونکہ بادشاہ منذر کو دائیں میں ہاتھی نے روند ڈالا۔ اُس کے عزیز و اقارب اور بی گندہ کے تمام شاہزادے اور شاہزادیان بنی شیبان کے پاس پناہ گزین ہیں۔ اور یہاں کوئی نہیں جو حکومت کو سنبھالے۔ اور لوگوں کو قتل و غارت اور خانہ جنگیوں سے روکے۔ ایرانی سپاہ نے پہونچ کے اُس بے امنی کو اور بڑھادیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ کوئی شخص نہ گھر میں محفوظ و مامون تھا اور نہ بیرون اور گلیوں میں مابویہ نے حیرہ میں قیام کر کے قبائل عرب کا انتظار کرنا شروع کیا۔ اس لیے کہ اکثر قبائل جو تاج ساسانی کے طرفدار تھے انھیں درفش کاویانی کے بیچے میں

جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کھڑے چاروں طرف جاسوس روانہ کیے گئے کہ معلوم ہو تمام قبائل عرب آب ذی قار کے کنارے جمع ہو گئے یا نہیں اور جمع ہوئے ہیں تو پتہ لگایا جائے کہ کون کون قبائل اور کون کون نثرایہ موجود ہیں یہ سب غرضیں ایک ہی ہفتہ میں پوری ہو گئیں۔ جاسوس خبر لائے کہ بنی شیبان قریش - بنی تھامہ اور شمالی عرب کے قبائل میں سے کوئی قبیلہ اور کوئی سردار نہیں جو موجود نہ ہو۔ اور سب سے بڑی یہ خبر معلوم ہوئی کہ بنی شیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے ساتھ آل حیرہ کے تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی موجود ہیں۔ جب کہ یہ تاجدارِ عمر کے عیش میں غلغلہ اگیا ہے یہ خبر نہ تھی بلکہ ایک مردہ تھا جسے سن کے ناہویہ اور زید بہت خوش ہوئے۔ اور طلحہ نے جیسے کسی بے اختیار می کے جوش سے بے مہر ہوئے۔ اس جاسوس سے جو یہ خبر لایا تھا پوچھا ”جہنم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ تم و زہر نام دونوں عرض شخص جنہوں نے صرف اپنی بد معاشی سے فرمانِ داسے بنی حسان اور سندانہ کے باپ نعمان کی دامادی حاصل کی تھی وہ بھی بنی شیبان میں ہیں جاسوس ”جی ہاں۔ موجود ہیں۔ اور سردار بنی شیبان اُن کے حال پر نہایت ہی مہربان ہے“

طلحہ نے بہتر اور پھر اُس نے ناہویہ کی طرف دیکھ کے کہا ”تو اب آپ لشکر کو آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟ ایسا نہ ہو موہم گزر جائے۔ اور قبائل عرب ذی قار کے کنارے سے چل کھڑے ہوں“

ناہویہ نے ”مجھے خیال تھا کہ شاید بعض اور قبائل عرب یہاں آگے ہم سے ملنے والے ہوں۔ لیکن اگر یہ اندیشہ ہے تو میں اسی وقت کوچ کا حکم دے دیتا ہوں۔ اور بنی ظ کو تو وہیں ذی قار میں حاضر ہونے کا حکم ہوا ہے“

زید ”ہاں بلیہ وہیں آگے لے گا۔ پھر کسی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں“

ناہویہ نے اسی وقت فوج کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اور دوسرے دن صبح کہ فارسی علم اور عجی بیرقین رنگزار عرب میں داخل ہو کے ذی قار کی طرف روانہ ہوئے۔

## تیسواں باب

یوم ذی قار

حیرہ سے روانہ ہونے کے آٹھویں دن ایرانی لشکر آب ذی قار کے قریب جا پہنچا۔  
جہان پہنچتے ہی قبضہ طائی بھی اپنی قوم کے جوان مردوں کو لے کے حاضر ہو گیا۔  
اب ایرانی فوج کا شمار دو لاکھ سے زیادہ تھا۔ اس لیے کہ ایک لاکھ فوج تو  
خالص ایرانیوں۔ جاٹوں۔ ترکوں۔ اور زابلجی یعنی افغانی جوانوں کی تھی۔  
اور اس سے زیادہ گروہ عربی قبائل کا تھا۔ جو حیرہ سے یہاں تک براہ راست  
ایرانی جھنڈے کے پیچھے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ذی قار کے قریب پہنچتے ہی ماہویہ  
ایک فارسی نبرد آزما ہر مزد کے مشورے سے اپنے لشکر کو چاروں طرف پھیلا دیا۔  
اور جتنے قبائل عرب ذی قار کے کنارے اترے ہوئے تھے انھیں ہر طرف سے  
گھیر کے واپسی کا راستہ بند کر دیا۔

یہ خبر پہنچتے ہی اہل عرب میں ایک تشویش پیدا ہوئی۔ اور اکثر لوگ جن کے دل  
پر مسلمانانہ ہیبت و جبروت کا اثر پڑا ہوا تھا۔ بدحواس ہونے لگے کہ کیا کربلا  
کے دن چائینہ اور کیونکر جان بچائیں؟ تمام سرداران قبائل بانی بن مسعود کے  
خیبر میں جمع ہوئے۔ اور باہم غور کیا جانے لگا۔ کہ اس موقع پر کیا کارروائی کی جائے  
مشورہ ہو ہی رہا تھا کہ ماہویہ کا بلجی آن پہنچا۔ جس نے سب سرداروں کی طرف  
مخاطب ہو کر کہا ”اے سرداران عرب۔ تم لوگ شاید دولت کسریٰ کی شان و شوکت  
نہیں جانتے۔ جو اطاعت قبول کرنے اور شہر یار پرویز کے جھنڈے کے سامنے سر جھکا  
”ین تامل کر رہے ہو۔ ہزار ہا سال کی زبردست سلطنت فارس کو تمھارے اتفاق  
سے کوئی ادنیٰ صدمہ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ایک اشارہ ہونے کی تیر ہے۔ اور یہ  
شہنشاہی لشکر چھٹین گھیرے ہوئے ہے ایک دم بھر میں تم سب کو کاٹ کے ڈال  
دے گا۔ اور تمھاری طرف سے ذرا سی بھی سرکشی ظاہر ہوئی تو پھر تھیں نہ ان پر  
کو ہزاروں میں پناہ ملے گی۔ نہ ان چھیدہ ریز گزروں میں۔ مصلحت یہی ہے کہ  
بے غدر سر اطاعت جھکاؤ اور مندر کے خاندان والوں۔ اُس کے لڑکوں۔

لوہ کیوں اور اُن شاہی زہر ہون کو جو تھارے پاس ودیعت رکھی گئی تھیں ہمارے سردار ماہویہ کے حوالے کر دو۔ میں تمہارے پاس سپہ سالار عجم کی طرف سے تین صورتیں پیش کرتا ہوں۔ یا تو تمہارا رکھ دو۔ اور ہمارے ہاتھ میں گرفتار ہو جاؤ یا خاندان بربادی اختیار کرو۔ اور جن اضلاع میں آباد ہو انھیں چھوڑ کے کسی اور ملک میں چلے جاؤ۔ اور یہ دونوں باتیں نہیں منظور ہیں تو تمہارا اٹھاؤ۔ اور مردانگی سے مقابلہ کرو۔

یہ پیغام سن کے ہانی نے اُس ایرانی ایلچی کو ایک خیمے میں بٹھرا دیا۔ اور اپنے خیمے میں جا کے تمام سرداروں اور صاحب راسے لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس پیغام کا کیا جواب دیا جائے۔ بعض بعض کمزور لوگ جو ایرانی فوج کی کثرت کا حال سن کے خوف زدہ ہو گئے تھے بولے ”ہمیں دوسری صورت اختیار کر لینی چاہیے ہم خاندان بدوش لوگ ہیں۔ کبھی مشرق میں ہوتے ہیں۔ اور کبھی مغرب میں۔ کبھی شمال میں پڑاؤ ڈالتے ہیں اور کبھی جنوب میں۔ وطن چھوڑ دینا ہمارے لیے کوئی دستور امر نہیں ہے۔ جس طرح یہاں آب و ہوا قار کے کنارے خیمے نصب کیے ہیں اور چادرین تانی ہیں۔ اُسی طرح اب یہاں سے چل کے ارض میں کے شاداب مرغزاروں اور دوس و تھیر کے پڑوس میں خیمے کھڑے کریں گے۔“

عمر اور زہیر اس گفتگو کو سن رہے تھے اور دل ہی دل میں غصہ کر رہے تھے۔ جیسے ہی کہنے والے نے زبان رو کی زہیر کھڑا ہو گیا۔ اور جوش و خروش سے چلا یا ”اے شرفاے عرب۔ وطن کے ساتھ کیا تم عزت و شرافت اور شجاعت و جرات بھی چھوڑ دو گے؟ یہاں سے بھاگ کے اور ایرانیوں سے ذلیل ہو گے بنی تمیر دوس کو تم کیا منہ دکھاؤ گے؟ اور کیا منہ لے کے وہاں آباد ہو گے؟“

یہ سن کے ایک قضاعی شخص بول اٹھا ”بنی حمیر دوس میں کیا شرافت باقی رہی جو ہم ان کے سامنے شرمندہ ہوں گے؟ ہم تو صرف عجم سے مغلوب ہو گئے بھانگن گئے۔ اور انھوں نے حبشیوں اور فارسوں دونوں کی غلامی اختیار کی۔ اُن کے مقابلے میں ذلیل ہوئے۔ اور اپنی عورتوں کی عصمت و محضت اُن کی نذر کر دی۔“ یہ سننا تھا کہ مدینے کا ایک شخص جو قوم حمیر کا نسب آگ بگولا

ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔ تلوار کھینچ لی۔ اور بولا "قسم ہے سہیل کی حیر و دوس تم سب سے زیادہ شریف ہیں" یہ بدزنگی دیکھ کے ہانی نے سب کو روکا اور کہا "یہ وقت باہمی نزاع اور اپنی اپنی شرافت پر ناز کرنے کا نہیں ہے۔ شرافت کا جو ہر دکھانے کے لیے میدان جنگ موجود ہے۔ اس میں ہر شخص نیزے کے وار اور تلوار کے ہاتھ دکھانے کے شائبہ کو سکتا ہے کہ وہ کتنا بڑا شریف ہے۔ اور اس بارہ خاص میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بجائے رائے زنی کرنے کے تم کسی قابل اعتبار سردار عرب پر متحمل کرو۔ اور وہ جزائے دمی اسی پر عمل کیا جائے۔ یا تو ہم اسی میدان میں مارینگے اور مرجائیں گے۔ یا دشمنوں کو شکست دے کے آل ساسان کی قدیمی سطوت و حشمت کو خاک میں ملائیں گے۔ اور ثابت کر دیں گے کہ ہم عرب کی تمام قوموں اور بیان کے تمام قبیلوں سے زیادہ شریف النسب ہیں"۔

اس راے کو سب نے پسند کیا اور تھوڑے اختلافت کے بعد طے ہو گیا کہ بنی عبلاں کا نامی گرامی سردار خطلہ بن قلعہ جو فیصلہ کر دے اُسے سب بے عذر تسلیم کر لیں۔ اس لیے کہ خطلہ عرب کے مشہور عقلا اور زیر دست مشہور اون میں تھا۔ خطلہ نے پہلے تو کسی قدر عذر کیا مگر جب دیکھا کہ سب لوگ اُسی کی راے پر عمل کرنے کو تیار ہیں تو تھوڑی دیر سر جھکا لے رہے اور غور کرنے کے بعد بولا "شرافاے عرب۔ اگر عزت ہو تو زندگی بھی ہے۔ ورنہ جینا بے سود ہے۔ میرے نزدیک تو ہمیں بغیر کسی قسم کا اندیشہ کیے اپنے جوتوں کا نام لے کے ہتھیار اٹھانا اور مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس راے کے ظاہر ہوتے ہی تمام عربی بزرگ و بزرگوار نے اور عان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اُسی وقت فارسی ایلیجی کو بلا کے کہہ دیا گیا کہ "ہم مقابلہ کریں گے اور دیکھتے ہیں کہ تمہارا عرب و عجم میں کیا فیصلہ کرتی ہے؟" ایرانی ایلیجی اس جواب کو سن کے متحیر ہو گیا۔ اس لیے کہ اُس کے خیال میں عرب لوگوں کی مجال نہ تھی کہ ایرانیوں سے لڑنے کا حوصلہ کریں۔ مگر اُس سے تامل کرنے کا کیا حق تھا۔ جواب لیتے ہی ماہو یہ کے پاس گیا۔ اور کہہ دیا کہ "وہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہیں۔ اور بغیر ایسے ہتھیار نہ رکھیں گے" یہ پیام مٹی کے ماہو یہ بہت خوش ہوا۔ اس لیے کہ ایک فوجی افسر کو جو مزہ مقابلہ کرنے اور دشمنوں کے قتل و قلعہ میں آسکتا تھا صلح میں نہیں ممکن تھا۔ فوراً ایرانی نشان آگے بڑھایا گیا اور عجی سپاہی طبل و قرنا اور



جنگ و جلاجل بجاتے ہوئے بڑھے۔

دشمنوں کی فوج کے روانہ ہونے کا حال سن کے ہانی نے فوراً وہ زرہیں جو مندر  
نے امانت رکھوائی تھیں نامی سردارانِ عرب اور شجاعانِ قبل میں تقسیم کر دیں  
کہ انھیں بہن کے بہادری سے مقابلہ کریں۔ پھر یہ خیال کر کے کہ یہاں تالاب کے  
کنارے اچھی طرح مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور شکست کی صورت میں یہاں کوئی پناہ  
کی جگہ نہ ہوگی اپنی تمام فوج ریگزار اور بالو کے تودوں کی طرف ہٹائے گیا۔ جہاں  
ہر جگہ اُن سفید سفید تودوں کی آڑ موجود تھی۔ مگر یہ دیکھتے ہی خطلہ بن ثعلبہ گھبرا کے  
جھپٹا اور ہانی کی طرف متوجہ ہو کے چلایا ”ہانی۔ اس ہٹ آنے سے تمہارا منشا تو  
یہ ہے کہ بہن پناہ ملے۔ مگر اصل میں تم ہمیں ہلاکت میں ڈالے دیتے ہو۔ یہ غضب نہ کر  
ورنہ ہمیں پتہ نہ لگے گا۔ ہمارے لیے اب وہی قاری بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اور  
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہاں رہنے سے ہانی پر ہمارا قبضہ رہے گا۔ اگر لڑائی  
نے طول کھینچی تو ایرانیوں میں ہانی کا قہقہہ بھجائے گا۔ اور دو ہی تین دن میں پیاس  
انھیں ہلاک کر دے گی؟ یہ کہہ کے خطلہ تمام ہیرا ہیروں اور کل سرکھت قبائل  
کو پھر وہی قار کے کنارے لے آیا۔ لڑائی کے لیے صفیں جست کیں۔ اور اونٹوں کے  
کجاوے اپنے آگے آگے چاروں طرف رکھوا دیے کہ دشمن اگر یکا یک ٹوٹ پڑنا چاہیں  
تو ایسا نہ کر سکیں۔ پھر اُس نے اپنی صفوں کے آگے ایک چھوٹا خیمہ کھڑا کر آیا۔  
اور سب لوگوں کی طرف دیکھ کے کہا ”اے شجاعانِ عرب میں عہد کرتا ہوں کہ  
جب تک یہ خیمہ نہ بھاگے گا میں قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا۔ اپنے سردار کا یہ عہد  
سن کے تمام لوگوں کے دلوں میں بھی ایک جوش پیدا ہو گیا۔

اس واقعہ کے دوسرے دن بدوی قبائل اور عربی سپاہی اپنے اسلحہ سے  
آراستہ ہو کے جان بازی اور نبرد آزمائی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ سامنے سے  
درفش کا دیانی نظر آیا۔ اور اُس کے پرچم پر سے بے باالما سون نے اپنی  
کرہن چاروں طرف چھسکا مین۔ متحیر بدویوں کی نگاہوں میں تھوڑی دیر کر نیے  
عربوں کا معمول تھا کہ جان بازی کے موقعوں پر اسی قسم کے عہد کیا کرتے تھے۔ مطلب  
یہ کہ میں ہرگز نہ بھاگوں گا۔ کیونکہ نہ یہ خیمہ خود بخود بھاگے گا نہ میرا بھاگنا ممکن ہوگا۔

ایک خفیف سی خیرگی پیدا ہو گئی، اکثر عربوں کے دل میں خوف و یاس کے خیالات نے جوش مارا۔ اس لیے کہ دارا نے عجم اور شہر یا راہ ایران کی فوجوں سے لڑنا ان کے خیال میں پہاڑوں سے سرنگھڑا تھا۔ بار بار خیال آتا تھا کہ جن شیراز فکن سپاہیوں اور صف شکن نامہروں نے یونان و روم کے بہادروں کو پسپا کر دیا۔ جن کی سطوت نے ایک تھوڑے ہی زمانے میں ارض فلسطین اور مملکت شام کا تختہ الٹ دیا۔ ان سے مقابلہ کرنا۔ ان کو حملوں کی تاب لانا۔ اور ان کے کاری اسلحہ کو روکنا عربی شجاعت و قوت سے بہت بالا ہے۔ ورنہ اصل عربوں کو اس وقت تک اپنی اصلی قوت اور اپنے اتفاق کی برکت کا حال ہی نہیں معلوم ہوا تھا۔ وہ اپنی شجاعت سے ناواقف تھے۔ اور بجز اس کے کہ ریکڑارون میں باہم لڑیں یہ جانتے ہی نہ تھے کہ ہم کسی زبردست سلطنت سے بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بہر حال غمی بیرون اور فارسی علم کی صورت دیکھتے ہی انھیں اپنے خیموں میں ایک ٹھہر جھڑی سے معلوم ہوئی۔ اور یکایک سب کے دل لرز گئے۔

سرداران عرب نے فوراً اس حالت کا اندازہ کر لیا۔ سمجھ گئے کہ اگر یہی حالت رہی تو عرب لوگ پہلے ہی حملے میں ہمت ہار دین گے۔ اور لڑائی کی صورت ذرا بھی بگڑی تو پھر پتہ نہ لگے گا۔ اس لیے کہ اسی میدان کے ساتھ ملک عرب کی قسمت کا بھی فیصلہ ہے۔ ایرانی غالب ہوتے ہی کوئی بے غنی اُٹھنا نہ رکھیں گے۔ اور عرب کی پاک دامن لڑکیاں انتہا سے زیادہ ذلت کے ساتھ بے عصمت کی جاہن گی۔ یہ خیال آتے ہی سردار بنی شیبان ہانی بن عودہ بڑھ کے آگے آیا۔ اور سب کی طرف خطاب کر کے کچھ کہنے کو تھا۔ کہ زہیر بن سلم غدری نے بڑھ کے نہایت ادب کے ساتھ اُسے روکا۔ اور کہا "اس موقع پر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیجیے"۔

ہانی "نعم ہے حرمت لات اور شوکت عزتی کی کہ میں تم سے زیادہ بوڑھا اور تم سے بدرجہا زیادہ پرجوش ہوں"۔

زہیر "بے شک۔ آپ ہم سب سے زیادہ مغرور و محترم ہیں۔ آپ کی شجاعت بھی عرب میں مشہور و مسلم ہے۔ مگر مجھ میں دوسرا جوش ہے۔ جوش شجاعت اور جوش عشق۔ سب لوگ قوم و ملک کی حمایت میں لڑنا چاہتے ہیں۔ اور میں اس کے

ساتھ اپنی جان سے زیادہ پیاری جیدہ کے لیے بھی لڑتا ہوں۔ علاوہ برین آپ  
صرف قبلہ بنی شیبان کے فضائل بیان کریں گے۔ اور میں تھوڑا بہت ملک  
عرب کی تاریخ سے واقف ہوں۔ ایسے الفاظ کون کا جن سے تمام قبائل  
عرب کے دل میں جوش پیدا ہوگا۔

**بانی**۔ اچھا کمو۔ اور دیکھو لوگوں کو ایسا جوش دلاؤ کہ کسریٰ پرویز کی وقعت  
اُن کے دل سے بالکل جاتی رہے۔

زمیر۔ یہ گستاخ نوجوان صرف اسی لیے صفوں کے آگے آیا ہے۔

سردار قوم سے اجازت پاتے ہی زمیر نے عربی صفوں کی طرف رخ کیا۔ اور  
نہایت ہی جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سوچ لایا "یا معاشر العرب ابی سوق  
اور ہی میدان ہے جہاں تم اپنے بزرگوں کی عظمت قائم رکھ سکتے ہو۔ تمہارے  
آزادی پسند بزرگوں نے کبھی کسی کے آگے سر اطاعت نہیں جھکایا۔ بنی الاسود  
(حبشیوں) اور بنی الاحمر (ایرانیوں) نے بنی قحطان کو مغلوب کر لیا۔ مگر تمہاری  
نسلوں اور بنی نزار و آل عدنان کے خاندانوں میں کبھی غلامی کا دھبہ نہیں لگا۔ تم  
وہ لوگ ہو جن کے مقابلے میں سکندر اعظم کو بھی ناکام واپس جانا پڑا۔ قیصر  
روم ہمیشہ اسی فکر میں رہے کہ ارض عرب کو یا مال کریں مگر تمہاری شجاعت نے  
انہیں کبھی قدم آگے نہیں بڑھانے دیا۔ تم نے ہمیشہ اپنے غیر باد و برگستانی  
وطن اور اپنے برہنہ پہاڑوں کی حفاظت اپنا خون بہانے کی۔ اور اب بھی اسی طرح  
کر رہے۔ یہ بالویریگ روان جو حملہ آوروں کے دھمکانے کے لیے ہمیشہ چین بھین رہا  
کرتی ہے تمہاری شریف نسلوں کا بہت سا خون پی چکی ہے۔ اور تم نے اپنا خون پلا لیا  
اسے دوست بنایا ہے۔ عجیوں کی شان و شوکت۔ دھوم۔ دھام۔ اور زرق برق لباس  
سے نہ ڈرو۔ اُن کے علم کے ان جلاوار الماسوں کی کروں سے نہ خوف کھاؤ۔ اس  
لیے کہ یہ سب چیزیں صرف دکھانے کے واسطے ہیں ایرانیوں کی قوت صرف اُن  
بہادر اور عقلمند و زیروں سے بھی جنہیں خاک عرب نے پیدا کیا تھا۔ فارس کے  
تمام قوانین مملکت اُسی نعمان اول کے منضبط کیے ہوئے ہیں جو تمہاری قوم میں سے  
تھا۔ جس نے ایرانی کو ایران بنایا۔ اور افسوس اُسی محسن کی نسل پر ظلم کرنے۔ اُسی

خاندان کی لڑکیوں کو ذلیل و بے عصمت کرنے کے لیے یہ فوج کشتی کی گئی ہے۔ تم بہادر ہو۔ شجاع ہو۔ باحمیت ہو۔ فیاض ہو۔ اور اُس آزادی کے دلدادہ ہو جو قوم عجم کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ فارس کے تمام امیر و رئیس اپنے شہوت پرست بادشاہ کے غلام بن گئے۔

اس تقریر نے عربوں کے دلوں میں یکایک ایک عجیب قسم کا جوش و خروش پیدا کر دیا۔ ہر طرف سے آوازیں آنا شروع ہوئیں ”ہم غیرت مند ہیں“ ہم میں حمیت ہے“ ہم ماریں گے اور مر جائیں گے“ ہم اپنی بے غری دلیہ حرمتی ہرگز نہ دیکھ سکیں گے“ چاروں طرف سے یہ آوازیں آرہی تھیں اور یہ جوش و خروش کے نعرے بلند تھے ایک بیٹائی کے جوش سے از خود رفتہ ہو کے خطلہ بن ثعلبہ آگے آیا اور زہر کی طرف دیکھ کے بولا ”بس صاحبزادے بس! اب اس سرزادہ سننے کی تاب نہیں ہے یہ کیکے اُس نے رجز میں دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ جس روز میں نہ ہوں گا اُس دن چرخ اور مردم خوار طیور قانون مرین گئے۔ اور بھوک کی شدت سے تڑپ تڑپ کے اور پھٹ پھٹا پھٹا پھٹا کے روئیں گے“

اب عجی نشان قریب آگیا تھا۔ ایرانی فرمانروا بون کی آواز لگزاروں میں گونجنے لگی اور ہاٹون سے ٹکرا رہی تھی۔ ماہویہ کے حکم سے ایرانیوں نے قریب آتے ہی ٹھہر کے صفیں باندھیں۔ اور ایک عجی سوار گھوڑا اوڑا کہ آگے آیا۔ اور عربی زبان میں چلا کے بولا ”اے جماعت عرب! اب بھی اپنی حماقت پر متنبہ ہو اور خسر و گدتی نہ پاہ کو ناراض نہ کرو۔ ورنہ اُس کا غضب بھین خاک میں ملا دے گا۔ اگر اپنے اہل و عیال اپنے ملک و مال سے کچھ بھی محبت ہے تو فوراً مطاعت چھکا دو۔ اور آل و نعل کی لڑکیاں اور خزانہ حیرہ کی زرین ہمارے حوالے کرو“ اس صورت کی پیش کیے جاتے ہی پھر عربوں میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہوا۔ اور اُس تمام جوش کو بجھانے جو زہر کی تقریر نے دلوں میں پیدا کر دیا تھا پھر صلح کا ارادہ کرنے لگے۔ یہ رنگ دیکھ کے عمرو بن ہشام نہایت ہی پریشان تھے۔ خصوصاً زہر کی جان پر مبنی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ایرانیوں سے صلح کے ہی معنی تھے کہ نازنین و ناز آفرین حبیبہ دارا عجم کی نذر کر دی جائے۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے اپنی معشوقہ ناز آفرین سے جدا ہو جائے۔

مایوسی کے عالم میں سوچتے سوچتے اُس نے جوش میں آکے تیرکان سو جوڑا اور ایک اُس کا زوردار نیز قضا کا پیام لے کے اس زور سے روانہ ہوا کہ جاتے ہی اُس عجیب سوار کے سینے میں پیوست ہو گیا جو دونوں لشکروں کے درمیان گھوڑے کو کاٹنے کی حرکت سولوں کو صلح پر آمادہ کر رہا تھا۔ تیر کھاتے ہی وہ سوار گھوڑی سے گرا۔ اور ایک خیم زون میں تڑپ کے جان دھڑکی۔ اس لیے کہ تیر نے اُس کا دل چھید دیا تھا۔ جس کے صدے سے اُسے اچھی طرح پہچان کا بھی موقع نہ ملا۔ یہ حالت دیکھ کے ماہویہ اور عام سرداران عجم کے غصے کی انتہا نہ تھی۔ اُن نے اپنے نشان کو حرکت دی۔ ساتھ ہی طبل جنگ پر چوب پڑی۔ اور عجیب سپاہی جوش و خروش کے ساتھ لڑنے مرنے کے لیے بڑھے۔ اُنھیں کے درمیان بعض عربی قبائل بھی چھوٹے چھوٹے طبل بجاتے۔ غرہ ہائے جنگ بلند کرتے اور ناجائزے کودتے چلے آتے تھے۔ جاٹوں زلمیوں اور افغانوں نے بھی ایک شور کر کے حملہ کیا۔ اور عرب لوگوں میں گھبراہٹ سی پیدا ہو چلی تھی کہ سرداروں اور بہادروں نے آگے آگے اُن کی ہمت بندھا کر خصوصاً عمرو بن عبد شمس کی طرف نیزے تان کے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے ہم قوموں کی طرف دیکھ کے چلائے "بہادر و ہمت نہ ہارنا۔ یہ لوگ تمھاری شہرت مٹانے۔ تمھاری عزت لینے اور تمھارے نام میں وجہا لگانے کو آتے ہیں۔ تم نے ایک ذرا بھی استقلال دکھایا۔ ہمت سے کام لیا۔ میدان میں قدم جمایا۔ اور یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ نہ ان میں تمھاری سی شجاعت ہے۔ نہ تمھاری سی شرافت اور نہ تمھاری سی سخاوت۔ پھر یہ کیونکر تمھارا مقابلہ"۔

یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ایرانی لشکر آہو بچا۔ اور دونوں لشکر مل گئے۔ عربی سردار جو اپنی صفوں کے آگے تھے پہلے اُنھوں نے دشمنوں کو روکا۔ اور اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ اور سب لوگوں کے دلوں میں بھی ہمت و غیرت نے جوش مارا۔ اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ ایک تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کو اس میدان جنگ کے آگے میدان قیامت بھی بھول گیا۔ اور ہر سپاہی پر کچھ ایسی لے حسی طاری تھی کہ نہ اپنی کمزوری سوچتی تھی نہ دشمن کی قوت و طاقت۔ کئی گھنٹے تک یہ حالت رہی کہ نیزوں اور تلواروں کی آواز انسان کے شور و غل پر غالب تھی۔

درمیان میں بعض بعض اوقات سرداران فوج رجز و اڑن اور کڑکیتوں کے نعرے سنے جاتے جو جانباز نبرد آزمائوں کو بڑھاتے اور جوش و خروش سے اشتعار رجز پڑھتے تھے۔ آخر دونوں طرف کے بہادر سپہیں پسے ہو گئے۔ سُستی اور تھکن نے ہاتھ شل کر دیے۔ اور دونوں حریفوں کو حیرت تھی کہ ابھی تک کسی طرف شکست کے آثار نہیں نظر آتے۔ ایرانی اتنی دیر تک قدم نہ جاسکتے۔ مگر ان کی طرف کے عربی قبائل۔ کابلی و ترکمانی پہلو اڑن۔ اور جانباز جاڑن نے اس طرح قدم جما کے مقابلہ کیا کہ آخر عربوں پر پھر ایرانی حشمت و شوکت کا خوف غالب ہوا۔ جو لڑائی کے جوش اور اندرون کے بڑھاوے سے تھوڑی دیر کے لیے بالکل بھول گیا تھا۔

اب سب سے زیادہ خرابی یہ پیدا ہوئی کہ دونوں طرف کے سپاہیوں پر تشنگی غالب تھی۔ خصوصاً ایرانیوں پر جو امارت و ثروت۔ اور اپنے سرسبز و آباد ملک کی وجہ سے بھوک پیاس کی ضبط کرنے کے عادی نہ تھے۔ ایرانی پہلے تو کسی قدر بد دل ہوئے۔ گھبرائے اور پریشان ہونے لگے تھے کہ ماہویہ اور اُس کے اور ساتھیوں نے زور سے لٹکارا اور کہا ”بہادر و پانی بھی تمہیں انھیں ذلیل اور جھکی شمشیر کو پساکر کے ملے گا۔ اس لیے کہ اب ذی قار پر بھی قبضہ کیے ہوئے ہیں۔ جرأت کے ساتھ بڑھو۔ انھیں مار کے ہٹاؤ۔ اور اس بڑے لمبیز تالاب پر اپنا قبضہ کرو“ اس آواز نے ناگہانی بجلی کا سا کام دیا۔ یا تو ایرانی سپاہیوں میں سُستی آگئی۔ تھی یا یکایک ایک ترقی تازگی پیدا ہو گئی سب نے نئے جوش اور تازہ دل سے حملہ کیا۔ اس حملے کی عوب تاب نہ لاسکتے۔ مگر سرداران قبائل نے بڑھ کے حریف کے جوش کو اپنے اسلحہ پر لیا۔ انھیں روکا۔ اپنے ہم قوموں کو ابھارا۔ اور پوری دلیہری جو اندھ دھڑی سے مقابلہ کرنے لگے۔ تاہم عربوں کا قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ افسر ہزار کو شش کر دے مگر اس کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی تھی کہ دشمن ساعت بہ ساعت پلے پڑتے اور دباتے چلے آتے تھے۔ اور ان کے مقابل میں عرب لوگ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ اس موقع پر سب سے زیادہ خوفناک حملہ زامبی و کابلی پہلو اڑن اور ترکمانوں کا تھا جو نہایت ہی قوی ہیکل تھے۔ اور ان کے تن و توش دیکھ دیکھ کے عرب سے جاتے تھے۔ لڑائی بظاہر ختم ہوتی نظر آتی تھی۔ اور قریب معلوم ہوتا تھا کہ

ملک عرب کی قسمت دگرگون ہو جائے۔ انباے باو یہ پٹے پٹے تالاب کے بالکل کنارے پر آگئے تھے۔ اور شاید تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو جاتا۔ اور ورفش کا دیانی کے حامی آب ذی قار سے سیراب ہو سکے تازہ دم ہو جاتے۔ اور ان کے تازہ دم ہوتے ہی عربی شجاعت و سپہ گری کا خاتمہ ہو جاتا۔ ناگمان عربی لشکر میں سے ایک سو اونکلا جس کا گھوڑا ایرانی صفوں کو درہم درہم کرتا اور بہت سی لوگوں کو گراتا۔ اور پامال کرتا ہوا چاروں طرف چکر لگانے لگا ایک بجلی تھی کہ بے قراری کے ساتھ کبھی ادھر گرتی تھی۔ کبھی اُدھر گرتی تھی۔ اور جہر گرتی بہت سی جانوں کا فیصلہ ہو جاتا۔ یہ زہر تھا جو اپنی قسمت پلٹے۔ دیکھ کے جان پر کھیل گیا۔ اور یہ خیال کر کے کہ یا تو زندگی و کامیابی ہے یا ناسوری و بقا سے دوام کی موت۔ دشمنوں کی فوج کے سیلاب میں پھاند پڑا۔ اُس کی لڑائی اور جان بازی میں کچھ ایسی شان تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے دونوں طرف کے بہادروں نے لڑنے سے ہاتھ روک لیو۔ اور اُسکی سیاب و شخی کا تماشا دیکھنے لگے۔ غم و غم نے جب اپنے جانی دوست کی یہ حالت دیکھی تو یکایک اُس کے دل میں بھی ایک مجنونانہ جوش پیدا ہوا اور دونوں شانہرا دونوں حلیہ و حیثیت سے رخصت ہو کے اور اُنھیں ابدیدہ چھوڑ کے وہ بھی لڑائی کے شعلوں میں پھاند پڑا۔ اور جس میدان میں صرف ایک فوجی باز گیر کا تماشا نظر آرہا تھا اب دو جان باز نظر آنے لگے۔

آخر ایرانی پہلوان اور سردار اپنی ایک فوری غفلت سے چونکے۔ چاروں طرف سے جھپٹے کہ ان دو بے جگر نوجوانوں کو گھیر کے مار لیں۔ اور اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ اب زہر و عمر و پرہر جانب سے یورش ہو رہی تھی سہانی بن عروہ اور حنظلہ بن ثعلبہ نامی گرامی سردار ان عرب ان دونوں نوجوانوں کو بکا بہادروں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی مجنونانہ سرفروشی پر افسوس کرتے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ کیونکر اُن کی مدد کریں کہ یکایک وہ دونوں نوجوان دشمنوں کے نرسے میں پڑ گئے۔ ایک تھوڑی دیر کے لیے وہ عام نگاہوں سے غائب تھے۔ اور دوست دشمن کی نظر میں اُنھیں انسانوں کے ایک گھنے جنگل میں ڈھونڈھ رہی تھیں کہ یکایک بھڑچھٹی بہت سے لوگ گھم گھم آئے پھرے۔ اور نظر آئے

خاص ورفش کا۔ بیانی کے بچے تھا۔ زہیر کے نیزے میں چھد کے گرا۔ عربی نو عمر سپاہی نے زور سے نعرہ مسرت بلند کیا۔ اور چلا یا "قتل الماہویہ و حرمة نسرو یعوق" (نسرو یعوق بتون کی حرمت کی قسم میں نے ماہویہ کو قتل کر ڈالا) یہ آواز ایک بجلی تھی کہ جس کے کان تک پہنچی اُسے۔ مکتہ سا ہو گیا۔ ایرانیوں کا یہ کہہ سکتے تھے نہیں ہوئے۔ پایا تھا کہ غفلت نے طیش کے ساتھ کہا "قسم ہے سحری کی اب تماشا دیکھنے کا وقت نہیں۔ جہن جملہ کرنا چاہیے۔ یہ کہتے ہی اُس نے اور اُس کے ساتھ ہانی اور سارے عربی لشکر نے حملہ کر دیا۔ ایرانی پریشان تو تھے ہی۔ اس جگہ کی تاب نہ لاسکے۔ یکا یک اُن کے قدم اکھڑ گئے۔ اور بہت ہی دلکشنگی کے ساتھ بچے بیٹے۔

عربی سپاہی تعاقب کرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ مگر سردار غفلت نے چاروں طرف پکار پکار کر اور بہت سے آدمی دوڑا دوڑا کے سب کو روکا اور رُکوا۔ اور جب ہر جانب سے لوگ سمٹ سمٹ کے اُس کے قریب آئے تو نہایت خوشی کے ساتھ سب کو مبارکباد دی۔ اور کہا "اس فتح کو دلو تاؤن کی مدد اور تا مد فیہی خیال کرو۔ کبھی عربوں کے خیال میں بھی نہ گزرا تھا کہ علی سردار ہانوں کو ایسا کر زین تھے۔ اب اس وقت ان لوگوں کا تعاقب نہ کرو۔ دیکھو یہ کیا کرتے ہیں اگر واپس گئے تو فیہا۔ ورنہ کل ہم انھیں تھکا کے اور ہلکان کر کے شکست دین گئے۔ اس لیے کہ آپ ذمی قار پر اب تک ہمارا قبضہ ہے۔ اور کسی جانب سے انھیں ایک قطرہ پانی بھی نہیں مل سکتا۔ آج اگر یہاں ٹھہر گئے تو کل ان لوگوں میں لڑنا کیسا بات کرنے کی بھی تاب نہ ہوگی۔ پھر اُس وقت ہم انھیں جس طرح اور جس قدر ذلیل کر کے چاہیں گے نہ کر دیں گے۔ اس وقت تمھارا یہ کام ہے کہ اپنے نوجوان بہادر و زہیر و عمر کی قدر کرو جن کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ اور جن پر تمام قوم عرب کو نماز کرنا چاہیے۔ زمانہ ہمیشہ یا و کرے گا کہ انھیں دوجو اغزدون کی قوت بازو سے قوم عرب نے تاج خسروی کو ذلیل کر دیا۔ اور ورفش کا بیانی کی عظمت خاک میں مل گئی؟

غفلت یہ تقریر کر رہا تھا اور فتحیاب سپاہی اُسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے کہ زہیر و عمر آگئے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہی اُس نے دوڑ کے زہیر کو گود میں



اُٹھا لیا۔ اور ایک عجیب از خود زحکی کے جوش کے ساتھ چلایا۔ شجاعان عرب اپنے اس سرگت بہادر کی قدر کر دے۔ جس نے تمھاری عزت بچالی۔ اور واقعی اگر یہ دونوں دوست نہ ہوتے تو آج سوزمین عرب کی قسمت پلٹ گئی ہوتی۔" یہ سنتے ہی چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کے شجاعوں۔ نامور دن اور سرداروں نے دوڑ دوڑ کر کے اور جھجک جھجک کے زہیر کے پاؤں اور ہاتھ جو مناشروع کیے۔ اور چند ہی ساعت میں ہر بجے کو یقین تھا کہ اب تمام عرب میں اس شریف نوجوان سے زیادہ بہادر کوئی شخص نہیں۔

قدردانی و شجاعت پرستی کا جوش چند خون کے بعد کم ہوا۔ زہیر و عمرو کے اعضاء میں جو مختلف زخم آگئے تھے اُن کا تدارک کیا گیا۔ بڑے بڑے شریف لڑکھانوں کی لڑکیوں نے اپنی خماروں اور چادرؤں سے بھاڑ بھاڑ کے اُن دونوں کے پنڈے میں پٹیاں باندھیں۔ اور چاروں طرف قبائل کی شریف و پاکداس لڑکیاں ان دونوں کو عمر شرفا سے بنی عذرہ کی تعریف کے گیت گارہی تھیں اس عام قومی جوش نے دونوں شاہزادیوں حلیمہ اور حبیبہ کو بھی اتنا سے زیادہ سرور کروایا۔ اب وہ اپنے دل میں ایک ایسا جوش سمیرت اور اپنے سینوں میں ایک ایسا فخر و تازیانی تھیں جو انھیں زندگی بھر میں کبھی نہیں نصیب ہوا تھا۔ اور اس میدان جنگ اور قوم عرب کی قدردانی نے یقین دلا دیا کہ وہ عمرو زہیر کی معشوقہ اور بیویاں ہونے کی وجہ سے ساری دنیا کی شاہزادیوں سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔

رات کو ہانی بن عردہ کے خیمے میں تمام سرداران قبائل جمع ہوئے۔ اور اس وقت نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اُن عذری نوجوانوں کو مبارکباد دی گئی۔ اور ہانی نے سب کی طرف دیکھ کے کہا: "ان نوجوانوں کو میں نے اپنے پاس پناہ دی تھی۔ اور محض ان کی اور ان کی شریف النسب بیویوں کی وجہ سے میں اپنی حالت کے ساتھ قوم عرب کی حالت کو بھی خطرے میں پاتا تھا۔ آپ سب لوگ اصرار کر رہے تھے کہ دولت فارس کا مقابلہ کیا جائے۔ اس لیے کہ سطوت کسروی کے مقابلے میں آپ کو اپنی قوم بہت کم زور نظر آتی تھی۔ اور حقیقت میں

ہماری قوم کمرہ تھی۔ مگر خدا نے ہمیں یہ دوزخ دے دیے تھے جنہوں نے صرف اپنی قوت بازو سے قومی ضعف کو دور کر دیا۔ اور اب ہم تاج خسروئی اور فرش کا دیاتی کی بالکل پروا نہیں کرتے؟

حفظہ: ”اے سردار بنی شیبان۔ تم بالکل سچ کہتے ہو۔ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ ایرانیوں کا سب سے بڑا ضعف یہ ہے کہ آب و زمینی قوت پر ہمارا قبضہ ہے۔ کل پیاس سے عاجز آ کے ایرانی جان پر کھیل گئے تھے۔ اور واقعی اگر زہر کا نیزہ ماہویہ کی زندگی کا خاتمہ نہ کر دیتا تو انہوں نے تالاب پر قبضہ کر لیا ہوتا۔ لیکن ہمارے ان دونوں برعبر بادروں کی قومی غیرت۔ جوش و شوق۔ اور حمیت وطن نے دشمنوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس طرح ذلیل کر کے ہٹا یا کہ اب وہ قیامت تک ہم پر کامیاب نہ ہو سکیں گے؟“

ہانی: ”مگر ابھی کل کی لڑائی اور باقی ہے۔ اگر ہم لوگ اُسی وقت تعاقب کر کے منتشر کر دیتے تو ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی۔ اور اُن کی تمام دولت و حشمت اس وقت ہمارے قبضے میں ہوتی؟“

حفظہ: ”لیکن کل وہ آج سے بھی زیادہ ذلیل و عاجز ہوں گے۔ تشنگی نے اب انہیں اس قابل ہی نہ رکھا ہوگا کہ مقابلے کی جرأت کر سکیں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ کل اُن کو مقابلے کی جرأت ہی نہ ہوگی۔ تین دنوں سے کم زمانے میں انہیں پانی نہیں مل سکتا۔ اور کل کی لڑائی نے اُن لوگوں کو ہم سے زیادہ ناتوان و ہتیا ب کر رکھا تھا؟“

ہانی: ”بے شک اُن میں اب مقابلے کی طاقت نہیں رہی۔ میدان سے بھاگ کے وہ اپنے خیموں میں بیٹھ رہے ہیں۔ بہتر ہو کہ آج رات کو ہم یکایک اُن پر جاڑیں اور چند ساعت میں انہیں کاٹ کے ڈال دیں۔ پیاس کے ساتھ رات کی بدحوالی انہیں اور کمزور کر دے گی؟“

حفظہ: ”لڑائی کی مصلحت تو اسی بات کو چاہتی ہے۔ اور عربی سپہگری کی شان بھی یہی ہے کہ رات کو جبکہ ہاتھاب ریگ روان پر اپنی نوز کی جاؤں بچھا رہا ہو ہم دشمن سے مقابلہ کریں۔ لیکن ان غیر مختون اور آتش پرست عجیوں کے کھڑک

دینے کے لیے دن ہی کا وقت مناسب ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ شجاعت و سپہگرمی کے زیادہ قائل ہوں گے اور یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے رات کے اندھیرے میں چورون اور ڈاکوؤں کی طرح اُن پر حملہ کیا۔ اور دوسرے دن کی گرمی اور آفتاب کی دھوپ میں اُنھیں تشنگی بمقابل رات کے زیادہ آسانی سے اور بہت جلد بدحواس و بیاب کر دے گی۔ نہ سیر و عمر و نئے بھی جو اس صحبت میں موجود تھے غفلت کی راہ سے اتفاق کیا۔ اور لڑائی کل پر اُٹھارکھی گئی۔ یہ رات ایرانیوں کے حق میں جیسی آفت و مصیبت تھی ویسی ہی عربوں کے حق میں رحمت و برکت۔ علی الخصوص زہیرؓ کے حق میں جو اب اپنے اپنے جیون میں آئے تھے۔ اور اپنی نازنین و ناز آفرین شہزادیوں کے پہلو میں بیٹھے پیارے سہنوں سے اور نغمہ خیز آوازوں میں اپنی جان بازی و شجاعت کی داد سن رہے تھے۔ حلیہ نے کسی قدر سسکا کے کما "عمر و سج تو یہ ہے کم دونوں دوستوں نے اس میدان میں اُس خونخوار لڑائی سے بھی زیادہ جو ہر دکھایا جو بنی عثمان و بنی کندہ میں ہوئی تھی؟ اتنا کہہ کے وہ کچھ شرماسی گئی۔

عمر و! یوم حلیہ میں اور اس دن میں جیسے میں یوم حبیبہ کون کا فرق ہے۔ اُس میں میں نے جان پر کھیل کے اور جوش عشق سے بیاب ہو کے اپنی جان کی مانتا تھا۔ شاہزادی کا بوسہ لے لیا تھا۔ جس کے بعد اطمینان تھا کہ اب شاہزادی میری ہو چکی۔ لیکن اس لڑائی میں یقین تھا کہ اگر میدان جنگ کا رنگ ذرا بھی بگڑا تو ہماری حاصل کی ہوئی دولت حسن۔ ہماری ساری زندگی کی راحت و مسرت خاک میں مل جائے گی۔ اُس لڑائی میں دونوں طرف کے سپاہیوں میں جوش بھرا ہوا تھا۔ اور دونوں جانب نامی گرامی پہلوان جان بازی و سرفروشی کو تیار تھے۔ مگر اس لڑائی میں عربوں کے حوصلے اُپست تھے۔ تمام اُتارے باویہ و فرش کا دیانی کی آب و تاب دیکھ و کیکھ کے سسے جاتے تھے۔ اگر اس میدان میں ہم لوگ ایسی سرگرمی نہ دکھاتے تو عرب کی قسمت بدلت جاتی اور اس کے ساتھ ہماری آرزوؤں کا بھی خاتمہ تھا۔

جب یہ بے شک آج کا میدان تم ہی لوگوں کی سرگرمی و مستعدی سے فتح ہوا۔

مگر یہ تو بچو کہ میں زندہ خرو پرویز کے پاس پہنچ جاتی۔ اگر حقیقت میں قسمت بلیتی اور میں دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار بھی ہو جاتی تو دعاؤں میں میں نہ پہنچتی بلکہ میری لاش پہنچتی۔

حلیمہؓ: خیر اب اس شخص اس الفاظ زبان سے نہ نکالو، مر جانے کی طرف دیکھ کے جو پاس ہی بھی ہوئی تھی۔ یہ تم اُس وقت کہاں چلی گئی تھیں؟ میں تو وہاں نیلے پر کھڑی تھی، نہ میری بہادری کا تمنا ساز کچھ رہی تھی مگر تم غائب تھیں؟  
مرحبانہؓ: مجھے دشمنوں کی فوج میں ایک عورت نظر آئی۔ اور سمجھ ہوا کہ وہ خولہؓ ہے فوراً آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور بھیس بدل کے اور ایک بہت بڑا جگر کھا کے اُس کے قریب گئی تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں وہ ہی ہے۔ اور وہی نہیں اُس کے ساتھ چلی بھی ہے۔

عمروؓ: (چونک کے) "اباہ۔ وہ دونوں موجود ہیں؟ بس یہ سب کیا دھواں نہیں فتنہ پروازوں کا ہے۔ کل کی لڑائی میں خدا کے میرا اُس کا سامنا ہو جائے۔  
زہیرؓ: سامنا ہو تو قتل نہ کرتا۔ جس طرح بنے اُسے زندہ گرفتار کر لانا۔  
عمروؓ: یہاں وقت دیکھا جائے گا۔ اگر گرفتار کرتے نہ بنا تو میں بیشک قتل کر ڈالوں گا۔

اب رات زیادہ آچکی تھی۔ سب جا کے اپنے اپنے بچھونے پر سو رہے۔ اور اہل عالم کو غافل پاک کے تارے آہستہ آہستہ مہرکتے سرکتے آفتی مغرب کے قریب جا پہنچے۔ مشرق سے سفید صبح نمودار ہوا۔ اور طبر کے شور سے پیشتر ہی دونوں لشکروں میں ایک ہنگامہ میا تھا۔ چند ساعت میں آفتاب طلوع ہوا بلکہ ایرانی لشکر میں کسی قسم کی مستعدی نہیں نظر آتی۔ عربوں نے خیموں سے نکل نکل کے اور کجاوون کے حلقوں سے باہر آ کے صفیں درست کر لیں۔ ان کے افسر اور پر جوش سردار بھی میدان میں کھڑے انباے باویہ کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔ اور ان سے زیادہ حوصلہ کل کی لڑائی نے بڑھا دیا ہے۔ اس لیے کہ کل عربوں کو سامانی ہیبت و جبروت کا خون تھا اور آج کسی بات کی پروا نہیں۔ یکایک عمروؓ بہر گھوڑے بڑھا بڑھا کے آگے آئے۔ جن کی صورت دیکھتے ہی تمام سپاہیوں میں ایک تازہ جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے زور و شور سے ایک نعرہ مہر

بلند کیا۔ عربیہ عورتیں جو اپنے قومی جانبازوں کے پیچھے بلند ٹیلوں پر کھڑی ہوتی تھیں اس وقت انھوں نے بھی انتہائے زیادہ مسرور و از خود رفتہ ہو کے رومال ہلائے۔

مگر یہ نعرے کی آواز اس جانب جس قدر براگنیمتہ کرنے والی اور دلوں کو ابھارنے والی تھی اسی قدر ایرانیوں کے لشکر میں ہولناکی تھی۔ رات بھر کی یہ اس نے اب انھیں بتایا کہ رو یا تھا۔ تشنگی سے بڑے بڑے زبردست جو افراد کچے دھتھے پست ہو گئے تھے۔ اور سب کے حلق میں کانٹے پڑے جاتے تھے۔ اس تکلیف نے سب کی قوت توڑ دی تھی۔ لیکن دشمنوں کو سامنے صفت آرا دیکھ کے جس طرح بناوہ بھی میدان میں آئے۔ اور اپنی صفیں درست کیں۔ مگر حالت یہ تھی کہ بہت کم لوگ تھے۔ جرمین مقابلہ کرنا مدد کرنا رکھڑے ہونے کی بھی تاب نہ تھی۔ سپاہیوں کے دل بجھے ہوئے تھے۔ افسر پر نشان خاطر و افسردہ دل تھے۔ اور جب ماہویہ کا مارا جاتا یا دھماتا تھا تو سب کے سب خون کا آنسو ہانے لگتے تھے۔ اس نامی سردار کی جگہ اب انھوں نے ایک نئے بہادر شخص کو جس کا نام اسفندیار تھا اٹھا افسر مقرر کر لیا تھا۔ اسفندیار صفوں سے آگے آگے اور بڑھ بڑھ کے لوگوں کو بڑائی پر آمادہ کرتا تھا۔ مگر کسی کو اپنے دل میں مقابلے کی ہمت نہ نظر آتی تھی۔ لوگ اس بات پر بھی افسوس کر رہے تھے کہ اس حالت کا اندازہ کر کے رات کو دشمنوں کی آنکھ بچا کے بھاگ کیوں نہ گئے۔ اتنے میں کسی نے مشہور کر دیا کہ عساکر خسرو دی مین سے ہیں ہزار آدمی رات کو کسی طرف چلے گئے۔ اس مرنے اور زیادہ تشویش پیدا ہوئی۔ اور سب کو یقین آگیا کہ اب شکست و موت کے سوا کسی بات میں مفر نہیں ہے۔

زبون نے بہت دیر تک انتظار کیا۔ مگر ایرانی صفوں میں سے کسی قسم کی حرکت نہ نظر آئی۔ یہ حالت دیکھ کے حفظہ اپنے عربی سرننگ گھوڑے پر سوار ہو کر عربوں کے لشکر سے نکلا۔ اور دونوں فوجوں کے درمیان میں ٹھہر کے اور گھوڑے کو اودھلا دھر پھرا کے چلا یا "بہادران عجم۔ جسے سپہگرمی کا دعویٰ ہو میرے مقابلے میں آئے" یہ کہہ کر اس نے چند اشعار کہہ کر بڑھے۔ جن میں اپنی شجاعت کے کھارنا سے ظاہر کیے تھے۔ ایرانیوں کی طرف سے کسی کو بچکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی مگر آخر غیرت و حمیت نے انھیں ابھارا اور نوش زاد نام ایک ہمدانی پہلوان

گھوڑے کو اڑتا کے آیا۔ اور بولا "اگرچہ تشنگی نے ہماری فوج کو بدعاس کر دیا ہے اور بہت سے بوگ ماہی بے آب کی طرح بڑپ رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم لوگ ہتھاری کچھ ہستی نہیں سمجھتے۔ جس طرح بھوکا شیر زیادہ غصہ بنا کر ہوتا ہے اسی طرح ہم لوگوں کو پیاس نے اور بہادر بنادیا ہے۔ ان جملوں کا مطلب جو فارسی زبان میں کہتے تھے نوش زاو کے ایک عربی غلام نے سحر اور بک کو سمجھا دیا خطلہ "یا ابن عابدۃ النار (اے آتش پرست عورت کے بیٹے) تیرے بوگ جو ان مردان عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کل ہمارے بہادروں نے اپنی شجاعت ثبوت دے دیا۔ اور آج میں خود تین تنہا عربی نبرد آزما کی کاشفوت رہنے کو کہا ہوں۔" نوش زاو نے کیا کل تھیں گھوڑا بڑھا کے ہماری جھون میں گھس آئے۔ پھر وہ اور سردار ماہویہ تمھارے ہی ہاتھ سے مارے گئے۔ اگر ایسا ہے تو میں اس بڑی خوشی سے انتقام لوں گا۔"

خطلہ "وہ ہماری فوج کا ایک پرجوش نوجوان تھا۔ اور میں ایک پختہ مغر اور جنگ آزمودہ سردار ہوں۔ یہ کہہ کے خطلہ نے نیزہ کا دار کیا۔ نوش زاو نے ایک گرز مار کے نیزہ توڑ ڈالا۔ اور بڑھ کے دوسرا گرز خطلہ کے سر پر مارا۔ مگر عربی نبرد آزما نے جھک کے وار خالی دیا۔ اور تلوار کھینچ کے نوش زاو پر برس پڑا۔ نوش زاو دیر تک خطلہ کے وار روکتا اور بچاتا رہا۔ اور پھر بڑھ کے گرز کا داس زور سے کیا کہ پتھر پر پڑتا تو اُسے بھی ریزہ ریزہ کر دیتا۔ مگر خطلہ نے اس گرز سے بھی آپ کو بچایا۔ اور خالی گرز اس طرح بو جھل ہو کے نیچے جھمکا کہ کہ نوش زاو نے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور مجبوراً اُسے بھی میان سے تلوار کھینچا پڑی۔ تھوڑی دیر تک دونوں جانبازون کے درمیان میں تلواروں کی بھلیان چلتی رہیں۔ جس کے خاتمے پر ایک خطلہ زخمی ہو کے چھٹا ہوا۔ لیکن نوش شاہب شاقب کی طرح تلوار لے کے جھپٹا کہ زخمی حریف کا کام تمام کر دے۔ یہ حالت دیکھ کے مرو نے گھوڑے کو اڑتے بنائی۔ مگر حرب تک پہنچے پہنچے نوش ندانے دوسرا زبردست وار کیا۔ اور خطلہ نے اپنے بائیں ہاتھ سے تلوار پکڑ لی۔ غصہ ہوا کہ سردار عرب کے ہاتھ میں آہنی دستا نہ تھا

جس میں پیوست ہو کے توش زاد کی تلوار پھنس گئی۔ اور وہ تلوار کے ساتھ  
خطلہ کو بھی اپنی طرف کھینچ رہا تھا کہ عمرو نے پہونچ کے تلوار کا وار کیا۔ اور  
توش زاد کو تلوار کا قبضہ چھوڑ گئے پیچھے ہٹنا پڑا۔

عمرو کو میدان میں آتے دیکھ کے ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ اور دوسری  
طرف سے عربی لشکر بڑھا۔ چند لمحوں کی حالت امید و بیم کے بعد دونوں لشکر  
سمندر کی دوزیم دوست موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ایک  
مغلوبہ ہونے لگی۔ فوراً بعض افسران فوج سربراہ خطلہ کو بند آزماؤں کے  
ہجوم میں سے نکال کے عورتوں کے خون میں لے گئے۔ جہاں اُن کے خون کا  
تدارک ہونے لگا۔ مگر میدان جنگ میں اس وقت قیامت پناہ تھی۔ بازار  
موت گرم تھا۔ عمروں کے سینے لڑتے رہتے تھے۔ اور لڑنے والوں کو اپنے  
پرانے کا ہوش نہ تھا۔ جس رنگ کی لڑائی ہو رہی تھی اُس کی ایرانیوں سے  
بالکل امید نہ تھی۔ اہل میں قومی حمیت و غیرت نے ایک گھڑی بھر کے لیے  
انھیں بھوک پیاس بھلائی تھی۔ اور اُن میں بیکار یہ خیال پیدا ہوا کہ  
عربوں کو مار کاٹ کے پانی پر قبضہ کر لینا چاہیے۔ اور ہر شخص ایک جان  
دینے والے کی طرح بے ہراسی سے لڑنے لگا۔

ایرانیوں کے جوش نے چند ساعت کے لیے سب کی طرح آج بھی میدان کا  
رنگ بدل دیا۔ اور انھیں اپنی فتح قریب معلوم ہونے لگی۔ عرب لوگ پھر  
پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اور ایرانی انھیں برابر عورتوں کے تیلوں اور آب  
ذاتی قار کی طرف ہٹاسے لیے جاتے تھے۔ ہانی بن عروہ۔ زہیر اور عمرو  
وغیرہ سب کی کوششیں بیکار ہوئی جاتی تھیں۔ اور اندیشہ پیدا ہو  
چلا تھا کہ تھوڑی دیر میں ایرانی آب و می قار سے سیراب نہ ہو جائیں۔  
اس حالت نے عربیہ عورتوں میں بھی سخت تشویش پیدا کی۔ بعضی  
تلوار میں تول تول کے لڑنے اور مرنے پر آمادہ ہو گئیں بعضی اپنے بچے دکھا دکھا کر  
مردوں کو غیرت دلانے لگیں کہ کیا ہمیں اور انھیں چھوڑ کے بھاگ جاؤ گے؟  
اتنے میں شاہزادی حبیبہ اور سردار بنی شیبان کی ایک بیٹی دونوں تڑپنے

سب عورتوں کے آگے آئیں۔ حبیبہ نے اشارے سے زہیر اور عمرو کو جوش لایا اور شیبانہ لڑکی نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اے جماعت عرب اگر میدان جنگ چھوڑ کے تم بچاؤ گے تو پھر تمہارا نطفہ ضائع ہو جائے گا اور ہمارے بطنوں سے شریف اولاد نہ پیدا ہوگی" یہ شعر نہ تھا۔ ایک برقی قوت تھی کہ اُس کا اثر محسوس کرتے ہی ہر عربی جان باز تھرا گیا۔ سات سو غیرت مند بہادروں کے چشم و ابرو پر جوش کے آثار نمودار ہوئے۔ تلواریں سوت سوت کے بڑھے۔ اور ایرانیوں کے لشکر میں گھس پڑے۔ شمشیر زنی میں آستینیں اُٹھجھین تو اُن پر سے سات سو آدمیوں نے آستینیں نوح نوح کے پھینک دیں۔ اور ایک مجنونانہ طیش کے ساتھ ایرانیوں کو قتل کرنے لگے۔ ان لوگوں کا یہ حملہ اس قیامت کا تھا کہ ایرانیوں کا غلبہ موقوف ہوا۔ اور اب وہ بجائے حملہ کرنے کے عربوں کا حملہ روک رہے تھے۔ لڑائی کارنگ اب پھر عربوں کے موافق ہو چلا تھا۔ کہ یکایک زہیر و عمرو جوش و خروش کے ساتھ کلمات رجز پڑھتے ہوئے پھر لڑائی کی آگ میں کودے۔ اور اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ جس فریق پر انھوں نے زور ڈالا اُس کے قدم اکھڑ گئے۔ اور گھبراہٹ بھوکا کے ساتھ بھاگے۔ اُن کو بھاگتے دیکھ کے سارے ایرانی لشکر نے ہمت ہار دی۔ اور ہر طرف سے لوگوں نے میدان چھوڑ چھوڑ کے ہٹنا۔ اور بیٹھے بیٹھے بھاگنا شروع کر دیا۔ آخر سارے لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اور ساسانی علم کے حامی اس بدحواسی اور بے سہر پائی سے بھاگے کہ نہ اپنے مال و اسباب کی خبر تھی اور نہ اپنے افسروں اور سرداروں کی پروا۔

عرب کل کی طرح آج اُٹھیں شکست دے کے، اطمینان سے ٹھہر نہیں گئے۔ بلکہ جوش و خروش سے تعاقب کیا۔ ہر جانب ایرانی قتل ہونے لگے اور عمرو زہیر بھی قیام تعاقب کرنے والوں کے ساتھ بہت دُور تک بڑھتے چلے گئے۔ عین اُس وقت جبکہ لشکرِ رُم پر تباہی برس رہی تھی اور بڑے بڑے سوار اور جان باز سپاہی نہایت ہی بودے پن سے قتل ہو رہے تھے طلح نے مددی عربوں کے کپڑے پہنے اور اپنی جو روحولہ کو بھی اُسی کے مناسب بدویہ عورتوں کے کپڑے



پنجا کے ساتھ لیا اور عام لشکر گاہ عجم سے ہٹ کے واہنی جانب چلا جدھر ایک وادی کے گو دین زید بن عدی کا خیمہ نصب تھا۔ خیمے کے باہر دو لون میان بیویوں نے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں اور جدا ہو گئے۔ مگر نہیں معلوم کیا بات تھی کہ خولہ جدا ہوتے وقت طلح سے لپٹ کے کچھ آبدیدہ سی ہو گئی پھر فوراً ہی اُس نے اپنا چہرہ ابلاش بنالیا۔ اور شوہر کو اس کے خیمے کے قریب چھوڑ کے ایک طرف چلی گئی۔ طلح اُس سے جدا ہوتے ہی خیمے کے اندر گیا۔ زید نہایت ہی بدحواس کھڑا ہوا تھا اور بھاگنے کی تاریاں کر رہا تھا۔ طلح نے جا کے کہا "افسوس۔ عجی سپاہ نے بڑی نامردی سے شکست کھائی۔ اور ہم لوگ شہر بارہ پور پر کوٹھ دیکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ان لوگوں کو میں ایسا بڑول اور نامرد نہیں جانتا تھا۔"

زیدؑ خیر۔ جو ہونا تھا ہوا۔ اب جس قدر جلد ہو سکے بھاگنا چاہیے۔ ورنہ عرب لوگ آکے ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔

طلحؑ ابھی شام تک تو وہ لوگ ایرانیوں کے تعاقب میں رہیں گے۔ اُنہیں ادھر آنے کی فرصت ہی نہ ہوگی۔ اور اسی خیال سے میں نے آپ کا خیمہ یہاں نصب کرایا تھا کہ اگر معاملہ دگرگون ہو تو آپ محفوظ رہیں۔ یہ جگہ ایک نہایت ہی عمدہ مامن میں ہے۔ لیکن ہاں اب اس خیمے کو چھوڑ دینا چاہیے۔

زیدؑ اور چھوڑ کے ہم جاہلیں گے کہاں؟

طلحؑ ایران جانے کا تو نام ہی نہ لو۔ ورنہ ہم سب قتل کر ڈالے جائیں گے۔ اگر دشمن عربوں کے ہاتھ سے بچ بھی گئے۔ تو خسرو پرویز قتل کرے گا جو شکست خوردہ افسروں کو ہمیشہ قتل کر ڈالا کرتا ہے۔ میرے خیال میں ہم یہی عرب بن کے ریگزار میں چکر لگائیں۔ اور جب موقع ملے عارث اوج کے دربار میں جا پہنچیں جو میرا پرانا مرتی ہے اور آپ کی بھی بڑی قدر کرے گا۔ یہ کہہ کے اُس نے خیمے کے ایک شگاف سے جھانک کر دیکھا۔ اور چند عربوں کو نیزے سے چمکاتے ادھر آتے دیکھ کے گھبراہٹ سے بولا "زید۔ جلدی بھاگو۔ ظالم آپہنچے۔ زید اور طلح دونوں خیمے کی پشت کی طرف سے نکل کے قبل اس کے کہ اُن حملہ آور عربوں کی نظر پڑے ایک چٹان کی آڑ میں ہو گئے۔ اور آڑ ہی آڑ میں جاتے جاتے گھائی میں غائب ہو گئے۔ ان کے

جانے کے بعد عربوں نے آکے خیموں کو لوٹا۔ جو کچھ پایا گھوڑوں پر لاد ا۔ چاروں طرف سے طنائین اور ڈوریان کاٹ کے خیمے کو گرا دیا۔ اور واپس روانہ ہوئے۔

زید اور طلحہ کہیں دور نہیں گئے تھے۔ بلکہ قریب ہی ایک ٹیلے کی اڑھین کھڑے اپنے خیمے کے لوٹے جانے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ عرب لوگ جب تاخت و تاراج کر کے چلے گئے تو دونوں اُس پناہ کی جگہ سے نکلے۔ اور اپنے گرسے پڑے خیمے سے دور ہی دور رہ کے آب ذی قار کی طرف چلے۔ مگر اس طرح کہ چکر کا کے ذی قار کی پشت پر جا کے ٹھکین۔ دونوں بدوی عربوں کا سادہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور مطمئن تھے کہ کوئی پہچان نہ سکے گا کہ انھیں عجمی لشکر سے کوئی تعلق ہے۔ طلحہ باتیں کرتے کرتے زید بن عدی کو آب ذی قار کی پشت پر ایک کوہستانی تنگ گھاٹی میں لے گیا۔ اور چاروں طرف نظر دوڑا کے ٹھہر گیا۔

زید: "کیوں؟ ٹھہر کیوں گئے؟"

طلحہ: "خولہ نے مجھ سے یہیں آکے ملے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ آئے تو چلوں؟"

زید: "یہ دقت ٹھہرنے اور کسی کا انتظار کرنے کا نہیں ہے۔ ان فحش اور جوش میں بھرے ہوئے عربی وحشیوں سے اس قدر قریب ٹھہرنا کسی حال میں نہیں مناسب ہے۔"

طلحہ: "آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا؟"

طلحہ: "ایک کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ پھر کئی چیزوں کی آوازیں آئیں۔ ساتھ ہی خولہ ایک عورت کو کھینچتی ہوئی لائی۔ اور طلحہ کی صورت دیکھتے ہی اُسے زمین پر گرا کے سینے پر چڑھ بیٹھی۔ اور چلائی "بس اب انتقام کا وقت آ گیا۔"

اس جملے نے جیسے طلحہ کو مجنون بنا دیا۔ اُس کے سر پر ایک جن سا سوار ہو گیا۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ غضبناک چشم و ابرو سے چاروں طرف دیکھ کے زید پر اس طرح نظر جا دی اور ایسی خٹکین مٹکا ہوں سے اُسے گھور کے دیکھا کہ اُس کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہوا۔ وہ دل ہی دل میں کچھ سہم سا گیا۔ اور بولا "کیوں خیریت تو ہے؟"

اس کے جواب میں طلحہ نے زبان سے تو کہا "ہاں خیریت ہے؟" مگر اس جملے کے ساتھ ہی ایک خونخوار شیر کی طرح جھپٹ کے زید کو زمین پر دے مارا اور

اُس کے سینے پر چڑھ کے خنجر کھینچ لیا۔ زید نے دوا یک دفعہ اُس کے پنجے سے چھوٹنے کی کوشش کی۔ مگر اس قیامت کی گرفت تھی کہ بالکل زور نہ چل سکا۔ اور مایوسی و عاجزی کے لمحے میں بولا "اے عاقل عرب۔ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ جو تو میری جان لینا چاہتا ہے؟"

طلح نے اس کا کچھ اب نہ دیا۔ اور گویا شکاری سے رخ زید ہی کی طرف کیے ہوئے تھا۔ مگر گویا اپنی سنگدل اور کینہ پرور جو رو کی طرف مخاطب ہو کر بولا "خولہ۔ ٹھہر۔ دیکھ مجھ سے پہلے تو وار نہ کرنا۔ ہم دونوں کے خنجر ایک ساتھ چلیں گے۔ اور ایک ہی وقت دو سینوں میں پیوست ہوں گے۔ خولہ۔" ہاں ہاں۔ سین اقرار کرے بموجب اپنا ہاتھ روکے ہوئے ہوں تمہارا حکم ہو اور میرا ہاتھ چلے۔ مگر جلدی حکم دو۔ یہ یہ لڑکی چیخ چیخ کے پہاڑوں کو سر براٹھا لیتی ہے۔"

طلح! اچھا تو سن۔ ہمارے اصلی دشمن زندہ موجود ہیں۔ جن سے انتقام لینا تھا اُن پر کوئی زور نہ چل سکا۔ ہم نے اتنی خاک چھانی مگر وہ اب بھی اُسی طرح کامیاب و با مراد ہیں۔ لیکن وہ نہیں تو اب ہم ایک اور طریقے سے اپنے غصے کی آگ بجھائیں گے۔ فی الحال ہماری تدبیر نے اُن کے عوض دو اور شکار ڈھونڈ لیے ہیں۔ جن سے دنیا کو خالی کر کے ہم اپنے دونوں کوششیں دے لیں گے۔ ہم اور تو دونوں اپنے اپنے حریفوں کے سینوں پر خنجر کی نوکین رکھ دیں۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ پھر خیال کر لیں کہ میرے خنجر کے نیچے عمرو بن لبید کا سینہ ہے اور تیرے خنجر کے نیچے زہیر کا سینہ۔ اور یہ خیال کر کے نہایت ہی خوشی اور نہایت ہی جوش کے ساتھ اُن کو دبا کے ان سینوں کے اندر تیرا دیں۔"

خولہ۔ میں راضی ہوں۔ اور اپنے شکار کے سینے پر خنجر رکھ دیا۔ ساتھ ہی اُس مظلوم عورت کے منہ سے ایک چیخ کی آواز نکل کے پہاڑوں سے ٹکرائی۔ طلح! تو آنکھیں بند کر اور میں بھی بند کرتا ہوں۔"

اب زید نے نہایت ہی حسرت کے ساتھ اور خوشامد کے لمحے میں کہا "اے اہ! میں کس جرم میں مارا جاتا ہوں؟ مگر طلح نے اس کا خیال بھی نکلیا۔"

خولہ : آنکھیں بھی بند کر لیں ؟

طلح : اب دل میں ٹھان لے کہ میرے خنجر کے نیچے عمر بن لبید کا سینہ ہے اور تیرے خنجر کے نیچے زہر کا ۔

یہ جملہ ختم نہیں ہوا تھا کہ کچھ آہٹ معلوم ہوئی اور کسی نے پیچھے سے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے ۔ اور خولہ کی بے اختیار سی گنجیم سے معلوم ہوا کہ اُس پر بھی یہی گزری ۔ تاہم طلح نے ایک جھٹکا سے اُس کے ہاتھ چھڑا لیا ۔ اور ایک پھرتی کے ساتھ خنجر کو زید کے سینے میں اتار ہی دیا ۔ اس کا رسی وار کے ساتھ ہی ایک طرف تو طلح زبردستی کھینچ کے زید کے سینے پر سے اٹھایا گیا ۔ اور دوسری طرف زید نے ایک آنکھ کے ساتھ ترپنا شروع کیا ۔ مگر خولہ اپنا دامن نہیں کرپنے پائی تھی کہ گھبراہٹ اٹھ کھڑی ہوئی ۔ اور گھبراہٹ کا ایک شخص کے ہاتھ میں زبردستی جس شخص نے خولہ کو گرفتار کیا تھا اب اُس نے اُس کی صورت غور سے دیکھی اور بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا " این یہ خولہ ہے ؟ " ادھر اس شخص نے یہ کہا اور ادھر دوسرا شخص جس نے اب طلح کی مشکمیں کس فی تھیں اسی طرح حیرت کی آواز میں کہا " اور دیکھو یہ طلح ہے ۔ مگر انہیں کس کم نجب نے اپنا کام پورا کر لیا " ( زید کی طرف متوجہ ہو کے ) " اسے شخص تو کون ہے ؟ اور اس غلام نے تجھے کیوں مار ڈالا ؟ "

زید : ( رُک رُک کے آہن کھینچ کھینچ کے اور ناتوانی کی شکستہ اور غیر سدا آواز میں ) " مجھے نہیں معلوم میں کیوں قتل کیا گیا ؟ اس پر میرے احسانات ہیں ۔ جب یہ ریگ روان پر پیاسا پڑا ہوا ترپ رہا تھا اس کی جان میں نے بچائی ۔ ہر امر میں اس کو مدد میں نے دی ہمیشہ اس کی اطاعت کی ۔ اس گھڑی تک اسے دوست سمجھا رہا ۔ مگر افسوس اس نے دغا دی ۔ اور نہیں خیر کہ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا ؟ "

شخص : " اچھا تو اپنا نام تو بتا کہ کون ہے ؟ اور کس قوم سے تعلق رکھتا ہے ؟ " زید : میں ارض حیرہ کا نامی رئیس زید بن عدی ہوں جو شہر یاربہ کے پیش دست اور اُس کا مستند تھا ۔ اور آج اس طرح اس دغا باز کے ہاتھ سے زخمی ہو کے خاک پر

لوٹ رہا ہوں۔ مگر اسے شخص تو جو کوئی ہو خبردار اس کے ساتھ بھدردی نہ کرنا۔ یہ کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ جس کا دوست ہو گا اُسی کے ساتھ دغا کرے گا۔ اس نے بہتون کی جان لی ہے۔ یہ لڑائی اسی کی فتنہ پردازی کا نتیجہ تھی۔ روم کی شاہزادی اور عجم کی ملکہ مریم کو اسی نے قتل کرایا۔ شیرین کے عاشق صادق فرما دئے انھیں میان بیویوں کی سازش سے جان دی۔ اور منذر بن نعمان کے خون میں اگرچہ میں بھی شریک تھا مگر اصل میں اُس کا بار بھی اسی کی گردن پر ہے۔ بس اب مجھ میں بونے کی طاقت نہیں۔ اسے زندگی بچے سے رخصت۔ اور اسے طلع بچہ پر ہزار بار لعنت۔ پچھلا لفظ نہایت مشکل سے اُس کی زبان سے نکلا۔ فوراً ہاتھ پردن میں تشنگ شروع ہو گیا۔ اور دم بھر میں اُس نے تڑپ کے جان دے دی۔

زید کے تڑپنے۔ اُس کے کلمات یاس و حسرت۔ اور اُس کے دم ہا پسین نے تھوڑی دیر کے لیے اُن تمام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جو اس وقت یہاں موجود تھے۔ اُس کا دم نکل جانے کے بعد ایک سناٹا سا ہو گیا۔ اسی میدان کے قریب اگرچہ ہزار ہا مخلوق جان دے چکی ہے مگر کسی کے جان دیتے وقت لوگوں کو وہ موت کا سناٹا نہیں نظر آیا تھا جو اس گھر ٹی زید بن عدی کی زندگی ختم ہونے پر نظر آ رہا ہے۔ یا ایک ایک چیخ کی آواز آئی۔ سب لوگوں نے چونک چونک کے اُٹھ کر دیکھا۔ اور کیا دیکھتے ہیں کہ خولہ جو ابھی چند ساعت پیشتر ایک عورت کے سینے پر چڑھی بیٹھی تھی زور زور سے سینہ پیٹ پیٹ کے چیخ رہی ہے۔ اور وہ عورت جو اتنا سے زیادہ مظلومی کے ساتھ پیچھے پڑی ہوئی تھی اُسی کے ہاتھ کا خنجر خولہ کے سینے میں پیوست ہے۔ طلع نے یہ کیفیت دیکھ کے اپنے چھڑانے کی کوشش کی۔ دو ایک جھلکے دیے کہ آزادی حاصل کر کے انتقام لے لے۔ مگر جو شخص اُسے پکڑے تھا اُس کی گرفت مضبوط تھی۔ اور کس خوب کس کے باندھ ہی گئی تھیں۔

اب خولہ برسرکات کا عالم طاری تھا۔ اس کا سر جھکرایا۔ غلام گردش کی منڈیل کے مانند تیز رفتار کیے ساتھ تمام خوشیاں۔ تمنائیں اور آرزوئیں ایک خیالی تصویر کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے آتی تھیں اور قبل اس کے کہ وہ اُن سے لطف اٹھائے کا موقع پائے رخصت ہو کے چلی جاتی تھیں۔ آخر کسی برساتی سیلاب کی طرح ان امیدوں اور



اپنی فتنہ پر دازبوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ - زہیر و عروہ و دونوں کی موت کا قصہ سننے کے  
 نہیں بلکہ دیکھا کہ کھڑے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - یہ عروہ ہی تھا جس نے  
 تجھے تیری لڑکھ سی بچا یا - اور یہ زہیر ہی ہے جو طلح کو پکڑے کھڑا ہے - اکیلے دی نہیں  
 دیکھ دو لون شریف و نیک نفس شاہزادیاں حلیمہ و حمیدہ بھی کھڑی ہوئی تیری ناپاک  
 موت سے عبرت حاصل کر رہی ہیں - اور اپنی کامیابیوں پر خوش ہیں -

یہ جملہ سنتے ہی طلح نے گھبراتے اور سہم کے اپنے اسیر کرنے والے کی صورت غور  
 سے دیکھی - اور خولہ جانکنی کے ایک آخری جھٹکے کے ساتھ بولی - "تو اب میں مطمئن  
 ہوں کہ اگر ہم دونوں ایک ساتھ کامیاب نہ ہوئے تو ایک ساتھ مر جائیں گے - مگر آہ  
 دم نہیں نکل چلتا - اور یہ مہیب صورتیں نظر کے سامنے ہیں - بے شک نیکو کاری کو  
 فتح اور دغا و فریب کو ذیل شکست ہے - یہ کہہ کے مر گئی - اس کے مرنے کے  
 ساتھ ہی زہیر نے ایک تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ طلح کا سر اڑ کے دور  
 جا گیا - اور دونوں ان فتنہ جو اور کیا دلوگوں سے ہمیشہ کے لیے خالی ہو گئی -

طلح کی زندگی کے ساتھ ہی سارے جھگڑے اور فساد ختم ہو گئے - عروہ زہیر اپنی  
 معشوقان اور دونوں شاہزادیوں سے اور سر نو بغلیں ہو گئے - اس لیے کہ اب ان بھلیں ہر طرف  
 سر اطمینان تھکا نہ کوئی دشمن باقی تھا اور کسی کا اندیشہ - ہاں حادثہ اس عروج کی طرف سے اطمینان  
 نہ تھا - مگر آخر باہی بن عروہ کی کوشش کی اس بھی معلوم ہو گیا کہ سارا فساد طلح خولہ کی فتنہ پر دازبوں کا نتیجہ تھا  
 جس کے ساتھ ہی اس کے اپنے گوشت و غیظ و غضب پر ندامت ہوئی - اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد  
 عسائی سفیر نے آ کے اس کی طرف سے معذرت خواہی کی اور دونوں شاہزادیوں اور دونوں  
 نوجوانوں کو مدعو کیا یہ دعوت قبول کی گئی - اور قلعہ بلقا میں نہایت ہی اعزاز و کرام اور  
 دھوم دھام سے ان کی دعوت ہوئی - جہاں مرجانہ بھی بڑی عزت کے ساتھ بلائی گئی  
 یوم ذی قار کی فتح کی خبر جب عرب میں مشہور ہوئی تو تمام قبائل اور گروہوں میں بڑی خوشیاں  
 منائیں - ان دنوں حضرت مسائب بن سلمہ مکہ منطلقی میں موجود تھے جب یہ بڑا فتح آپ کو گوش گزار ہوا  
 تو فرمایا "میں پہلا معرکہ ہے جس میں یوں نے مجھ کو سے اپنا مقام لے لیا - اور واقعی اگر عروہ دیکھتے تو  
 یہ فتح آپ ہی کی نبوت کی ایک برکت تھی جس کے ذریعے سے ہمارے ہمہ رنوں کو بھی اپنے عشق میں  
 آفات مایہ و نجات مل گئی - اور کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے -"











